محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی کتب سے ماخوذ،
صحیح احادیث کی روشنی میں کبار علمائے امت کی تشریحات کے ساتھ

صحیح معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ
فضیلۃ الشیخ حافظ محمد عمر حفظہ اللہ تعالیٰ
فاضل جامعہ سلفیہ فیصل آباد

نظرثانی
فضیلۃ الشیخ حافظ عبداللہ سلیم حفظہ اللہ



مکتبہ بیت السلام
لاہور، الریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد اپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

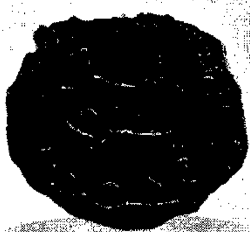
- نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

صحیح معجزاتِ رسول ﷺ

محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی کتب سے ماخوذ
صحیح احادیث کی روشنی میں کبار علمائے امت کی تشریحات کے ساتھ

ترجمہ
فضیلۃ الشیخ حافظ محمد عمر حفظہ اللہ تعالیٰ
فاضل جامعہ سلفیہ فیصل آباد

نظرثانی
فضیلۃ الشیخ حافظ عبداللہ سلیم حفظہ اللہ



مکتبہ بیت السلام
الریاض، لاھور

طبع اول

۱۴۳۵ھ ———— ۲۰۱۳ء

مکتبہ بیت السلام الریاض، لاہور

Mob: 0542666646,0566661236,0532666640 Tel: 4381155 - 4381122 Fax: 4385991

Email: bait.us.salam1@gmail.com Facebook page :Baitussalam book store

Web: baitussalam.exai.com لاہور 0321-6466422

بسم الله الرحمن الرحيم

صحیح معجزاتِ رسول ﷺ

فہرست

عرضِ ناشر

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جنابِ نبی کریم ﷺ کی نبوت کی تائید و اثبات کے لیے بہت زیادہ معجزات عطا فرمائے، جن کے ساتھ ایمان والوں کے دلوں کو قرار و ثبات ملتا اور ان کے عمل و ایمان میں اضافہ ہوتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ منکرین کے اوپر حجت قائم ہوتی اور ان میں سے سلیم الفطرت لوگ ان معجزات کو دیکھ اور سن کر دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہوتے۔

جنابِ نبی کریم ﷺ کو ملنے والے معجزات کئی انواع و اقسام پر مشتمل ہیں۔ آپ ﷺ کو ملنے والے معجزات کی حد بندی تو مشکل ہے، تاہم کتبِ احادیث میں ان کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے، جن کو ائمہ محدثین نے بیان کیا ہے۔ اسی سلسلے میں متعدد علما نے اس موضوع پر مستقل کتب تصنیف کی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس میں مولف ﷾ نے صحیح احادیث میں مروی نبی کریم ﷺ کے معجزات کو جمع کیا ہے۔ اس کتاب میں مذکورہ احادیث کے جمع و انتخاب کے سلسلے میں محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی تحقیقات و تخریجات پر اعتماد کیا گیا ہے اور صرف معتبر و مستند احادیث ہی کو اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے، تاکہ ہر مسلمان بلا کھٹکے ان نصوص شرعیہ پر عمل پیرا ہو سکے اور ان کی صحت و استناد کے متعلق کسی کے ذہن میں کوئی شبہہ نہ رہے۔ نیز احادیث کے متون کی تشریح میں اکابر علمائے امت

کے اقوال و شروح کو بھی کتاب کی زینت بنایا گیا ہے، تاکہ نصوص شرعیہ کو سمجھنا آسان ہو اور اس سلسلے میں کوئی ابہام اور تشنگی باقی نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کاوش کو کتاب کے مولف، مترجم اور ناشر کے لیے اخروی نجات کا ذریعہ اور بلندیِ درجات کا باعث بنائے۔ آمین یا رب العالمین

ابو میمون حافظ عابد الٰہی

مدیر

مکتبہ بیت السلام، ریاض۔ لاہور

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف الخلق والمرسلين، وعلىٰ آله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً. أما بعد:

مسلمان جب نبی مکرم ﷺ کی نبوت و رسالت اور اس کے دلائل کے بارے میں گفتگو کرنے کا اہتمام کرتا ہے تو گویا وہ ابوابِ اسلام میں سے ایک عظیم باب اور موضوع کو تھامتا ہے، کیوں کہ خود قرآنِ کریم نے ہمیں نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے دلائل پر غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے۔

معجزات وہ چیز ہے جو مومنوں کے ایمان کو ثابت کرتے ہوئے اور اس ایمان کو تقلید سے نکال کر برہان و دلیل کی طرف لاتے ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کی نبوت کی گواہی دیتی ہے۔

نیز وہ گمراہ انسانیت کے لیے ہمارے نبی مکرم ﷺ کی معرفت حاصل کرنے کی ایک دعوت بھی ہے اور ان کی زندگی اور دعوت کے عظیم پہلوؤں کو جاننے کا ذریعہ حاصل کرنے کی ایک دعوت بھی ہے اور ان کی زندگی اور دعوت کے عظیم پہلوؤں کو جاننے کا ذریعہ بھی ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کا تعارف حاصل کر کے ان کی نبوت و رسالت پر ایمان لانے کی دعوت ہے۔

معجزے کا مطلب ومفہوم:

جہاں تک معجزے کے لغوی مفہوم کا تعلق ہے تو وہ ہے مدِ مقابل کو مقابلے

میں ہرا دینا اور عاجز کر دینا۔ یہ ایک خارقِ عادت امر ہے، جو لوگوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اس جیسا کام کرنے سے عاجز کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس معجزے کو اس شخص کے ہاتھوں ظاہر کرتا ہے، جس کو وہ اپنی نبوت کے لیے چن لیتا ہے، تاکہ وہ معجزہ اس نبی کی سچائی اور اس کی رسالت کی صحت پر دلالت کرے۔

معجزے اور کرامت میں فرق:

معجزہ خارقِ عادت امر ہوتا ہے اور یہ نبوت اور بندوں کو چیلنج اور مقابلے کے دعوے کے ساتھ مقرون ہوتا ہے۔ جب کہ امت وہ خارقِ عادت امر ہے، جو دعوائے نبوت اور مقابلے کے چیلنج سے خالی ہوتی ہے۔ کرامت اس بندے سے صادر ہوتی ہے، جو اپنی ظاہری صورت حالت کے اعتبار سے اصلاح یافتہ ہو، اس کا عقیدہ درست ہو اور وہ اعمالِ صالحہ بجا لانے والا ہو۔

جب شریعت سے منحرف لوگوں کے ہاتھوں سے خارقِ عادت اَمر ظاہر ہو تو وہ احوالِ شیطانیہ کا حصہ ہوتا ہے، اسی طرح جب کسی مجہول الحال آدمی کے ہاتھوں اس کا ظہور ہو تو اس کی حالت کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا۔

معجزاتِ نبویہ کی اقسام:

① غیب کی خبریں۔ ایسی غائب چیزیں جن کے متعلق نبی مکرم ﷺ نے آگاہ کیا، چنانچہ وہ آپ ﷺ کی زندگی میں یا آپ ﷺ کی وفات کے بعد اُسی طرح سچ ثابت ہوئیں، جس طرح آپ ﷺ نے ان کے بارے میں خبر دی تھی، اس قسم میں آپ ﷺ کے وہ علمی معجزات بھی شامل ہیں، جن کی آپ ﷺ نے خبر دی اور جدید تجرباتی علم نے اس کے صحیح اور درست ہونے کی گواہی دی۔

② حسی معجزات۔ وہ حسی معجزات جو اللہ عزوجل نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو عطا فرمائے، جیسے کھانے کا بڑھ جانا، بیمار کو صحت یاب کر دینا اور چاند کو دو ٹکڑے کر دینا وغیرہ۔

③ معنوی دلائل سے تعلق رکھنے والے معجزات۔ یہ وہ معجزات ہیں، جن کو دلائل معنویہ کہا جاتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کی دعا کو قبول کرنا، آپ ﷺ کو قتل ہونے سے محفوظ کرنا اور آپ ﷺ کی رسالت کو عام کرنا اور پھیلانا۔ معجزات کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی تائید، آپ ﷺ کی شخصیت کے ساتھ معیت اور پھر آپ ﷺ کی دعوت اور دین میں معیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نبوت کے جھوٹے دعوے دار کو اس قسم کی تائید سے نہیں نوازتا۔

④ معجزۂ قرآن۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ معجزہ ہے، جس کو سالوں اور صدیوں کا گزرنا پرانا نہیں کرتا۔ یہ کتاب ایک دائمی معجزہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اعجازِ علمی، تشریعی اور بیانی وغیرہ جیسے مختلف قسم کے اعجازات سے نوازا تھا، یہ اس کی ایک دلیلِ باہر ہے۔

⑤ معراجِ نبوی: نبی مکرم ﷺ کا اسرا و معراج کی رات آسمانوں سے اوپر چڑھ جانا بھی ایک عظیم معجزہ ہے۔

بہر حال نبی مکرم ﷺ کے معجزات بہت زیادہ اور کئی قسموں سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ علما نے ان پر کئی کتابیں تصنیف کی ہیں اور ان میں آپ ﷺ کے کئی معجزات ذکر فرمائے ہیں، مگر ہم نے اپنی اس کتاب میں صرف وہی معجزات بیان کیے ہیں، جو بسط و شرح کے ساتھ ہمیں میسر آئے۔

یہ کتاب اپنے صفحات پر ان معجزاتِ نبویہ کا احاطہ کیے ہوئے ہے، جو صحیح احادیث کے ذریعے ثابت ہوتے ہیں۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر کوئی نئی کتاب تو نہیں ہے، مگر یہ معجزاتِ نبویہ کے مجموعے کو اس اسلوب میں پیش کرتی ہے، جو ایک نیا اور انوکھا انداز ہے اور ان لوگوں کے انداز سے بالکل مختلف ہے جنھوں نے اس موضوع پر لکھنے کا اہتمام کیا ہے۔

کتاب کا منہج:

① صرف ان صحیح احادیث کو جمع کرنا جو نبی مکرم ﷺ کے معجزات پر مشتمل ہیں، ان کے موضوعات کی باب بندی بھی کر دی گئی ہے، تاکہ قاری کے لیے اس سے استفادہ کرنا آسان ہو۔

② نص کا ضبط اور اس کا مقابلہ اور اس کے ساتھ ساتھ معانی کلمات کا اہتمام، کبار علما کی طرف سے شروح اور حواشی کا اضافہ۔ اسی طرح ہم نے حدیث کے آخر پر اس سے حاصل ہونے والے فوائد کا بھی ذکر کیا ہے۔

③ قرآنی آیات کے حوالہ جات، سورت کا نام اور آیت کا نمبر واضح کرنے کے ساتھ۔

④ احادیث کو سنت و حدیث پر مشتمل کتابوں کے حوالوں سے بیان کرنا۔ پس وہ احادیث جو صحیحین میں ہیں تو ان احادیث کو صحیحین کی طرف منسوب کر دینا ہی اس کی صحت کے لیے کافی ہے اور جو احادیث صحیحین کے علاوہ دوسری کتبِ احادیث سے لی گئی ہیں، ہم نے ان کے مصادر کو علامہ البانی رحمہ اللہ کی تحقیقات کے ساتھ بیان کر دیا ہے اور شیخ نے جن احادیث پر حکم لگایا ہے اور ہم کو وہ میسر ہوا ہے، ہم نے اسے ذکر کر دیا ہے۔

خاتمہ:

یہ ایک بے مایہ شخص کی حقیری سی کاوش ہے، اس میں سے جو صحیح ہے، وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق سے ہے اور جو غلطی اور خطا ہے وہ ہماری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ آخر پر ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بخش دے اور ہماری لغزشوں سے درگزر فرمائے، وہی یہ کام کرنے والا اور اس پر قادر ہے۔ ؎

إِنْ تَغْفِرْ فَأَنْتَ بِذٰلِكَ أَهْلُ
وَإِنْ تَطْرُدْ فَمَنْ يَّغْفِرُ سِوَاكَ

"اگر تو معاف کر دے تو تو ہی معاف کرنے والا ہے اور اگر تو مجھے اپنے در سے دھتکار دے تو پھر تیرے علاوہ اور کون معاف کرتا ہے؟"

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری اس کوشش کو خالص اپنی رضا کے لیے بنا دے اور اسے قبول فرمائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً.

احمد ناجی

1- اسرا و معراج کا بیان

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُتِيتُ بِالْبُرَاقِ ـوَهُوَ دَابَّةٌ أَبْيَضُ طَوِيلٌ فَوْقَ الْحِمَارِ وَ دُونَ الْبَغْلِ يَضَعُ حَافِرَهُ عِنْدَ مُنْتَهَىٰ طَرْفِهِ۔ قَالَ: فَرَكِبْتُهُ حَتَّى أَتَيْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ. قَالَ: فَرَبَطْتُهُ بِالْحَلْقَةِ الَّتِي يَرْبِطُ بِهِ الْأَنْبِيَاءُ. قَالَ: ثُمَّ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَصَلَّيْتُ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجْتُ فَجَاءَنِي جِبْرِيلُ علیہ السلام بِإِنَاءٍ مِنْ خَمْرٍ وَإِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ فَاخْتَرْتُ اللَّبَنَ، فَقَالَ جِبْرِيلُ علیہ السلام: اِخْتَرْتَ الْفِطْرَةَ. ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ. قِيلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ. قِيلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِآدَمَ فَرَحَّبَ بِي وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ. ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ. قِيلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ. قِيلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِابْنَيِ الْخَالَةِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَيَحْيَى بْنِ زَكَرِيَّا صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمَا، فَرَحَّبَا وَدَعَوَا لِي بِخَيْرٍ. ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ. قِيلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ. قِيلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ.

قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِيُوسُفَ عليه السلام إِذَا هُوَ قَدْ أُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسْنِ، فَرَحَّبَ وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ. ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ. قِيلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ. قِيلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِإِدْرِيسَ، فَرَحَّبَ وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الْخَامِسَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ. قِيلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ. قِيلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِهَارُونَ عليه السلام فَرَحَّبَ وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ. ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ. قِيلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ. قِيلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى عليه السلام فَرَحَّبَ وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ. ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ. قِيلَ: وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ. قِيلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِإِبْرَاهِيمَ عليه السلام مُسْنِداً ظَهْرَهُ إِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ، وَإِذَا هُوَ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ لَا يَعُودُونَ إِلَيْهِ، ثُمَّ ذَهَبَ بِي إِلَى السِّدْرَةِ الْمُنْتَهَى، وَإِذَا وَرَقُهَا كَآذَانِ الْفِيَلَةِ وَإِذَا ثَمَرُهَا كَالْقِلَالِ. قَالَ: فَلَمَّا غَشِيَهَا مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ مَا غَشِيَ تَغَيَّرَتْ فَمَا أَحَدٌ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ يَسْتَطِيعُ أَنْ يَنْعَتَهَا مِنْ حُسْنِهَا. فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيَّ مَا أَوْحَى، فَفَرَضَ عَلَيَّ خَمْسِينَ صَلَاةً فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّ لَيْلَةٍ،

فَنَزَلْتُ إِلَى مُوسٰى عَلَیْہِ السَّلَامُ فَقَالَ: مَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلَى أُمَّتِكَ؟ قُلْتُ: خَمْسِينَ صَلَاةً . قَالَ: ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا يُطِيقُونَ ذٰلِكَ، فَإِنِّي قَدْ بَلَوْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَخَبَرْتُهُمْ. قَالَ: فَرَجَعْتُ إِلَى رَبِّي فَقُلْتُ: يَا رَبِّ خَفِّفْ عَلَى أُمَّتِي. فَحَطَّ عَنِّي خَمْساً فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى فَقُلْتُ: حَطَّ عَنِّي خَمْساً. قَالَ: إِنَّ أُمَّتَكَ لَا يُطِيقُونَ، ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ. قَالَ: فَلَمْ أَزَلْ أَرْجِعُ بَيْنَ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَبَيْنَ مُوسٰى عَلَیْہِ السَّلَامُ حَتّٰى قَالَ: يَا مُحَمَّدُ إِنَّهُنَّ خَمْسُ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَّ لَيْلَةٍ، لِكُلِّ صَلَاةٍ عَشْرٌ فَذٰلِكَ خَمْسُونَ صَلَاةً. وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ عَشْرًا، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ شَيْئاً فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ سَيِّئَةً وَّاحِدَةً. قَالَ: فَنَزَلْتُ حَتّٰى انْتَهَيْتُ إِلَى مُوسٰى عَلَیْہِ السَّلَامُ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ: ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: فَقُلْتُ: قَدْ رَجَعْتُ إِلَى رَبِّي حَتّٰى اسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ»[1]

''میرے پاس براق لایا گیا، وہ ایک سفید رنگ کا لمبا جانور تھا، جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا، وہ اپنا قدم اپنی حدِ نظر تک رکھتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس پر سوار ہو گیا، یہاں تک کہ میں بیت المقدس پہنچ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر میں نے اسے اس کڑے سے باندھ دیا، جس سے انبیا باندھتے تھے۔ فرمایا: پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور اس میں دو رکعت نماز ادا کی، اس کے بعد

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [162]

میں باہر آیا تو جبرائیل میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ لے کر آئے۔ میں نے دودھ کا انتخاب کیا، اس پر جبرائیل نے کہا کہ آپ نے فطرت کا انتخاب کیا ہے، پھر وہ ہمیں آسمان تک لے گئے اور انھوں (جبرائیل) نے آسمان کو کھلوانا چاہا، تو انھیں کہا گیا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے کہا: جبرائیل! کہا گیا کہ تمھارے ساتھ کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: محمد ﷺ! کہا گیا انھیں بلایا گیا ہے؟ جبرائیل نے کہا: تحقیق انھیں بلایا گیا ہے، پھر ہمارے لیے دروازہ کھولا گیا تو میں نے وہاں پر آدم علیہ السلام کو دیکھا، انھوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے خیر کی دعا کی، پھر وہ ہمیں دوسرے آسمان پر لے گئے جبرائیل نے (دروازہ) کھلوانا چاہا تو ان سے کہا گیا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: جبرائیل۔ کہا گیا تمھارے ساتھ کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: محمد ﷺ، کہا گیا: انھیں بلایا گیا ہے؟ جبرائیل نے کہا: تحقیق انھیں بلایا گیا ہے، پھر ہمارے لیے دروازہ کھولا گیا تو میں نے وہاں پر دو خالہ زاد بھائی عیسیٰ بن مریم اور یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو دیکھا، ان دونوں نے خوش آمدید کہا اور مجھے خیر کی دعا دی، پھر وہ مجھے لے کر تیسرے آسمان کی طرف بلند ہوئے، جبرائیل نے (دروازہ) کھلوانا چاہا تو ان سے کہا گیا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: جبرائیل۔ کہا گیا: تمھارے ساتھ کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: محمد ﷺ۔ کہا گیا: انھیں بلایا گیا ہے؟ جبرائیل نے کہا: تحقیق انھیں بلایا گیا ہے، پھر ہمارے لیے دروازہ کھولا گیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں پر یوسف علیہ السلام تھے، انھوں نے دعائے خیر دی، پھر وہ ہمیں لے

کر چوتھے آسمان کی طرف بلند ہوئے۔ جبرائیل نے (دروازہ) کھلوانا چاہا تو ان سے کہا گیا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: جبرائیل۔ کہا گیا: تمھارے ساتھ کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: محمد ﷺ، کہا گیا: انھیں بلایا گیا ہے؟ جبرائیل نے کہا: تحقیق انھیں بلایا گیا ہے، چنانچہ ہمارے لیے دروازہ کھولا گیا تو میں نے وہاں پر ادریس علیہ السلام کو دیکھا، انھوں نے خوش آمدید کہا اور مجھے دعائے خیر دی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴾ [مریم: 57]

''ہم نے اسے اعلیٰ مقام پر پہنچایا تھا۔''

اس کے بعد وہ ہمیں لے کر پانچویں آسمان کی طرف بلند ہوئے، جبرائیل نے (دروازہ) کھلوانا چاہا تو ان سے کہا گیا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: جبرائیل، کہا گیا: تمھارے ساتھ کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: محمد ﷺ۔ کہا گیا: انھیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل نے کہا: تحقیق انھیں بلایا گیا ہے، پھر ہمارے لیے دروازہ کھولا گیا تو میں نے وہاں پر ہارون علیہ السلام کو دیکھا، انھوں نے خوش آمدید کہا اور مجھے خیر کی دعا دی، پھر وہ ہمیں لے کر چھٹے آسمان کی طرف بلند ہوئے، جبرائیل نے (دروازہ) کھلوانا چاہا تو ان سے کہا گیا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: جبرائیل۔ کہا گیا: تمھارے ساتھ کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: محمد ﷺ۔ کہا گیا: انھیں بلایا گیا ہے؟ جبرائیل نے کہا: تحقیق انھیں بلایا گیا ہے، پھر ہمارے لیے دروازہ کھولا گیا تو میں نے وہاں پر موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، انھوں نے خوش آمدید کہا اور مجھے

دعاے خیر دی، اس کے بعد وہ ہمیں لے کر ساتویں آسمان کی طرف بلند ہوئے، جبرائیل نے (دروازہ) کھلوانا چاہا تو ان سے کہا گیا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: جبرائیل۔ کہا گیا: تمھارے ساتھ کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: محمد ﷺ۔ کہا گیا: انھیں بلایا گیا ہے؟ جبرائیل نے کہا: تحقیق انھیں بلایا گیا ہے، پھر ہمارے لیے دروازہ کھولا گیا تو میں نے وہاں پر ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بیت معمور کے ساتھ اپنی پشت لگائے ہوئے ہیں اور (بیت معمور) وہ (گھر) ہے، جہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور دوبارہ نہیں آتے، پھر وہ مجھے سدرۃ المنتہٰی کی طرف لے گئے، جس کے پتے ہاتھیوں کے کانوں کی طرح اور اس کا پھل مٹکوں کی طرح تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر جب اسے اللہ کے حکم سے اس نے ڈھانپ لیا، جس نے ڈھانپ لیا تو وہ تبدیل ہوگئی اور اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی تعریف کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، پھر اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی اور مجھ پر ہر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض کیں، اس کے بعد میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انھوں نے کہا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے جواب دیا: پچاس نمازیں۔ انھوں نے کہا: آپ اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور اس سے کچھ کمی کی درخواست کریں، کیوں کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی، کیوں کہ میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں اور ان کو خوب جانچ چکا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر میں واپس گیا اور عرض کی کہ اے میرے رب! میری امت پر

تخفیف فرما دیجیے، پس اللہ عزوجل نے مجھ سے پانچ نمازیں کم کر دیں۔ میں پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پانچ نمازیں کم کر دی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ آپ کی امت اس کی (بھی) طاقت نہیں رکھے گی، اپنے رب کے پاس واپس جائیے اور (مزید) تخفیف کا سوال کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر میں اپنے رب اور موسیٰ کے درمیان آتا جاتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد ﷺ ہر دن اور رات میں یہ پانچ نمازیں ہیں، ہر نماز کا اجر دس گنا ہے، لہٰذا یہ پچاس نمازیں ہی ہوئیں، جس نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اور اسے نہ کر سکا تو اس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی اور اگر اس نے وہ نیکی کر لی تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے کسی برائی کا ارادہ کیا اور اسے نہ کر سکا تو اس کے لیے کچھ بھی نہیں لکھا جائے گا اور اگر اس نے وہ (برائی) کر لی تو ایک ہی (برائی) لکھی جائے گی، آپ ﷺ نے فرمایا: پھر میں نیچے اترا اور موسیٰ علیہ السلام تک پہنچ گیا اور انھیں اس بارے میں بتایا تو انھوں نے کہا کہ اپنے رب کے پاس جائیں اور اس سے (مزید) تخفیف کا سوال کریں، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے کہا کہ میں اپنے رب کے پاس بار بار گیا ہوں اور اب مجھے اس سے شرم محسوس ہوتی ہے۔

تشریح:

واقعۂ معراج ہجرت سے ایک سال قبل پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے دکھوں اور مصیبتوں کو ہلکا کرنے کے لیے آپ ﷺ کو آسمانوں کی سیر کروائی اور اپنی قدرت کاملہ کے مظاہر کا نظارہ کروایا، تاکہ آپ ﷺ کا

دل اس مشن کے ساتھ مانوس رہے اور زمین میں ہر طرف پھیلے ہوئے کفر و ضلالت کے اندھیروں تک اللہ کی دعوت اور پیغام کو پہنچانے کا پختہ عزم مضبوط سے مضبوط تر رہے، جیسا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو بھی اس قسم کے عجائبات کا نظارہ کروا چکے تھے۔

سفرِ معراج کا مقصد اللہ تعالیٰ کا اپنے پیغمبر ﷺ کو ہجرت کے لیے اور کائنات میں پھیلے ہوئے فسق و فجور اور کفر و گمراہی کو مٹانے کے لیے مستعد رکھنا تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس دوران میں آپ ﷺ کو بے شمار نشانیاں دکھائیں، مثلاً آپ ﷺ کو بیت المقدس کی طرف لے جانا، آسمان کی سیر کروانا، جہاں رسول اللہ ﷺ نے دیگر انبیا اور رسولوں سے ملاقات کی۔ آپ ﷺ نے ساتوں آسمان، فرشتے، جنت، جہنم، جنت کی کچھ نعمتیں اور جہنم کے کچھ عذابوں کی جھلکیاں بھی دیکھیں۔

مشاہدات:

اس سفر میں رسول اللہ ﷺ نے مندرجہ ذیل چیزوں کا مشاہدہ کیا:

① رسول اللہ ﷺ کو دودھ اور شراب پیش کی گئی، مگر آپ ﷺ نے دودھ پسند کیا تو آپ ﷺ سے کہا گیا:

«هُدِيتَ الْفِطْرَةَ أَوْ أَصَبْتَ الْفِطْرَةَ، أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ»[1]

”فطرت کی طرف آپ کی راہنمائی کی گئی ہے یا آپ فطرت کو پہنچے ہیں، اگر آپ شراب اختیار کرتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔“

② آپ نے جنت کی چار نہریں دیکھیں، دو ظاہر اور دو باطن تھیں، ظاہر نہریں نیل و فرات تھیں۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3254] صحيح مسلم، رقم الحديث [168]

اس سے مراد یہ تھا کہ عنقریب آپ ﷺ کی رسالت اور دعوت کا چرچا نیل اور فرات کی گھاٹیوں میں بھی ہونے لگے گا اور وہاں کے باشندے گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوں گے۔

③ آپ ﷺ نے اس سفر کے دوران میں جہنم کے داروغے ''مالک'' کو بھی دیکھا، اس کی حالت یہ تھی کو وہ ہنستا تھا اور نہ اس کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے، اسی طرح آپ ﷺ نے جنت اور جہنم کو بھی دیکھا۔

④ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کا حال دیکھا، جو دنیا میں ظلم کے ساتھ یتیموں کا مال کھاتے تھے کہ ان کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح تھے، وہ پتھروں جیسے آگ کے بڑے بڑے انگارے اپنے منہ میں ڈال رہے تھے، جو ان کی دبر کے راستے سے باہر نکل رہے تھے۔

⑤ سود کھانے والوں کو آپ ﷺ نے دیکھا کہ ان کے پیٹ بڑے بڑے تھے، حتی کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے جہنم میں آلِ فرعون کو بھی دیکھا کہ ان کو روندتے ہوئے آگ پر پیش کیا جا رہا تھا۔

⑥ زانی لوگوں کو آپ ﷺ نے اس حال میں دیکھا کہ ان کی ایک جانب پاکیزہ اور صاف گوشت تھا، جب کہ دوسری جانب بدبودار، گندا اور چھیچھڑوں والا تھا، وہ صاف گوشت چھوڑ کر نکمے اور بدبودار کو کھا رہے تھے۔

⑦ آپ ﷺ نے وہاں ایسی عورتوں کو بھی دیکھا، جو اپنے خاوندوں کے علاوہ دیگر مردوں کے پاس برائی کی غرض سے جاتی تھیں، ان کو ان کے پستانوں کے بل لٹکا دیا گیا تھا۔

⑧ رسول اللہ ﷺ نے معراج پر جاتے اور واپس آتے ہوئے اہلِ مکہ کا ایک

قافلہ بھی دیکھا اور ان کو ان کے ایک اونٹ کے بارے میں بھی خبر دی، جو بھاگ گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ایک ڈھکے ہوئے مٹکے سے پانی بھی پیا، جب کہ قافلہ اس وقت سو رہا تھا اور بعد میں آپ ﷺ نے برتن کو ڈھک دیا اور معراج کی رات کی صبح یہ بات رسول اللہ ﷺ کے دعوے کی صداقت کی ایک دلیل ثابت ہوئی۔[1]

فوائد:

① ہر آزمائش کے بعد آسانی ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بڑی بڑی آزمایشوں پر ثابت قدمی دکھائی، صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اور ہر طرح کی تکلیف کو برداشت کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا صلہ یہ دیا کہ آسمان کی سیر کروائی، ساری مخلوق کو چھوڑ کر اپنے محبوب کو اپنے پاس بلایا اور آپ سے ملاقات کی۔ ساری کائنات غیب کی جن چیزوں سے ناواقف تھی، آپ ﷺ کو وہ چیزیں دکھائی گئیں اور آپ ﷺ کو ایک دفعہ چند لمحے رسولوں میں سے اپنے بھائیوں کے ساتھ گزارنے کا موقع فراہم کیا، تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ آپ ﷺ آخر میں آنے کے باوجود ان کے امام اور ان کے لیے نمونہ ہیں۔

② رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایک اہم موڑ آنے والا تھا، عنقریب آپ ﷺ ہجرت کرنے والے تھے اور آپ ﷺ نے ایک نئے شہر میں پہنچ کر اسلامی ریاست کی بنیاد رکھنا تھی۔ اللہ تعالیٰ کا خیال تھا کہ اس بنیاد میں کام آنے والے لوگ طاقت ور، بہادر اور عقیدے کے اعتبار سے مضبوط اور پختہ ہوں۔ یہ واقعہ ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان تھا، جس کے

[1] الرحیق المختوم [ص: 108]

ذریعے سے اللہ عزوجل نے کمزور اور پختہ ایمان والوں کو الگ الگ کرنا تھا، مومنوں کے دلوں کو پرکھنا تھا کہ کس کا دل کتنا بیمار اور کس کا کتنا توانا ہے۔

دوسری طرف جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو دل و جان سے تسلیم کیا تھا، سوچ سمجھ کر آپ کی دعوت پر لبیک کہا تھا، آپ کے ساتھ ہر آزمایش اور تکلیف میں برابر کے شریک رہے تھے، ایک لمحہ بھی آپ ﷺ کو تنہا ہونے کا احساس نہیں ہونے دیا تھا، ہر وقت اور ہر جگہ آپ ﷺ کی صداقت کی گواہی دی تھی، ان کے لیے یہ واقعہ ایک آخری آزمایش تھا کہ ان کے دلوں میں ایمان کتنا مضبوط ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کو یہ پیغام دیا گیا کہ تم ایمان پر ثابت قدم رہو گے تو تمھارا مستقبل انتہائی روشن ہے۔

۳ اس میں نبی مکرم ﷺ کی شجاعت، ہمت اور جرأت کا بیان ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ کے بعد مشرکین کا سامنا کرنے میں ذرا بھی پست حوصلہ نہیں دکھایا تھا، کیوں کہ یہ واقعہ اس نوعیت کا تھا کہ مشرکین نے فوری طور پر اس کو ماننے سے انکار کر دیا تھا، ان کی عقل اور فہم کے مطابق یہ ناممکنات میں سے تھا۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ رات کے کچھ حصے میں اتنا لمبا سفر ممکن ہو سکتا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف سے ممکنہ انکار اور مذاق کے باوجود پوری جرأت اور بہادری کے ساتھ ان کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے باطل کے سامنے حق کی دعوت کو بے شمار عمدہ مثالوں اور واضح نشانیوں کے ساتھ پیش کیا، اگرچہ مشرکین نے آپ کی مخالفت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ رسول اللہ ﷺ کے بیت المقدس کی طرف اس سفر میں مشرکین کے خلاف بے شمار دلائل موجود تھے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سفر میں بے شمار

ایسی نشانیاں واضح کیں، جن کا تقاضا تھا کہ کافر آپ ﷺ کو سچا مان لیں اور آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ مثلاً:

- نبی اکرم ﷺ نے بیت المقدس کا سارا نقشہ بیان کیا، چناں چہ انھوں نے اس بات کا اقرار کیا کہ آپ ﷺ نے سچ بیان کیا ہے اور واقع کے عین مطابق ہے۔
- آپ ﷺ نے مکہ والوں کو اس قافلے کی خبر دی، جو روحا کے مقام پر تھا اور ان کا ایک اونٹ گم ہو چکا تھا، مزید آپ ﷺ نے ان کے مٹکے سے پانی بھی پیا تھا۔
- آپ نے ایک دوسرے قافلے کی بھی خبر دی، جن کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا۔
- آپ ﷺ نے ایک تیسرے قافلے کی بھی خبر دی، جو ابوا کے مقام پر پہنچ چکا تھا اور اس اونٹ کی بھی نشاندہی کی جو آگے آگے آ رہا تھا اور یہ بھی بتایا کہ وہ کس وقت پہنچے گا۔ مشرکین نے نبی اکرم ﷺ کی تمام باتوں کو صحیح اور سچا پایا اور اب ان کے پاس آپ ﷺ کی باتوں کے انکار کا کوئی جواز نہ تھا، لیکن اس کے باوجود وہ آپ ﷺ پر ایمان نہ لائے۔

④ اس عظیم سفر میں رسول اللہ ﷺ کی عمدہ تربیت کی گئی۔ اب تک رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ زمین پر دیکھا تھا، وہ اصل کائنات کا عشر عشیر بھی نہیں تھا، جب کہ کافر اسی زمین کو سب کچھ سمجھ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں پھیلے ہوئے وسیع قدرتی مناظر کا نظارہ کروانے کے لیے اپنے اس پسندیدہ بندے کو منتخب کیا، جس کے سامنے کفارِ مکہ کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بلند و بالا سفر میں رسول اللہ ﷺ کو چند لمحات کے لیے فرشتوں اور دیگر انبیا کا ساتھ نصیب فرمایا اور بہ ذاتِ خود اللہ عزوجل نے

آپ ﷺ سے کلام کیا۔

۵ اس واقعہ کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان کی مضبوطی ظاہر ہوئی۔

جب کافروں نے ان کو واقعہ معراج کی خبر دی تو انھوں نے فوراً جواب دیا کہ اگر واقعی رسول اللہ ﷺ نے یہ بات کہی ہے تو یقیناً سچ ہی ہوگی۔ اس کے بعد کہا کہ میں تو زمین و آسمان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے منہ سے نکلی ہوئی اس سے بھی ناممکن نظر آنے والی بات کی تصدیق کر چکا ہوں، اس وجہ سے ان کا لقب ''صدیق'' رکھا گیا۔

یہ ان کے یقین کی آخری حد تھی، جب انھوں نے واقعہ معراج اور آسمان سے نازل ہونے والی وحی کا موازنہ کرتے ہوئے یہ بات واضح کی کہ یہ چیزیں ایک عام آدمی کے منہ سے سننے میں آئیں تو یقیناً ناقابل قبول ہوں گی، لیکن رسول اللہ ﷺ جب ایسی چیزوں کی خبر دیں تو اس میں شک وشبہہ کا امکان نہیں ہو سکتا۔

۶ اس دوران میں جب آپ ﷺ کو دودھ اور شراب پیش کی گئی تو آپ ﷺ کا دودھ پسند کرنا اور جبرائیل علیہ السلام کا آپ ﷺ کو بشارت دینا کہ آپ نے فطرت کی طرف پیش قدمی کی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام انسانی فطرت کے عین موافق ہے۔ جس ذات نے انسان کے لیے فطری خصائل پیدا کیے ہیں، اسی نے اس دین کو ان خصائل کے عین موافق ڈھالا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ضروریات، خیالات، توقعات اور اس کے جذبات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس دین کو اس کے لیے منتخب کیا ہے۔

۷ نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں دیگر انبیا کا نماز ادا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے آپ ﷺ کی قیادت اور امامت کو تسلیم کیا اور اسلامی شریعت نے سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔[1]

[1] السيرة النبوية عرض وقائع و تحليل أحداث [334/1] کچھ تصرف کے ساتھ۔

2- رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں ڈالا تو وہ صحت یاب ہو گئے

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَداً رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَىٰ يَدَيْهِ»

"کل میں ایک ایسے بندے کو اسلامی جھنڈا دوں گا، جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح نصیب فرمائیں گے۔"

راوی کہتے ہیں: لوگوں نے رات اس سوچ میں گزاری کہ ان میں سے کس کو جھنڈا ملے گا؟ جب صبح ہوئی تو سب لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور ہر ایک کو امید تھی کہ جھنڈا اسے ہی ملے گا، لیکن رسول اللہ نے دریافت کیا:

«أَيْنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ؟» "علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟"

لوگوں نے بتایا کہ ان کی آنکھوں میں درد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« فَأَرْسِلُوا إِلَيْهِ فَأْتُونِي بِهِ، فَلَمَّا جَاءَ بَصَقَ فِي عَيْنَيْهِ، وَدَعَا لَهُ فَبَرَأَ حَتَّى كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بِهِ وَجَعٌ فَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ»

"کسی آدمی کو بھیجو کہ وہ ان کو بلا کر لائے، جب وہ آئے تو آپ ﷺ نے ان کی آنکھ میں اپنا لعاب ڈالا اور ان کے لیے دعا فرمائی، جس سے ان کو ایسی شفا ہوئی کہ جیسے پہلے کوئی مرض تھا ہی نہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے جھنڈا ان کو دیا۔"

علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں ان سے اس وقت تک لڑوں گا جب تک وہ ہمارے جیسے (مومن) نہیں بن جاتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اُنْفُذْ عَلَى رِسْلِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِم مِنْ حَقِّ اللّٰهِ فِيهِ، فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ» [1]

''ابھی نرمی سے چلتے رہو، جب ان کی سرزمین میں اترو تو پہلے انھیں اسلام کی دعوت دو اور انھیں بتاؤ کہ اللہ کے ان پر کیا حقوق واجب ہیں۔ اللہ کی قسم اگر تمھارے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ایک بھی شخص کو ہدایت دے دی تو وہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہوگا۔''

تشریح:

اللہ تعالیٰ نے جب عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیا تو ساتھ کچھ نشانیاں بھی عطا فرمائیں، جنھیں وہ اپنی قوم میں اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کرتے تھے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ میں پیدائشی اندھے اور کوڑھی کے مرض کی شفا رکھی تھی۔ یہ نشانی ان کی نبوت کی ایک واضح اور قطعی دلیل تھی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بھی ایسی بے شمار نشانیاں عطا فرمائی تھیں، انھیں میں سے ایک یہ تھی کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ کے ہاتھ سے شفا نصیب ہوئی، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن ارشاد فرمایا:

«لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَى يَدَيْهِ، يُحِبُّ اللّٰهَ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3425]

وَرَسُوْلَهٗ وَ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ»

''میں یہ جھنڈا جس آدمی کو دوں گا، اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح نصیب فرمائیں گے اور وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اسے پسند کرتے ہیں۔''

لوگ ساری رات آپس میں باتیں کرتے رہے کہ وہ کون خوش نصیب ہوگا، جسے صبح یہ اعزاز ملے گا۔ جب صبح ہوئی تو ہر بندہ یہ امید لے کر اللہ کے رسول ﷺ کے پاس گیا کہ شاید اس کی قسمت جاگ اٹھے اور یہ اعزاز اس کو مل جائے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے حاضرین سے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا جو اس مجلس میں موجود نہیں تھے۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں درد ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَاَرْسِلُوْا اِلَيْهِ»

''کسی آدمی کو علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجو، وہ ان کو بلا کر لائے۔''

جب علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب ڈالا اور ان کے لیے شفا کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ تندرست نظر آنے لگے، گویا ان کو کوئی بیماری آئی ہی نہ تھی، پھر آپ ﷺ نے ان کو جھنڈا تھما دیا۔

خیبر سے کیا مراد ہے؟

خیبر وہ جگہ ہے جہاں یہود آباد تھے۔ وہاں پر ان کا قلعہ اور زرعی اراضی بھی تھی۔ یہ مقام مدینے سے شمال مغرب کی جانب ایک سو میل کے فاصلے پر واقع تھا اور اس خطے پر یہود کا مکمل قبضہ تھا۔

یہود میں یہ خصلت رہی ہے کہ وہ ہمیشہ خائن، دھوکے باز اور عہد و پیمان کو توڑنے والے رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آج تک ان کی

یہی روش رہی ہے اور قیامت تک ایسے ہی رہے گی۔

نبی کریم ﷺ نے ان سے جنگ کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر فتح عطا فرمائی۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَداً رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ»[1]

''کل میں ایک ایسے آدمی کو جھنڈ دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائیں گے۔''

اس جملے میں دو بڑے فضائل بیان ہوئے ہیں:

1. جس آدمی کے ذریعے اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائیں گے، اس نے دراصل بہت زیادہ بھلائی حاصل کر لی اور اس کے ذریعے سے اگر اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو بھی ہدایت دے دی تو اس کی یہ نیکی سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہو گی۔ سرخ اونٹوں کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں عرب کے ہاں سرخ اونٹ بہت قیمتی سمجھے جاتے تھے۔
2. وہ اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول ﷺ اسے پسند کرتے ہیں، اس جملے سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ جس رات آپ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی، اس رات تمام لوگ اس آدمی کے بارے میں غور وخوض کرتے رہے اور آپس میں گفتگو کرتے رہے کہ وہ کون خوش نصیب ہو سکتا ہے؟ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے تھوک اور دعا کی وجہ سے علی رضی اللہ عنہ کا صحت یاب ہونا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھا۔

اس نوعیت کے بے شمار واقعات نبی مکرم ﷺ سے منقول ہیں۔ سوچنے کی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2847] صحيح مسلم، رقم الحديث [2407]

بات یہ ہے کہ کیا یہ کوئی طبی نسخہ تھا یا واقعی رسول اللہ ﷺ کا معجزہ اور آپ ﷺ کی رسالت کی دلیل تھی؟

فوائد:

① نبی اکرم ﷺ نے اس چیز کی وضاحت فرمائی کہ دوسروں کو اسلام کی دعوت پیش کرنے کا طریقہ کار اور حکمت عملی کیا ہے۔

② آپ ﷺ کی نبوت کی ایک نشانی کا بیان، یعنی آپ کے لعاب اور دعا کی وجہ سے علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں ٹھیک ہوگئیں۔

③ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے بتانے سے ایک غیبی کام کی خبر دی کہ اس آدمی کے ذریعے اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائیں گے۔

④ میدانِ جنگ میں اسلامی فوج کو اپنا جھنڈا یا علم نصب کرنا چاہیے، یا ساتھ اٹھا کر چلنا چاہیے، اسی طرح ہر قوم اگر اپنا کوئی خاص جھنڈا بنا لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

⑤ انسان میں بھلائی کی طرف سبقت لے جانے کا شوق ہونا چاہیے۔

3- ایک صحابی کا پاؤں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پھیرنے کی برکت سے شفایاب ہو گیا۔

سیدنا برا بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو رافع یہودی کے (قتل) لیے چند انصاری صحابہ کرام کو بھیجا اور عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا۔ ابو رافع آپ ﷺ کو ایذا دیا کرتا تھا اور آپ ﷺ کے دشمنوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ یہ حجاز میں اپنے قلعے میں رہتا تھا۔ جب وہ (صحابہ) اس کے قلعے کے قریب پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے مویشی لے کر واپس جا چکے تھے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم لوگ یہیں ٹھہرو، میں جا رہا ہوں اور دربان (چوکیدار) پر کوئی تدبیر کروں گا، تاکہ میں (قلعہ کے) اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو جاؤں۔ چنانچہ وہ (قلعے کے پاس) آئے اور دروازے کے قریب پہنچ کر انھوں نے اپنے آپ کو اپنے کپڑوں میں اس طرح چھپا لیا، جیسے کوئی قضائے حاجت کر رہا ہو۔ قلعہ کے تمام آدمی اندر داخل ہو چکے تھے، دربان نے آواز دی: اے اللہ کے بندے! اگر اندر آنا ہے تو جلدی آ جا، میں اب دروازہ بند کرنے لگا ہوں (عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں اندر داخل ہو گیا اور چھپ کر (اندر کے حالات) دیکھنے لگا۔ جب سب لوگ اندر داخل ہو گئے تو اس نے دروازہ بند کیا اور چابیاں ایک کھونٹی پر لٹکا دیں (عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں)

میں چابیوں کی طرف بڑھا اور انھیں پکڑ لیا، اس کے بعد میں نے قلعے کا دروازہ کھول دیا۔

ابو رافع کے پاس رات کے وقت داستانیں بیان کی جا رہی تھیں اور وہ اپنے خاص بالا خانے میں تھا۔ جب داستان گو اس کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تو میں اس کی طرف (کمرے کی طرف) چڑھنے لگا (اس دوران) میں جتنے دروازے اس تک پہنچنے کے لیے کھولتا تھا، انھیں اندر سے بند کرتا جا رہا تھا، میرا خیال تھا کہ اگر قلعہ والوں کو میرے بارے میں علم ہو بھی جائے تو اس وقت تک یہ لوگ میرے پاس نہ پہنچ سکیں، جب تک میں اسے قتل نہ کر لوں۔ آخر میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت وہ ایک تاریک کمرے میں اپنے بال بچوں کے ساتھ (سو رہا) تھا، مجھے اس وقت علم نہیں تھا کہ وہ کمرے میں کس طرف ہے؟ چنانچہ میں نے آواز دی، ابو رافع! وہ بولا: کون ہے؟ اب میں نے آواز کی طرف بڑھ کر تلوار کی ایک ضرب لگائی، اس وقت میرا دل دھل رہا تھا، اسی وجہ سے میں اس پر غالب نہ آ سکا، اس نے چیخ ماری تو میں کمرے سے باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر تک باہر ہی ٹھہرا رہا۔

پھر میں دوبارہ اندر داخل ہوا اور آواز دے کر پوچھا: اے ابو رافع! یہ آواز کیسی تھی؟ وہ بولا: تیری ماں غارت ہو! ابھی ابھی مجھ پر کسی نے تلوار سے حملہ کیا ہے۔ (عبداللہ فرماتے ہیں) میں نے دوبارہ آواز کی طرف بڑھ کر تلوار کا وار کیا، اب کی بار میں نے اسے کافی زخمی کر دیا، لیکن قتل نہ کر سکا، اس لیے میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھ کر دبائی، جو اس کی پیٹھ تک پہنچ گئی۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ میں اسے قتل کر چکا ہوں، چنانچہ میں نے ایک ایک کر کے دروازے کھولنے شروع کر دیے، آخر میں ایک سیڑھی پر پہنچا اور میں نے خیال

کیا کہ میں زمین پر پہنچ چکا ہوں، چنانچہ میں نے اس (سیڑھی) پر پاؤں رکھا اور نیچے جا گرا، وہ رات چاندنی تھی، اس طرح گرنے سے میری پنڈلی ٹوٹ گئی، میں نے اسے اپنے عمامے سے باندھ لیا اور آ کر دروازے پر بیٹھ گیا۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا، جب تک یہ معلوم نہ کر لوں کہ کیا میں اسے قتل کر چکا ہوں یا نہیں؟ (صبح) جب مرغ نے آواز دی تو اسی وقت قلعہ کی فصیل پر ایک پکارنے والے نے کھڑے ہو کر پکارا کہ میں اہلِ حجاز کے تاجر ابو رافع کی موت کا اعلان کرتا ہوں۔ (اس کے بعد) میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ جلدی واپس چلو، اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو قتل کرا دیا، چنانچہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سارے واقعہ کی خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اُبْسُطْ رِجْلَكَ، فَبَسَطْتُ رِجْلِي فَمَسَحَهَا فَكَأَنَّهَا لَمْ أَشْتَكِهَا قَطُّ»[1]

"اپنی ٹانگ پھیلاؤ۔ میں نے اپنی ٹانگ پھیلائی تو آپ ﷺ نے اس پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا تو ٹانگ ایسے ٹھیک ہو گئی، جیسے مجھے کبھی اس میں کوئی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔"

تشریح:

سلام بن ابی الحقیق، جس کی کنیت ابو رافع تھی، مکے کا ایک مشہور تاجر تھا اور اس کا شمار ان چند بڑے بڑے یہودیوں میں ہوتا تھا، جو مسلمانوں کے درجہ اول کے مخالف تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک لشکر تیار کر رکھا تھا اور اپنے مال و دولت کے ساتھ اس کی مدد کرتے تھے۔ ابو رافع رسول اللہ ﷺ کو

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [3733]

بہت زیادہ اذیت دیا کرتا تھا۔ جب مسلمان بنوقریظہ کے معاملے سے فارغ ہوئے تو خزرج کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے ابو رافع کو قتل کرنے کی اجازت مانگی، اس سے قبل اوس کے لوگ ایک دوسرے گستاخ کعب بن اشرف کو قتل کر چکے تھے، چنانچہ خزرج کے لوگوں نے اوس کے لوگوں جیسا کام کر کے وہی فضیلت حاصل کرنا چاہی اور رسول اللہ ﷺ سے اس گستاخ کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی، لیکن آپ ﷺ نے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع کیا، چنانچہ اس مقصد کے لیے پانچ مضبوط آدمیوں کی جماعت روانہ ہوئی، یہ سب بنوخزرج کی شاخ بنوسلمہ سے تھے اور ان کے امیر عبداللہ بن عتیک تھے۔ عبداللہ بن عتیک ابو رافع کو قتل کرنے میں کامیاب رہے اور ان کی وہاں موجودگی ہی میں اس کے قتل کا اعلان بھی ہوگیا۔ اس مہم کے دوران میں عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کا پاؤں پھسل گیا، جس کی وجہ سے ان کی پنڈلی ٹوٹ گئی۔ فوری طور پر انھوں نے اپنے عمامے کے ساتھ اسے باندھ دیا۔ اس کے بعد واپس آ کر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو سارے واقع کی خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اُبْسُطْ رِجْلَكَ» ''اپنی ٹانگ پھیلاؤ۔''

عبداللہ عتیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اپنی ٹانگ پھیلائی، آپ ﷺ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو میں اس طرح تندرست ہوگیا، جیسے مجھے کوئی تکلیف آئی ہی نہ تھی۔ ایسے بے شمار واقعات رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں اور صحابہ کرام نے اپنی آنکھوں سے ایسے مناظر دیکھے ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا یہ کوئی طبی نسخہ تھا یا واقعی رسول اللہ ﷺ کا معجزہ اور آپ کی رسالت کی دلیل تھی؟!

فوائد:

① لشکر کشی اور وفد روانہ کرنا دعوتِ اسلام کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔

② داعی میں مندرجہ ذیل صفات ہونی چاہییں:

① ذہانت۔ ② سمجھ داری۔ ③ شجاعت و بہادری۔

③ جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دے، اسے قتل کرنا دعوتی نقطۂ نظر سے درست ہے۔

④ اولیاء اللہ پر آزمائش آتی ہے۔

⑤ اسباب کا سہارا لینا توکل کے منافی نہیں۔

⑥ تمام معاملات میں حرص اور یقین کی اہمیت۔

⑦ داعی میں یہ صفت ہونی چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر کرے اور ان پر اس کا شکر ادا کرے۔

⑧ اللہ کے حکم کے ساتھ بیماروں کو فوری شفایاب کرنا رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا۔

⑨ دعوت الی اللہ کی فضیلت و اہمیت۔

4- ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا سست گھوڑا نبی اکرم ﷺ کی برکت کی وجہ سے چست ہو گیا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہوا تو انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سے سب سے زیادہ اچھے، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات مدینے والوں کو خطرہ محسوس ہوا، چنانچہ وہ لوگ (مدینہ والے) آواز کی طرف گئے تو انھیں (راستے میں) رسول اللہ ﷺ ملے۔ آپ ﷺ ان سے پہلے آواز کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ آپ ﷺ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے ایک گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے، جس پر کاٹھی نہیں تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے گلے میں تلوار تھی اور آپ ﷺ فرما رہے تھے:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! لَنْ تُرَاعُوا» ”اے لوگو! مت گھبراؤ۔“

آپ ﷺ انھیں واپس جانے کو کہہ رہے تھے، پھر آپ ﷺ نے گھوڑے کے بارے میں فرمایا: ہم نے اسے سمندر کی طرح (تیز رفتار) پایا ہے یا فرمایا یہ تو سمندر ہے۔

حدیث کے راوی حماد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ثابت یا انس رضی اللہ عنہ کے کسی اور شاگرد نے فرمایا: یہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا تھا، جو بہت سست رفتار تھا، لیکن اس دن کے بعد کوئی گھوڑا اس سے آگے نہیں گزر سکا۔[1]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5573] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [2762]

تشریح:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے انتہائی اختصار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے تین ایسے جامع اوصاف بیان کیے جن کا شمار اعلیٰ اخلاق فاضلہ میں ہوتا ہے۔ عام طور پر انسان میں تین طرح کی جبلتیں پائی جاتی ہیں، مزاج کی جبلت، خواہشات کی جبلت اور عقلی جبلت۔ مزاج کی جبلت میں شجاعت و بہادری، خواہشات کی جبلت میں سخاوت اور عقلی جبلت میں حکمت و دانائی کا ہونا بڑے کمال کی بات ہے۔

« كَانَ أَحْسَنَ النَّاسِ » اس میں اس چیز کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بات، کام اور عمل کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے اچھے تھے۔

« فَزِعَ » یعنی جب مدینے کے لوگوں نے رات کے وقت آواز سنی تو وہ ڈر گئے۔

« قِبَلَ الصَّوْتِ » یعنی جس طرف سے آواز آ رہی تھی۔

« فَاسْتَقْبَلَهُمُ النَّبِيُّ » یعنی رسول اللہ ﷺ دیگر لوگوں سے پہلے صورتِ حال کا جائزہ لے کر واپس آ رہے تھے۔

« لَنْ تُرَاعُوا » یعنی گھبراہٹ والی کوئی بات نہیں، بلکہ اطمینان رکھو اور تسلی سے رہو۔

« عَلَى فَرَسٍ » آپ ﷺ جس گھوڑے پر سوار ہو کر گئے تھے، یہ وہی تھا جو چند لمحے پہلے انتہائی سست چلتا تھا، لیکن اب رسول اللہ ﷺ کے سوار ہونے کی وجہ سے اس میں برکت آ گئی اور یہ اس طرح بھاگنے لگا، جیسے سمندر کا پانی ہوا کے رخ پر روانی سے چلتا ہے۔ یہ گھوڑا ابوطلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ کا تھا، جو ام انس کے خاوند تھے۔[1]

[1] عمدة القاري شرح صحيح البخاري [217/32]

فوائد:

① رسول اللہ ﷺ کے ایک معجزے کا بیان کہ جو گھوڑا سست رو تھا، اب وہ تیز بھاگنے لگا۔

② دشمن کی خبر لینے کے لیے اکیلے آدمی کا جانا جائز ہے، بشرطیکہ اس کی جان کو خطرہ نہ ہو۔

③ عاریتاً کوئی چیز استعمال کرنا جائز ہے۔

④ مستعار گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ میں جانا جائز ہے۔

⑤ گلے میں تلوار لٹکانا مستحب ہے۔

⑥ جب خوف اور گھبراہٹ نہ رہے تو لوگوں کو اس کی خوشخبری دینی چاہیے۔

⑦ جس آدمی کو اللہ تعالیٰ عمدہ صفات سے نوازے، اس کا تذکرہ کرنا جائز ہے۔

⑧ نبی اکرم ﷺ کی بے مثال شجاعت کا بیان۔

5- سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کو گھڑ سواری کرنا آ گئی

سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

«أَلَا تُرِيحُنِي مِنْ ذِي الْخَلَصَةِ؟»

''تم مجھے ذوالخلصہ سے اطمینان کیوں نہیں دلاتے؟''

میں نے عرض کی: میں ضرور اطمینان دلاؤں گا، چنانچہ میں قبیلہ احمس کے ڈیڑھ سو سواروں کو ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ وہ سب بہترین سوار تھے، لیکن میں اچھی سواری نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر مارا، جس کا اثر میں نے اپنے سینے میں محسوس کیا اور آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ، وَاجْعَلْهُ هَادِياً مَهْدِيًّا»

''اے اللہ! اس کو ثابت رکھ (اسے اچھا سوار بنا دے) اور اسے راہنمائی کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا دے۔''

سیدنا جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کے بعد میں کبھی کسی گھوڑے سے نہیں گرا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ذوالخلصہ یمن میں قبیلہ خثعم اور بجیلہ کا ایک گھر تھا، جس میں بت نصب تھے اور ان کی پوجا کی جاتی تھی، اسے کعبہ بھی کہتے تھے۔

(راوی بیان کرتے ہیں) سیدنا جریر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو اسے آگ لگا دی اور منہدم کر دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ جب سیدنا جریر رضی اللہ عنہ یمن پہنچے تو وہاں ایک شخص تھا، جو تیروں سے فال نکالتا تھا۔ کسی نے اس سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ

کے ایلچی یہاں آگئے ہیں، اگر انھوں نے تمھیں پا لیا تو تمھاری گردن اتار دیں گے۔ راوی فرماتے ہیں: ابھی وہ فال نکال ہی رہا تھا کہ جریر رضی اللہ عنہ اس کے پاس پہنچ گئے، (جریر رضی اللہ عنہ) نے اسے کہا: ابھی اس فال کے تیر توڑ دو اور کلمہ "لا إله إلا الله" پڑھ لو، ورنہ میں تمھاری گردن اتار دوں گا۔

راوی کہتے ہیں: اس شخص نے تیر توڑ دیے اور ایمان کی گواہی دے دی۔ اس کے بعد جریر رضی اللہ عنہ نے قبیلہ احمس کے ایک آدمی، جن کی کنیت ابو ارطاۃ رضی اللہ عنہ تھی، ان کو رسول اللہ کے پاس بھیجا، تاکہ وہ آپ ﷺ کو خوشخبری سنائیں۔ جب وہ (ابو ارطاۃ) رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے اس وقت تک نہیں نکلا، جب تک اس بت خانے کو خارش زدہ اونٹ کی طرح جلا کر راکھ نہیں کر دیا۔ (راوی فرماتے ہیں) پھر رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ احمس کے گھوڑوں اور سواروں کے لیے پانچ مرتبہ برکت کی دعا فرمائی۔[1]

تشریح:

دعا کی قبولیت نبی اکرم ﷺ کا معجزہ تھا، اسی لیے جب آپ ﷺ کو پتا چلا کہ جریر رضی اللہ عنہ کو گھڑ سواری نہیں آتی تو آپ ﷺ نے جریر رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی اور ان کے سینے پر ہاتھ مارا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ، وَاجْعَلْهُ هَادِياً مَهْدِيًّا»

"اے اللہ! اس (جریر رضی اللہ عنہ) کو ثابت رکھ اور اسے دوسروں کے لیے راہنما اور ہدایت یافتہ بنا دے۔"

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4009] صحيح مسلم، رقم الحديث [4525]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ نے جریر رضی اللہ عنہ کے لیے صرف گھوڑے پر ثابت قدم رہنے ہی کی دعا نہیں فرمائی، بلکہ اور بہت زیادہ چیزوں کی دعا بھی فرمائی، مثلاً آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! اسے دوسروں کے لیے راہنما اور خود اپنی جان کے لیے ہدایت یافتہ بنا دے، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے لیے جو بھی دعا فرمائی، بہت جلد وہ قبول ہوئی، جیسے سب سے پہلے جریر رضی اللہ عنہ نے ایک سو پچاس گھڑسواروں کے ساتھ ذوالخلصہ پر حملہ کیا اور اسے جلا ڈالا، جب کہ یہ وہ کارنامہ تھا جس کے لیے پانچ ہزار کی فوج بھی کم تھی۔''[1]

《 اَلَا تُرِيْحُنِيْ 》 اس میں لفظ ''اَلَا'' تحضیض یعنی ابھارنے اور رغبت کے معنی میں ہے، اسی طرح ''تُرِيْحُنِيْ'' آرام، سکون اور تسلی کے معنی میں ہے۔

ذوالخلصہ سے کیا مراد ہے: یہ ایک گھر کا نام ہے، امام ابن الاثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ذوالخلصہ دوس قبیلے کا بت خانہ تھا، جس میں وہ عبادت کرتے تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ خثعم قبیلے کا بت خانہ تھا اور وہ اسے کعبہ یمانیہ کہتے تھے۔

《 فَانْطَلَقْتُ 》 جریر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے دو مہینے قبل ذوالخلصہ کی طرف روانہ ہوئے۔

《 مِنْ اَحْمَسَ 》 احمس، الغوث بن انمار بن اراش بن عمرو کا بیٹا تھا۔

《 هَادِيًا مَهْدِيًّا 》 یعنی اے اللہ! اس کو کامل اور مکمل ہدایت یافتہ بنا دے۔ امام ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ تقدیم و تاخیر اس لیے ہے کہ آدمی اس وقت تک دوسروں کے لیے راہنما نہیں بن سکتا، جب تک وہ خود ہدایت یافتہ

[1] فقه الدعوة في صحيح البخاري [80/3]

نہ بن جائے۔

«اللّٰھُمَّ ثَبِّتْہُ» یہ نبی مکرم ﷺ کی دعا تھی، جس کی وجہ سے بعد میں وہ کبھی گھوڑے سے نہیں گرے تھے۔

فوائد:

① لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملنا نبوت کی اخلاقی تعلیمات میں سے تھا۔ یہ چیز تکبر کے منافی ہے اور اس سے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔

② گھوڑوں کی اہمیت اور گھڑ سواری کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ مزید یہ کہ معزز اور رئیس آدمی کو گھڑ سواری سیکھنے میں عار محسوس نہیں کرنی چاہیے۔

③ اگر امام، عالم یا کوئی بڑا آدمی کسی غرض سے کسی دوسرے آدمی پر ہاتھ رکھتا یا اس کے جسم کے کسی حصے پر ہاتھ مارتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

④ نبی مکرم ﷺ کی دعا کی برکت کا بیان کہ آپ ﷺ کی دعا کے بعد جریر رضی اللہ عنہ گھوڑے سے کبھی نہ گرے تھے۔

⑤ جو چیز لوگوں کے لیے فتنے کا باعث بنے خواہ وہ انسان ہو، حیوان ہو یا کوئی عمارت وغیرہ ہو، اس کی پردہ دری کرنا جائز ہے۔

⑥ خبر واحد کی قبولیت جائز ہے۔

⑦ لشکر کے لیے دعا کرنا۔

⑧ امیر، خلیفہ یا حکمران کو فتح کی خوشخبری دینا مستحب ہے۔

⑨ باطل اور اس کے اثرات کو جڑ سے اکھاڑنے کی فکر ہر مسلمان کے دل میں ہونی چاہیے۔

6- سست اونٹنی اتنی تیز ہوگئی کہ وہ سارے قافلے کو پیچھے چھوڑ دیتی تھی

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا، راوی کو شک ہے کہ آدمی کہا یا نوجوان، اس نے عرض کی: میں نے ایک عورت سے نکاح کیا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

«هَلْ نَظَرْتَ إِلَيْهَا، فَإِنَّ فِي عَيْنِ الْأَنْصَارِ شَيْئاً»

''تم نے اسے دیکھا ہے؟ کیونکہ انصاری عورتوں کی آنکھ میں کچھ ہوتا ہے۔''

اس نے عرض کی: میں نے اسے دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

«عَلٰى كَمْ تَزَوَّجْتَهَا؟»

''کتنے حق مہر کے عوض تم نے نکاح کیا؟''

اس نے (حق مہر) بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَكَأَنَّكُمْ تَنْحِتُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ مِنْ عُرْضِ هٰذِهِ الْجِبَالِ، مَا عِنْدَنَا الْيَوْمَ شَيْءٌ نُعْطِيكَهُ، وَلٰكِنْ سَأَبْعَثُكَ فِي وَجْهٍ تُصِيبُ فِيهِ»

''گویا تم ان پہاڑوں کے دامن سے سونا یا چاندی کاٹ لائے ہو، آج ہمارے پاس تمھیں دینے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے، لیکن میں

تمھیں ایک مہم پر بھیجوں گا، جہاں سے تمھیں مالِ غنیمت ملے گا۔“

چنانچہ آپ ﷺ نے بنی عبس کی طرف ایک لشکر روانہ کیا اور اس آدمی کو اس لشکر کے ساتھ بھیج دیا۔ وہ آپ ﷺ کے پاس (واپس) آیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری اونٹنی نے مجھے تیز چلنے سے عاجز کر دیا ہے، (سست رفتار ہے)۔ راوی کہتے ہیں:

«فَنَاوَلَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَدَهُ كَالْمُعْتَمِدِ عَلَيْهِ لِلْقِيَامِ، فَأَتَاهَا فَضَرَبَهَا بِرِجْلِهِ. قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رضي الله عنه: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ رَأَيْتُهَا تَسْبِقُ الْقَائِدَ»[1]

”رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے ہاتھ میں لیا، جیسے آپ اس پر سوار ہونے والے ہیں، آپ ﷺ اس کے پاس آئے اور اپنا پاؤں اسے مارا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! میں نے اس (اونٹنی) کو دیکھا کہ وہ راہنما قافلے سے آگے ہوتی تھی۔“

تشریح:

رسول اللہ ﷺ کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ جانور آپ ﷺ کے سامنے جھک جاتے تھے۔ آپ کی بات مان لیتے تھے اور آپ کی تشریف آوری پر باادب بن جاتے تھے۔

صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں ایک غزوے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، (راستے میں) آپ ﷺ مجھے ملے اور اس وقت میں ایک ایسے اونٹ پر سوار تھا جو تھکا ہوا تھا، چل نہ سکتا تھا۔ آپ ﷺ نے مجھے کہا:

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [2553]

تمھارے اونٹ کو کیا ہے؟ میں نے عرض کی: وہ بیمار ہے۔ آپ ﷺ نے اسے ڈانٹا اور اس کے لیے دعا کی، اس کے بعد وہ ہمیشہ سب اونٹوں سے آگے ہی چلتا رہا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: اب تمھارا اونٹ کیسا ہے؟ میں نے کہا: اچھا ہے، آپ کی دعا کی برکت سے وہ بہتر ہو گیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا انصار کی عورت سے نکاح کا ارادہ رکھنے والے کے ساتھ یہ مکالمہ کہ کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ اور اسے دیکھ لو، کیونکہ انصاری عورتوں کی آنکھ میں کوئی چیز (عیب) ہوتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آنکھوں میں عیب سے مراد بعض لوگوں نے ان کا چھوٹا ہونا اور بعض نے ان کا اندھا پن مراد لیا ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ایسے مواقع پر نصیحت کرنا جائز ہے اور اس میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو، اس کے چہرے کو دیکھنا مستحب ہے۔ یہ ہمارا موقف ہے اور یہی موقف امام مالک، امام ابوحنیفہ، کوفے کے تمام علما، امام احمد اور جمہور امت کا ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ ایک قوم اسے مکروہ سمجھتی تھی، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اسے مکروہ سمجھنا غلط ہے اور صریح حدیث کے خلاف ہے۔ اسی طرح یہ اجماعِ امت کے بھی خلاف ہے، کیونکہ امت کے تمام علما کا اتفاق ہے کہ خرید و فروخت، گواہی اور دیگر حدود و قیود کے معاملات میں جانچ پڑتال اور دیکھنا جائز ہے۔ رہی یہ بات کہ کون کون سے اعضا دیکھنا جائز ہے اور اس کی حد کیا ہے تو ہمارے مذہب اور اکثر علمائے امت کے مذہب کے مطابق چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے، کیونکہ یہ دونوں ستر نہیں ہیں۔ حسن و جمال اور خوبصورتی کا اندازہ لگانے کے لیے چہرہ اور نظافت و

نفاست کا اندازہ لگانے کے لیے ہاتھوں کو دیکھنا ضروری ہے۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ گوشت والی جگہیں دیکھی جائیں۔ امام داود کا موقف ہے کہ تمام جسم کو دیکھنا جائز ہے، لیکن یہ ان کی فاش غلطی ہے اور سنت اور اجماع کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ہمارے مذہب اور امام مالک، امام احمد اور جمہور کے مذہب کے مطابق عورت کو دیکھتے وقت اس کی رضا مندی اور یہ بات اس کے علم میں لانا ضروری نہیں ہے، بلکہ اسے بتائے اور علم میں لائے بغیر دیکھنا بھی جائز ہے، جیسے چھپ کر دیکھنا وغیرہ۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں عورت کے علم میں لائے بغیر اسے دیکھنے کو مکروہ سمجھتا ہوں، کیونکہ اس میں خدشہ ہے کہ کہیں اس کے ستر پر نظر نہ پڑ جائے۔ امام مالک سے ایک ضعیف روایت بھی منقول ہے کہ مرد اسے (عورت کو) اس کی اجازت کے بغیر نہ دیکھے۔

یہ بات اس لیے قابلِ اعتماد نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مطلق طور پر دیکھنے کی اجازت دی، اس میں عورت کی اجازت یا رضا مندی کی شرط نہیں رکھی، مزید یہ کہ عورت سے اجازت لینے کی شرط اس لیے بھی قابلِ اعتنا نہیں کہ ہو سکتا ہے وہ اس سے شرم محسوس کرے یا اگر مرد کو پسند نہ آئے اور وہ دیکھنے کے بعد اسے رد کر دے تو اس سے عورت کو دکھ ہوگا اور وہ ندامت محسوس کرے گی۔ اسی وجہ سے ہمارے اصحاب کا موقف ہے کہ اگر دیکھنا چاہتا ہے تو منگنی سے پہلے دیکھے، تاکہ اگر پسند نہ آئے تو وہ اسے تکلیف دیے بغیر رد کر دے۔ برخلاف اس بات کے کہ اگر وہ منگنی کے بعد اسے دیکھ کر رد کر دے تو یہ قابلِ تحسین بات نہیں ہوگی۔ ہمارے اصحاب فرماتے ہیں: اگر مرد کے لیے خود دیکھنا ممکن نہ ہو تو وہ کسی

قابلِ اعتماد عورت کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجے، جو اس عورت کو اچھی طرح دیکھے، پھر مرد کو اس سے آگاہ کرے اور اس کے بعد رشتہ وغیرہ طے ہونے کے معاملات شروع ہوں۔

رسول اللہ کا فرمان ہے:

«كَأَنَّمَا تَنْحِتُونَ الْفِضَّةَ مِنْ عُرْضِ هٰذَا الْجَبَلِ»

''گویا تم اس پہاڑ کے دامن سے چاندی کاٹ لائے ہو۔''

''عرض'' سے مراد جانب، کنارہ اور دامن ہے، دراصل اس جملے میں رسول اللہ ﷺ نے زیادہ حق مہر مقرر کرنے کو مکروہ خیال کیا ہے۔[1]

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ایک واضح معجزہ بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے کمزور اور سست اونٹ کو اپنا پاؤں مارا تو وہ چست ہو گیا اور بھاگنے لگا، اسی لیے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نے (اس کے بعد) اسے دیکھا وہ قافلے سے آگے ہوتا تھا۔

فوائد:

1. جس عورت سے نکاح مقصود ہو، اسے دیکھنا جائز ہے۔
2. شادی کی وجہ سے ہونے والی محتاجی کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور دوسرے لوگوں کو ایسے آدمی کی مدد کرنی چاہیے۔
3. نبی مکرم ﷺ کی برکت کہ سست اونٹنی محض آپ ﷺ کے چھونے کی وجہ سے تیز رفتاری سے بھاگنے لگی۔

[1] شرح النووي على صحيح مسلم [210/9]

7- کھجور کے تنے کا رونا

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کے دن (خطبہ کے لیے) ایک درخت (کے تنے) کے پاس کھڑے ہوتے یا (بیان کیا کہ) کھجور کے درخت کے پاس۔ پھر ایک انصاری عورت یا کسی صحابی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم آپ ﷺ کے لیے ایک منبر نہ بنا دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو بنا دو، چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ کے لیے منبر تیار کر دیا۔ جب جمعہ کا دن آیا تو آپ ﷺ (خطبے کے لیے) اس منبر پر تشریف لے گئے (اس وجہ سے) وہ کھجور کا تنا بچے کی طرح چیخیں مار کر رونے لگا۔

«ثُمَّ نَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ فَضَمَّهُ إِلَيْهِ تَئِنُّ أَنِينَ الصَّبِيِّ، الَّذِي يُسَكَّنُ، قَالَ: كَانَتْ تَبْكِي عَلَى مَا كَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ عِنْدَهَا»[1]

"آپ ﷺ منبر سے اترے اور اسے اپنے گلے سے لگا لیا وہ ایسے رو رہا تھا، جیسے دلاسہ دلاتے وہ بچہ روتا ہے، اس طرح لوری دے کر چپ کرایا، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تنا اس لیے رو رہا تھا کہ وہ اس ذکر کو سنا کرتا تھا، جو اس کے قریب ہوتا تھا۔"

ایک دوسری روایت میں ہے:

كَانَ الْمَسْجِدُ مَسْقُوفاً عَلَى جُذُوعٍ مِنْ نَخْلٍ، فَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا خَطَبَ يَقُومُ إِلَى جِذْعٍ مِنْهَا، فَلَمَّا صُنِعَ لَهُ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3584]

الْمِنْبَرُ وَكَانَ عَلَيْهِ فَسَمِعْنَا لِذٰلِكَ الْجِذْعِ صَوْتًا كَصَوْتِ الْعِشَارِ حَتّٰى جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهَا فَسَكَنَتْ »[1]

''مسجد (نبوی) کی چھت کھجور کے تنوں پر بنائی گئی تھی، جب نبی مکرم ﷺ خطبے کے لیے آتے تو اس تنے کے پاس کھڑے ہوتے تھے، لیکن جب آپ ﷺ کے لیے منبر بنا دیا گیا تو آپ ﷺ اس پر تشریف لائے، پھر ہم نے اس تنے سے اس طرح رونے کی آواز سنی جس طرح ولادت کے وقت اونٹنی کی آواز ہوتی ہے، یہاں تک کہ جب نبی اکرم ﷺ نے اس کے قریب آ کر اس پر ہاتھ رکھا تو وہ چپ ہو گیا۔''

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں ہے:

« كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ إِلَى جِذْعٍ، فَلَمَّا اتَّخَذَ الْمِنْبَرَ تَحَوَّلَ إِلَيْهِ فَحَنَّ الْجِذْعُ، فَأَتَاهُ فَمَسَحَ يَدَهُ عَلَيْهِ »[2]

''نبی اکرم ﷺ ایک لکڑی کا سہارا لے کر خطبہ دیا کرتے تھے، پھر جب منبر بن گیا تو آپ ﷺ خطبے کے لیے اسی پر تشریف لے گئے، اس وجہ سے اس لکڑی نے رونا شروع کر دیا، آخر آپ ﷺ اس کے پاس آئے اور اس پر اپنا ہاتھ پھیرا۔''

تشریح:

نبی اکرم ﷺ کے اہم ترین معجزات میں سے ایک معجزہ یہ تھا کہ وہ تنا جس کے پاس کھڑے ہو کر آپ ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے، اس نے آپ ﷺ

---

(1) صحيح البخاري، رقم الحديث [3320]

(2) صحيح البخاري، رقم الحديث [3318]

کی جدائی میں رونا شروع کر دیا۔ یہ تنا کھجور کے درخت کا تھا اور باقاعدہ اس کے رونے کی آواز سنی گئی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ اس کے پاس آئے، اس پر ہاتھ پھیرا اور اسے تسلی دی تو وہ چپ ہو گیا۔

یہ ایک مشہور و معروف قصہ ہے، بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا مشاہدہ کیا اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے اسے ہم تک پہنچایا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس واقعہ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے فضائلِ امام شافعی رحمہ اللہ میں نقل کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو وہ معجزات عطا کیے، جو کسی دوسرے نبی کو نہیں ملے۔"

راوی کہتے ہیں: میں نے امام شافعی رحمہ اللہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ عطا کیا تھا، امام صاحب نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ معجزہ عطا کیا کہ درخت کا ایک تنا روتا تھا اور اس کی آواز سنی جاتی تھی۔ یہ معجزہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے زیادہ بڑا ہے۔[1]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے رسول اللہ کے معجزے کو اس لیے بڑا کہا کہ درخت کے تنے میں پہلے سے زندگی نہیں تھی، بلکہ خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کی خاطر اسے شعور اور وجدان عطا کیا گیا تھا، جس کا اظہار اس نے رسول اللہ ﷺ کے منبر پر کھڑا ہونے کے وقت کیا، چنانچہ وہ چیخا، چلایا اور اس نے اس طرح آواز نکالی جس طرح اونٹنی ولادت کے وقت آواز نکالتی ہے، پھر رسول اللہ ﷺ منبر سے اتر کر اس کے پاس آئے اور اسے دلاسا دیا۔[2]

1. فتح الباري [698/6]
2. البداية والنهاية [276/6]

اس بارے میں روایت میں اختلاف ہے کہ منبر کس نے بنایا تھا؟ عام طور پر علما نے مندرجہ ذیل موقف اختیار کیے ہیں:

1. یہ منبر انصار کی ایک عورت کے غلام نے بنایا تھا، جس کا نام مینا تھا۔
2. عاص بن امیہ کے غلام باقول نے بنایا تھا۔
3. میمون النجار نے تیار کیا تھا۔
4. سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے غلام صباح نے بنایا تھا۔

بعض علما نے ان اقوال میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ ممکن ہے کہ مندرجہ بالا تمام لوگوں نے اس منبر کو تیار کرنے میں حصہ لیا ہو، جس کی وجہ سے ہر ایک کی طرف منسوب ہوگیا۔

اس تنے کا رونا اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے:

﴿ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

[الإسراء: 82]

''ہم نے قرآن میں جو کچھ نازل کیا ہے، وہ شفا اور مومنوں کے لیے رحمت ہے۔''

دراصل تنے میں اسی دن سے شعور، ادراک اور زندگی سرایت کر گئی تھی، جس دن سے آپ ﷺ نے اس کے ساتھ ٹیک لگانا شروع کی تھی۔ آپ ﷺ وہاں کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے، آیات تلاوت کرتے تھے، وعظ و نصیحت کرتے تھے، یہ سب چیزیں وہ تنا سنتا تھا، جس کی وجہ سے اس میں زندگی اور شفا سرایت کر گئی اور اس کا اظہار اس وقت ہوا، جب رسول اللہ ﷺ اس سے جدا ہوئے تھے۔

یہ کوئی رسمی بات نہ تھی، بلکہ یہ بہت بڑا معجزہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے اس کا ظہور اس لیے کرایا، تاکہ لوگوں کے ایمان میں اضافہ ہو۔

فوائد:

① جمادات اور پودوں کو بھی رسول اللہ ﷺ کی رحمت شامل تھی، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ [الأنبياء: 107]

''اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

② یہ واقعہ آپ ﷺ کی نبوت، رسالت اور سچائی کی واضح دلیل تھا۔ عام لوگوں میں سے کسی کے بس کی یہ بات نہ تھی۔

③ وعظ ونصیحت اور ذکر کی فضیلت۔

8- پتھر رسول اللہ ﷺ کو سلام کرتا تھا۔

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لَأَعْرِفُ حَجَراً بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُبْعَثَ، إِنِّي لَأَعْرِفُهُ الْآنَ»[1]

''بے شک میں مکے میں ایک ایسے پتھر کو پہچانتا ہوں، جو نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ بے شک اب بھی میں اسے پہچانتا ہوں۔''

تشریح:

رسول اللہ ﷺ کے عظیم الشان معجزات کی ایک قسم یہ بھی تھی کہ جمادات آپ سے گفتگو کرتے تھے، حالانکہ اصلاً جمادات میں عقل، فہم ہوتی ہے اور نہ بولنے کی سکت، لیکن اس کے باوجود ہمیں بے شمار مواقع پر جمادات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہم کلام نظر آتے ہیں۔ اسی طرز کا ایک معجزہ مندرجہ بالا حدیث میں بیان ہوا ہے اور یہ وہ معجزہ تھا جو نبوت سے قبل کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تصدیق کے لیے پتھر کو قوتِ گویائی سے نوازا۔

علامہ مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''آپ ﷺ کا قول «إِنِّي لَأَعْرِفُ حَجَراً بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [4222] مسند أحمد [19912]

عَلَيَّ» یعنی وہ پتھر نبوت کی وجہ سے سلام کرتا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ پتھر حجر اسود تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس پتھر سے مراد عام گلی محلے کا پتھر تھا۔ اہلِ مکہ کے تمام علما کا یہی موقف ہے۔

«قَبْلَ أَنْ اُبْعَثَ» یعنی یہ واقعہ مجھے رسالت ملنے سے پہلے کا ہے، کیونکہ رسالت اور بعثت کے بعد تو تمام پتھر آپ ﷺ کو سلام کرتے تھے، جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس حدیث میں تاکید کے لیے لفظ "إِنَّ" لانے کی کیا ضرورت اور اس میں کیا حکمت تھی، حالانکہ یہاں تو انکار کی کوئی گنجایش نہیں؟ ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ تاکید کے ساتھ بیان کرنے کا مقصد ان لوگوں کو تنبیہ کرنا تھا، جو وقتی طور پر اس سے غافل تھے، جیسے موت ہر انسان پر آتی ہے اور ہر بندے کا اس پر ایمان ہے، لیکن وقتی طور پر لوگ موت سے غافل ہوتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو موت یاد دلانے کے لے تاکید کے ساتھ بیان کیا:

﴿ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴾ [المؤمنون: 15]

"پھر بے شک تم اس کے بعد ضرور مرنے والے ہو۔"

حالانکہ کوئی شخص موت کا انکاری نہیں ہے۔

اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ جب نبی کریم ﷺ اور تمام لوگ جانتے تھے کہ وہ پتھر آپ ﷺ کو سلام کرتا تھا تو پھر اسے خاص کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ ہوسکتا ہے وہ پتھر بڑی شان والا ہو۔ جن لوگوں نے اسے حجر اسود کہا ہے، ان کی اس بات کی تائید سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَمَّا اسْتَقْبَلَنِي جِبْرِيْلُ بِالرِّسَالَةِ جَعَلْتُ لَا أَمُرُّ بِحَجَرٍ وَلَا

مَدَرٍ وَلَا شَجَرٍ إِلَّا سَلَّمَ عَلَيَّ ﴾[1]

''جب جبریل علیہ السلام نے مجھے (اللہ کی طرف سے) رسالت کے ساتھ سرفراز کر دیا تو میں جس کسی پتھر، ڈھیلے اور درخت کے پاس سے گزرتا تھا تو وہ مجھے سلام کہتا تھا۔''

امام ابن سید الناس فرماتے ہیں: اس میں احتمال ہے کہ ان پتھروں اور درختوں وغیرہ نے حقیقت میں بول کر سلام کیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بولنے کی طاقت دی ہو، جس طرح کھجور کا تنا بول پڑا تھا، رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ عیسیٰ علیہ السلام کے مردوں کو زندہ کرنے کے معجزے کی طرح کا تھا۔

فوائد:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ نبی مکرم ﷺ کا معجزہ ہے کہ بعض بے جان چیزوں نے بھی آپ ﷺ کی نبوت کو پہچان لیا اور انھوں نے کلام کیا، اسی طرح کی بات اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی:

﴿ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ﴾ [البقرة: 74]

''اور بے شک ان میں سے البتہ وہ بھی ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔''

دوسری جگہ پر فرمایا:

﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ﴾

[الإسراء: 44]

''ساتوں آسمان اور زمین اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ بھی جو ان

[1] مسند البزار [164/18]

میں ہیں اور کوئی بھی چیز نہیں مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔"

اس آیتِ مبارکہ کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ زمین و آسمان حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں اتنا شعور رکھا ہے کہ ان کو اس چیز کا ادراک ہے، جیسے پتھر کا موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر چل پڑنا، کھجور کے تنے کا بولنا اور نبی اکرم ﷺ کے پکارنے پر ایک درخت کا دوسرے درخت کے قریب آنا وغیرہ۔

9- رسول اللہ ﷺ نے پانی کے مشکیزوں میں اپنا ہاتھ رکھا تو اس کی برکت سے اتنا پانی نکلا کہ چالیس لوگ اس سے سیراب ہوئے

سیدنا عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے اور ہم رات بھر چلتے رہے، حتی کہ جب رات کا آخری حصہ آیا تو ہم نے پڑاؤ ڈالا اور اس وقت مسافر کے لیے پڑاؤ ڈالنے سے زیادہ اور کوئی چیز اہم نہیں ہوتی، (ہم سو گئے) پھر ہمیں سورج کی گرمی کے سوا کوئی اور چیز بیدار نہ کر سکی۔ سب سے پہلے فلاں شخص، پھر فلاں اور پھر فلاں بیدار ہوا۔ ابورجا (راوی) نے سب کے نام لیے، لیکن (دوسرے راوی) عوف کو یہ نام یاد نہ رہے، پھر چوتھے نمبر پر بیدار ہونے والے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے اور جب نبی مکرم ﷺ سوتے تھے تو ہم آپ ﷺ کو جگاتے نہیں تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ خود بیدار ہوں، کیوں کہ ہمیں علم نہیں ہوتا تھا کہ آپ پر خواب میں کیا نئی وحی اتر رہی ہے۔

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور یہ صورت حال دیکھی اور وہ ایک بے باک آدمی تھے، چنانچہ وہ بلند آواز سے تکبیر کہنے لگے اور وہ اس وقت تک بہ آواز بلند تکبیر کہتے رہے، جب تک نبی مکرم ﷺ ان کی آواز سن کر بیدار نہیں ہو گئے۔ جب آپ ﷺ بیدار ہوئے تو انھوں نے پیش آمدہ صورت حال

سے آپ ﷺ کو آگاہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ سفر شروع کرو۔ سفر شروع کیا اور تھوڑی دیر چلے، پھر آپ ﷺ ٹھہر گئے اور وضو کا پانی منگوایا اور وضو کیا اور پھر اذان کہی گئی، پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ایک شخص پر نظر پڑی جو الگ کھڑا تھا اور اس نے نماز نہ پڑھی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: اے فلاں! تمھیں لوگوں کے ساتھ نماز ادا کرنے سے کس نے روکا؟ اس نے جواب دیا: میں جنبی تھا اور پانی نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پاک مٹی سے کام لو۔ یہی تجھ کو کافی ہے۔

پھر نبی کریم ﷺ نے سفر شروع کیا تو لوگوں نے پیاس کی شکایت کی، آپ ﷺ پھر ٹھہر گئے اور فلاں کو بلایا۔ راوی ابو رجاء نے اس کا نام لیا، لیکن عوف کو وہ نام بھول گیا ہے۔ آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو بھی بلایا، آپ ﷺ نے ان کو کہا: جاؤ اور پانی تلاش کرو۔ یہ دونوں نکلے تو راستے میں ان کو ایک عورت ملی، جو اونٹ پر پانی کی دو مشکیں لیے جا رہی تھی۔ انھوں نے اس (عورت) سے پوچھا کہ پانی کہاں سے ملتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کل اسی وقت میں پانی پر موجود تھی (یعنی اتنی دور سے لائی ہوں) اور ہمارے قبیلے کے لوگ پیچھے رہ گئے ہیں۔ انھوں نے اس سے کہا: تم ہمارے ساتھ چلو، اس نے پوچھا: کہاں؟ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے پاس۔ اس نے کہا: اچھا وہی شخص جس کو لوگ صابی کہتے ہیں، انھوں نے کہا: ہاں وہی ہے جو تم مراد لے رہی ہو۔ اب تم اس کے پاس چلو۔ آخر وہ دونوں اس عورت کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔

(راوی بیان کرتے ہیں) کہ لوگوں نے اسے اونٹ سے اتار لیا، نبی اکرم ﷺ نے ایک برتن منگوایا اور دونوں مشکیزوں کے منہ اس برتن میں کھول دیے، پھر ان

کا اوپر کا منہ بند کر دیا اور نیچے کا کھول دیا اور لوگوں میں اعلان کروا دیا کہ خود بھی سیر ہو کر پیو اور اپنے جانوروں کو بھی پلا لو، پس جس نے چاہا پیا اور جس نے چاہا پلایا، آخر میں اس شخص کو بھی ایک برتن میں پانی دیا، جس نے غسل کرنا تھا، آپ ﷺ نے اسے کہا: یہ پانی لے جا اور غسل کر لے۔ وہ عورت کھڑی دیکھ رہی تھی کہ اس کے پانی سے کیا کیا کام لیا جا رہا ہے۔ اللہ کی قسم! جب مشکیزوں سے پانی لیا جانا بند ہوا تو بے شک اس وقت ہم خیال کر رہے تھے کہ اب مشکیزوں میں پانی پہلے سے بھی زیادہ ہے۔

پھر نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس (عورت) کے لیے کچھ (غلہ) جمع کرو۔ لوگوں نے اس کے لیے عجوہ کھجور، آٹا اور ستو اکٹھے کیے، یہاں تک کہ بہت سارا کھانا اس کے لیے جمع ہو گیا، تو لوگوں نے اسے ایک کپڑے میں ڈالا، اس عورت کو اونٹ پر سوار کیا اور اس کے آگے یہ کھانا رکھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تمھیں معلوم ہے کہ ہم نے تمھارے پانی میں کوئی کمی نہیں کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں سیراب کر دیا ہے۔ پھر وہ اپنے گھر آئی تو اس کے گھر والوں نے اس سے پوچھا: اے فلاں عورت! تم کو کس چیز نے روک لیا تھا (کہ اتنی دیر سے آئی ہو؟) اس نے جواب دیا: عجیب واقعہ پیش آیا کہ راستے میں مجھے دو آدمی ملے۔ وہ مجھے اس شخص کے پاس لے گئے جسے لوگ صابی کہتے ہیں، وہاں اس نے یہ یہ کیا، اس عورت نے اپنی درمیانی اور شہادت والی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر اشارہ کیا اور کہا کہ وہ تو اس کے اور اس کے درمیان سب سے بڑا جادوگر ہے، اس کی مراد اس سے آسمان اور زمین تھی، (اس عورت نے کہا) یا وہ واقعی اللہ کا رسول ہے، اس کے بعد مسلمان اس قبیلے کے دور و نزدیک کے مشرکین پر حملے کیا کرتے تھے، لیکن اس گھرانے کو جس سے اس عورت کا تعلق تھا کوئی نقصان نہیں

پہنچاتے تھے۔ یہ اچھا برتاؤ دیکھ کر ایک دن اس عورت نے اپنی قوم سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ یہ قوم جان بوجھ کر تمھیں چھوڑ رہی ہے، تو کیا تمھیں اسلام میں کوئی رغبت ہے؟ چنانچہ قوم نے اس کی بات مان لی اور اسلام میں داخل ہو گئی۔[1]

تشریح:

یہ حدیث نبوت کی نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی ہے اور اس میں ایک عظیم معجزہ بیان ہوا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم ﷺ کے ہاتھ پر واضح کیا۔ جب آپ ﷺ کا بابرکت لعاب پانی میں مل گیا تو پانی کی مقدار میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ اسے چالیس لوگوں نے پیا اور اپنے اپنے برتن بھر لیے، اس کے باوجود اس عورت کے پانی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی، بلکہ وہ مشکیزے پہلے سے زیادہ بھرے ہوئے نظر آنے لگے۔

اس عورت نے نبی اکرم ﷺ کے اس عظیم معجزے اور نشانی سے آپ ﷺ کی نبوت کی سچائی کو تسلیم کیا۔ آخر وہ آپ ﷺ کی نبوت کی قائل کیوں نہ ہوتی، جس نے واضح طور پر تھوڑے سے پانی سے لوگوں کی ایک جماعت کو مستفید ہوتے دیکھا اور حد یہ کہ پانی بجائے کم ہونے کے اس میں اضافہ ہوا۔

آخر وہ کیوں تعجب نہ کرتی، جو آپ ﷺ کی برکت کے آثار دیکھ چکی تھی اور یہ ایسا کام تھا جو کسی عام آدمی سے رونما ہونا ناممکن تھا۔ یہ کسی نبی، رسول اور برگزیدہ ہستی ہی سے سرزد ہو سکتا تھا۔ یہ ایک ایسی نشانی تھی جس کے ساتھ مشرکین پر حجت قائم کی جا سکتی تھی، اسی لیے تو اس عورت نے اعتراف کیا کہ آپ ﷺ واقعی اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ واقعہ نبوت کی عظیم الشان نشانیوں میں

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [331]

شمار ہوتا ہے، اس میں صاف ظاہر ہے کہ کتنے زیادہ لوگوں نے پانی استعمال کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں کمی کے بجائے اضافہ کر دیا، حالانکہ درحقیقت اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ملائی گئی تھی، جس سے پانی زیادہ ہوتا۔

یہ واقعہ آپ ﷺ کے معجزات کی فہرست میں انوکھے اور حیرت انگیز واقعہ کے طور پر شمار ہوتا ہے۔

فوائد:

① بڑوں کے ساتھ ادب واحترام سے پیش آنا مستحب ہے، جیسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو جگانے میں ادب واحترام کو ملحوظ رکھا۔

② کوئی دینی فریضہ چھوٹ جائے تو بندے کو افسوس کا اظہار کرنا چاہیے۔

③ کسی عذر کی وجہ سے نماز چھوٹ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

④ جو شخص جنبی ہو اور غسل کے لیے پانی میسر نہ ہو تو وہ پاک مٹی سے تیمّم کر لے، اس کے لیے یہی کافی ہو جائے گا۔

⑤ عالمِ دین جب کوئی پیچیدہ معاملہ دیکھے تو وہ اس کے بارے میں سوال کر سکتا ہے، تاکہ پھر اس کا مناسب حل بتا سکے۔

⑥ اگر کسی بندے سے کوئی دینی فریضہ چھوٹ جائے تو عالم کو اس سے نرمی اور پیار سے پیش آنا چاہیے۔

⑦ نماز باجماعت پڑھنے کی ترغیب دینی چاہیے۔

⑧ اگر کوئی آدمی بغیر کسی عذر کے نمازیوں کے ساتھ مل کر نماز ادا نہ کرے تو اس سے اس کی پوچھ گچھ کرنی چاہیے۔

⑨ فوت شدہ نمازوں کو ادا کرنا واجب ہے۔ تاخیر کی وجہ سے نماز ساقط نہیں ہوتی اور بغیر عذر کے نماز لیٹ پڑھنے والا شخص گناہ گار ہے۔

⑩ فتنے والی سرزمین سے اپنے دین اور ایمان کو بچا کر نکل جانا چاہیے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس وادی سے نکل جانے کا حکم دیا، جہاں پر شیطان کی وجہ سے نحوست آ چکی تھی۔

⑪ فوت شدہ نماز ادا کرنے سے پہلے اذان پڑھنا مستحب ہے۔

⑫ فوت شدہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا جائز ہے۔

⑬ پینے اور وضو وغیرہ کے لیے پانی طلب کرنا جائز ہے۔

⑭ پیاس بجھانے کے لیے کسی آدمی سے کسی چیز کے عوض پانی لینا جائز ہے اور اس سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ پانی کی تقسیم کے وقت پیاس کا معاملہ جنبی کے معاملے پر مقدم ہے۔

⑮ مصلحت کے تحت انسانوں اور حیوانوں کو پہلے پانی پلایا گیا اور دیگر ضروریات، مثلاً طہارت وغیرہ کے لیے بعد میں استعمال کیا گیا۔

⑯ جب فتنے کا خدشہ نہ ہو اور دوسری طرف شرعی عذر ہو تو اس وقت کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت جائز ہے۔

⑰ مشرکین کے برتن استعمال کرنا جائز ہے، جب کہ ان کے نجس نہ ہونے کا یقین ہو۔

⑱ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجتہاد کرنا جائز ہے اور اس میں اختلاف مشہور ہے۔

⑲ فوت شدہ فریضہ جب یاد آ جائے تو اس میں مزید تاخیر کرنا، جب کہ یہ کسی غفلت اور سستی کی وجہ سے نہ ہو، جائز ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ نے سو کر اٹھنے کے بعد فرمایا کہ یہاں سے کوچ کرو اور پھر آگے جا کر ایک جگہ پر آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔

۴۰ جب کوئی قسم کا مطالبہ نہ کر رہا ہو تب بھی قسم اٹھانا جائز ہے۔

۴۱ جب کوئی معاملہ شدت اختیار کر جائے تو رعایا اپنے امام اور حکمران سے اس کی شکایت کر سکتی ہے۔

۴۲ مسافر پر جب نیند کا غلبہ ہو جائے تو اس کا سو کر رات گزارنا مستحب ہے۔

۴۳ کوئی واجب فریضہ رہ جائے تو تاخیر کی وجہ سے وہ ساقط نہیں ہو جاتا۔

۴۴ دن اور مہینے کا تعین کیے بغیر سفر کرنا جائز ہے۔

۴۵ اس حدیث میں نبوت کی بے شمار نشانیاں بیان ہوئی ہیں، مثلاً تھوڑے سے پانی سے وضو کرنا، پینا، جانوروں کو پلانا وغیرہ۔

۴۶ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں میں سب سے زیادہ بہادر، باہمت اور جری تھے۔

10- رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا پھوٹنا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ نمازِ عصر کا وقت ہوگیا اور لوگوں نے وضو کے لیے پانی تلاش کیا، لیکن ان کو پانی نہ ملا۔

« فَأُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِوَضُوءٍ، فَوَضَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي ذٰلِكَ الْإِنَاءِ يَدَهُ، وَأَمَرَ النَّاسَ أَنْ يَتَوَضَّئُوا مِنْهُ، قَالَ: فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ تَحْتِ أَصَابِعِهِ، حَتّٰى تَوَضَّئُوا مِنْ عِنْدِ آخِرِهِمْ »[1]

''اتنے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس وضو کے لیے پانی لایا گیا، رسول اللہ ﷺ نے اس (پانی والے) برتن میں اپنا ہاتھ ڈالا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس (برتن) سے وضو کریں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی انگلیوں کے نیچے سے پانی (چشمے کی طرح) بہہ رہا تھا، یہاں تک کہ اس آدمی نے بھی وضو کیا جو سب سے آخری تھا۔''

تشریح:

رسول اللہ ﷺ کے اس عظیم الشان معجزے کو صحابہ کرام اور ثقہ راویوں کی کثیر تعداد نے بیان کیا ہے۔ آپ ﷺ کا یہ معجزہ پتھر سے پانی جاری ہونے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [164] صحيح مسلم، رقم الحديث [4225]

سے بھی زیادہ بڑا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی جاری ہونا، پانی کا بڑھ جانا، کھانا بڑھ جانا وغیرہ، یہ تمام معجزات مختلف اوقات اور مختلف حالات میں نبی مکرم ﷺ سے ظاہر ہوئے، ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ پانی بڑھ جانے والی روایات سیدنا انس، ابن مسعود، جابر، عمران بن حصین رضی اللہ عنہم وغیرہ بڑے بڑے صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ یہی حال کھانا بڑھ جانے والی روایات کا ہے۔[1]

امام مزنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اس سے بڑی اور کوئی نشانی نہیں دی گئی اور آپ ﷺ کی یہ نشانی موسیٰ علیہ السلام کی اس نشانی سے بھی بڑی ہے، جس میں انھوں نے اپنی لاٹھی پتھر پر ماری تو بارہ چشمے جاری ہو گئے، کیوں کہ پتھر سے پانی جاری ہونا معروف ہے، جب کہ انگلیوں سے پانی جاری ہونا غیر معروف ہے اور یہ نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی اور سے ثابت بھی نہیں ہے۔

امام مہلب رحمہ اللہ نے بھی اس سے ملتی جلتی بات کہی ہے، مزید فرمایا کہ پانی صرف ایک بندے کے وضو کے لیے تھا، لیکن سارا لشکر اس سے مستفید ہوا۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پانی انگلیوں کے گوشت سے جاری ہوا تھا اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں:

«فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِهٖ»

”میں نے پانی کو دیکھا کہ وہ انگلیوں کے درمیان سے نکل رہا تھا۔“

---

1. شرح النووي [38/15]
2. شرح صحيح البخاري [263/1]

طبرانی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

« فَجَاؤُا بِشَنٍّ فَوَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَدَہُ عَلَیْهِ ثُمَّ فَرَّقَ أَصَابِعَهُ، فَنَبَعَ الْمَاءُ مِنْ أَصَابِعِ رَسُوْلِ اللّٰہِ مِثْلَ عَصَا مُوْسٰی »[1]

''وہ (صحابہ کرام) پانی کا ایک برتن لائے، آپ ﷺ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا اور اپنی انگلیوں کو کھولا تو پانی رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں سے پھوٹ پھوٹ کر نکلنے لگا، جیسے موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سے پانی جاری ہوا تھا۔''

یعنی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی پانی جاری ہونے کا سبب بنی تھی، ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کی انگلیاں پانی نکلنے کا سبب بنیں۔

ایک احتمال یہ بھی ہے کہ محض دیکھنے والوں کو پانی نکلتا محسوس ہو رہا تھا، حقیقت میں پانی پہلے ہی بڑھ چکا تھا اور آپ ﷺ کا ہاتھ پانی میں ہونے کی وجہ سے دیکھنے والے سمجھ رہے تھے کہ پانی انگلیوں سے نکل رہا ہے، لیکن پہلی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے اور کوئی ایسی روایت بھی موجود نہیں جو اس کا رد کر رہی ہو۔[2]

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس واقعہ کو بے شمار قابل اعتماد لوگوں نے بیان کیا ہے۔ صحابہ کے زمانے ہی سے ایک بہت بڑی جماعت اسے بیان کرتی آ رہی ہے اور یہ ہمیشہ سے مسلمانوں کے اجتماعات اور محافل، مجالس میں بیان ہوتا رہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اس واقعہ کے راوی سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہیں کی، بلکہ سب نے اسی طرح دیکھا اور بیان کیا ہے، جیسے سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے دیکھا اور بیان کیا۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی یہ واقعہ سن کر خاموش رہا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس نے اسے غلط، باطل یا جھوٹ

---

[1] المعجم الكبير للطبراني [87/12]

[2] فتح الباري [585/6]

خیال کیا اور نہ وہ کسی شک وشبہہ کی وجہ سے خاموش رہا۔ آپ ﷺ کا یہ معجزہ قطعی طور پر صحیح اور ثابت شدہ ہے۔ اس میں ابن بطال رحمہ اللہ کی اس بات کا بھی رد موجود ہے جو انھوں نے اس حدیث کی شرح میں لکھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت نے اس کی گواہی دی، لیکن سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی نے اسے روایت نہیں کیا اور شاید انھوں نے بھی لمبی عمر کی وجہ سے روایت کیا ہو۔[1]

فوائد:

1. رسول اللہ ﷺ کے نبی برحق ہونے کی واضح نشانی بیان ہوئی ہے، نیز یہ معلوم ہوا ہے کہ انگلیوں سے پانی جاری کرنے کا اختیار اور قدرت صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔
2. حسی معجزات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی مکرم ﷺ کی مدد کرنا، تاکہ معترضین کے منہ بند ہو جائیں اور مومنین کے ایمان میں اضافہ ہو۔
3. اگر وضو کرنے والا شخص پانی میں ہاتھ داخل کر کے اسے استعمال کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ یہ استعمال شدہ پانی کے زمرے میں آتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ ہاتھ برتن میں داخل کرنے سے پہلے دھونا مستحب ہے، لازمی نہیں۔

---

[1] عمدة القاري [279/4]

11- دودھ میں برکت کا منفرد واقعہ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! (ایک دور میں) میں بھوک کی وجہ سے زمین پر اپنے پیٹ کے بل لیٹ جاتا تھا اور کبھی بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھا کرتا تھا۔ ایک دن میں اس راستے پر بیٹھ گیا، جہاں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گزرتے تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گزرے تو میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت کے بارے میں سوال کیا، میرے سوال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ مجھے کچھ کھلا دیں، لیکن (انھوں نے جواب دیا) وہ چلے گئے اور کچھ نہ کیا، پھر عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے، میں نے ان سے بھی قرآن مجید کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا اور میرے پوچھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ مجھے کچھ کھلا دیں، لیکن وہ بھی گزر گئے اور کچھ نہ کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ گزرے اور آپ ﷺ نے جب مجھے دیکھا تو مسکرا دیے اور آپ ﷺ میرے دل کی بات سمجھ گئے اور میرے چہرے کے آثار کو پہچان لیا۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوہریرہ! میں نے عرض کی: جی ہاں، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا: میرے ساتھ آ جاؤ اور آپ ﷺ چلنے لگے۔ میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے چلنے لگا۔ آپ ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو میں نے اجازت مانگی اور مجھے اجازت مل گئی۔ جب آپ ﷺ گھر میں داخل ہوئے تو گھر سے ایک پیالے میں دودھ ملا، آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ یہ

دودھ کہاں سے آیا ہے؟ انھوں (گھر والوں) نے جواب دیا کہ فلاں مرد یا فلاں عورت نے آپ ﷺ کے لیے تحفہ بھیجا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ابوہریرہ! میں نے عرض کی: جی ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا:

« اِلْحَقْ إِلَى أَهْلِ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ لِي » قَالَ: "وَأَهْلُ الصُّفَّةِ أَضْيَافُ الْإِسْلَامِ لَا يَأْوُونَ إِلَى أَهْلٍ وَّلَا مَالٍ، وَلَا عَلَى أَحَدٍ، إِذَا أَتَتْهُ صَدَقَةٌ بَعَثَ بِهَا إِلَيْهِمْ وَلَمْ يَتَنَاوَلْ مِنْهَا شَيْئًا، وَإِذَا أَتَتْهُ هَدِيَّةٌ أَرْسَلَ إِلَيْهِمْ وَأَصَابَ مِنْهَا وَأَشْرَكَهُمْ فِيهَا"

''اہلِ صفہ کے پاس جاؤ اور انھیں بھی میرے پاس بلا لاؤ۔ (راوی نے) کہا: اہلِ صفہ اسلام کے مہمان ہیں۔ وہ کسی کے گھر میں پناہ ڈھونڈتے ہیں اور نہ مال اور نہ کسی پر ان کا کچھ ہے۔ آپ ﷺ کے پاس جب کوئی صدقہ آتا تو آپ ﷺ وہ انھیں کے پاس بھیجتے تھے اور اس میں سے خود کچھ نہ رکھتے تھے اور جب آپ ﷺ کے پاس کوئی تحفہ آتا تھا تو آپ ﷺ ان کو بلا لیتے اور خود بھی اس سے کھاتے اور انھیں بھی اس میں شریک کرتے تھے۔''

چنانچہ مجھے یہ بات ناگوار گزری اور میں نے سوچا کہ اس دودھ کی مقدار کتنی ہے کہ سارے صفہ والوں میں تقسیم ہو۔ میں اس کا زیادہ حق دار تھا، تاکہ اسے پی کر کچھ قوت حاصل کرتا۔ جب صفہ والے آئیں گے تو آپ ﷺ مجھے حکم دیں گے کہ میں (یہ دودھ) ان کو دوں اور شاید اس وقت میرے لیے کچھ نہ بچے، لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے سوا کوئی راستہ بھی نہیں تھا، چنانچہ میں ان کے پاس آیا اور ان کو آپ ﷺ کا پیغام دیا۔ وہ آگئے اور (گھر

داخل ہونے کی) اجازت مانگی، ان کو اجازت مل گئی۔ وہ گھر میں اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ابوہریرہ! میں نے عرض کی: جی ہاں! اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا:

«خُذْ فَأَعْطِهِمْ» ''اسے (دودھ کو) پکڑو اور ان کو دے دو۔''

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں نے پیالہ پکڑا اور ایک ایک کو دینے لگا۔ جب ایک بندہ دودھ پی کر سیر ہو جاتا تو پیالہ مجھے واپس کر دیتا، پھر دوسرا شخص سیر ہو کر پیتا اور پیالہ مجھے واپس لوٹا دیتا، پھر تیسرا شخص سیر ہو کر پیتا اور پیالہ مجھے واپس لوٹا دیتا، اسی طرح (سب کو پلاتا ہوا) میں نبی کریم ﷺ کے تک پہنچا، تمام لوگ پیٹ بھر کر پی چکے تھے۔ آپ ﷺ نے پیالہ پکڑا، اپنے ہاتھ پر رکھا اور میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: ابوہریرہ! میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جو آپ کا حکم۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اور تُو باقی رہ گئے ہیں۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے سچ کہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اُقْعُدْ فَاشْرَبْ» فَقَعَدْتُ فَشَرِبْتُ، فَقَالَ: «اِشْرَبْ» فَشَرِبْتُ، فَمَا زَالَ يَقُولُ: «اِشْرَبْ» حَتَّى قُلْتُ: لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أَجِدُ لَهُ مَسْلَكًا، قَالَ: «فَأَرِنِي» فَأَعْطَيْتُهُ الْقَدَحَ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَسَمّٰى وَشَرِبَ الْفَضْلَةَ.[1]

''بیٹھ جاؤ اور پیو۔'' میں بیٹھ گیا اور میں نے پیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور پیو۔'' میں نے اور پیا، آپ ﷺ مسلسل کہتے رہے اور

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5971]

پیو (اور میں مسلسل پیتا رہا) بالآخر میں نے کہا: نہیں، اس ذات کی قسم، جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، اب مجھ میں (پینے کی) بالکل گنجایش نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر مجھے دے دو۔'' چنانچہ میں نے (پیالہ) آپ کو دے دیا، آپ ﷺ نے اللہ کی حمد بیان کی، بسم اللہ پڑھی اور بچا ہوا دودھ پی لیا۔

تشریح:

اس روایت میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ کبھی کبھی بھوک کی شدت کی وجہ سے میرا حال یہ ہوتا تھا کہ میں اپنا پیٹ زمین کے ساتھ لگا لیتا تھا یا کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قسم اٹھا کر بات کرنے کا مقصد اپنی بات میں تاکید اور وزن پیدا کرنا ہے۔ ایک اور روایت جس کے راوی بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی ہیں، میں فرماتے ہیں:

''لَتَأْتِي عَلَى أَحَدِنَا الْأَيَّامُ مَا يَجِدُ طَعَاماً يُقِيمُ بِهِ صُلْبَهُ، حَتَّى إِنْ كَانَ اَحَدُنَا لَيَاخُذُ الْحَجَرَ فَيَشُدُّ بِهِ عَلَى اَخْمَصِ بَطْنِهِ، ثُمَّ يَشُدُّ بِثَوْبِهِ، لِيُقِيمَ بِهِ صُلْبَهُ''

''بسا اوقات ہم میں سے کسی ایک پر ایسے دن بھی آتے تھے کہ کھانا نہ ملنے کی وجہ سے وہ اپنی کمر بھی سیدھی نہیں کر پاتا تھا، یہاں تک کہ وہ پتھر لیتا اور اسے اپنے خالی پیٹ پر رکھ کر ایک کپڑے سے باندھ لیتا تاکہ اس کی کمر سیدھی رہے۔''

بھوک کی حالت میں پیٹ پر پتھر باندھنے کا فائدہ:

اس سے جسم کو اعتدال میں لانے، سیدھا کھڑا ہونے اور کمر سیدھی کرنے میں مدد ملتی ہے یا اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پیٹ میں جو تھوڑی سی

خوراک موجود ہے، وہ پیٹ پر پتھر ہونے کی وجہ سے ایک جگہ پر رہے اور پیٹ میں زیادہ حرکت نہ کرے۔ اسی طرح ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے آنتیں سیدھی رہتی ہیں اور کمزوری کا احساس کم ہوتا ہے یا بھوک کی شدت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ مزید اس میں نفس کو قابو میں رکھنے اور اس کی اصلاح کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان کا پیٹ مٹی کے سوا کسی اور چیز سے نہیں بھر سکتا۔

امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"پتھر باندھنے کا معاملہ علما کی ایک جماعت پر بہت پیچیدہ ہو گیا، یہاں تک کہ انھوں نے حقیقت کے برعکس اس کی تاویلات کیں، لیکن جو شخص حجاز میں رہا ہے، وہ بہ خوبی جانتا ہے کہ اہلِ عرب جب بھوک سے نڈھال ہو جاتے ہیں اور ان کا پیٹ غذا سے خالی ہو جاتا ہے تو وہ اس پر باریک اور چھوٹا سلیٹ نما پتھر باندھ لیتے ہیں، جس سے ان کی طبیعت میں اعتدال آ جاتا ہے اور کھڑا ہونے میں مدد ملتی ہے۔"

"عَلَى طَرِيقِهِمْ" یعنی وہ راستہ جہاں سے گزر کر نبی مکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد کی طرف جاتے تھے یا جو ان کی عام گزر گاہ تھی۔

"لِيُشْبِعَنِي" یعنی مجھے کھانا کھلا کر میری بھوک دور کریں۔ دوسری روایت کے الفاظ ہیں۔

"لِيَسْتَتْبِعَنِي" تاکہ وہ مجھے اپنے پیچھے پیچھے لے جائیں۔

"فَمَرَّ" یعنی انھوں نے میری حالت میں کوئی دلچسپی نہ لی اور سوال کا جواب دے کر گزر گئے۔

"ثُمَّ مَرَّ بِي عُمَرُ" یعنی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گزرنے کے بعد ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہیں ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ اسی راستے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آ گئے اور انھوں نے بھی

اسی طرح کا طرزِ عمل اپنایا، جس طرح کا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ پہلے اپنا چکے تھے۔

سیدھی سی بات ہے کہ سیدنا ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما دونوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سوال کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے اس کا جواب دیا اور اپنی اپنی راہ لی، ان دونوں کو کوئی ایسی شئے نظر نہ آئی، جس سے وہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مراد سمجھ جاتے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک روایت ملتی ہے کہ حقیقت ظاہر ہونے کے بعد ان کو اس بات کا گہرا افسوس ہوا کہ وہ ابو ہریرہ کو اپنے گھر کیوں نہ لے جا سکے۔

((وَمَا فِيْ وَجْهِيْ)) یعنی میرے چہرے پر بھوک کے جو آثار تھے۔

ان دونوں حضرات کے بعد نبی مکرم ﷺ کا گزر ہوا اور آپ ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا سوال سن کر ان کی مراد جان لی اور ان کو اپنے ساتھ گھر جانے کا کہا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہی، ان کو اجازت مل گئی، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر سے کھانے پینے والی کوئی چیز تلاش کی تو آپ ﷺ کو دودھ کا ایک پیالہ مل گیا۔ آپ ﷺ نے گھر والوں سے اس کے متعلق پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟ آپ ﷺ کو گھر والوں نے بتایا کہ یہ فلاں عورت نے آپ کے لیے تحفہ بھیجا ہے۔ نبی مکرم ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جاؤ اہلِ صفہ کو بھی بلا لاؤ۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی اس بات نے مجھے غمزدہ کر دیا کہ دودھ کی یہ تھوڑی سی مقدار اتنے زیادہ اصحابِ صفہ کے سامنے کیا کرے گی، لیکن وہ فرماتے ہیں کہ بہر حال رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی لازمی تھی، چنانچہ میں ان کو بھی بلا لایا۔

"وَ أَخَذُوْا مَجَالِسَهُمْ مِنَ الْبَيْتِ" یعنی اصحابِ صفہ میں سے ہر ایک اس جگہ بیٹھ گیا جو اس کے لائق تھی۔ (اس روایت میں) ان کی تعداد کا ذکر

نہیں کیا گیا۔ کتاب الصلاۃ کے ابواب المساجد میں ابو حازم کے واسطے سے یہ روایت پہلے گزر چکی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

«رَأَيْتُ سَبْعِينَ مِنْ أَصْحَابِ الصُّفَّةِ» میں نے ستر اصحابِ صفہ کو دیکھا۔

حلیۃ الاولیا میں ان کی تعداد ایک سو کے قریب بیان ہوئی ہے، چناں چہ ابونعیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصحابِ صفہ کی تعداد میں اختلاف ہے۔ حالات و واقعات کے مطابق کبھی ان کی تعداد زیادہ ہوتی تھی اور کبھی کم۔ کبھی وہ سب ایک جگہ پر جمع ہوتے تھے اور کبھی بکھرے ہوئے، مثلاً کوئی سفر میں ہے اور کوئی جہاد پر روانہ ہوا ہے، لیکن یہ کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد ستر سے زائد تھی۔

« خُذْ» یعنی دودھ والا پیالہ پکڑو اور اصحابِ صفہ کو پلانا شروع کرو، چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ترتیب کے ساتھ ایک کے بعد ایک کو پلانا شروع کر دیا، جب ایک آدمی خوب پیٹ بھر کے پی لیتا تھا تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پیالہ دوسرے کو تھما دیتے تھے، پھر تیسرے کو اور اسی طرح سب کو باری باری پلایا۔

"فَتَبَسَّمَ" رسول اللہ ﷺ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس پریشانی اور گھبراہٹ کو مدنظر رکھتے ہوئے مسکرائے کہ شاید اصحابِ صفہ کے بعد ان کے لیے دودھ بچے گا یا نہیں۔

« بَقِيتُ أَنَا وَأَنْتَ» آپ ﷺ نے یہ بات اس مناسبت سے کہی کہ اصحابِ صفہ کے بعد اب میں اور تم دودھ پینے والے رہ گئے ہیں۔ یہاں پر رسول اللہ ﷺ نے گھر کے دیگر افراد کا ذکر مناسب نہ سمجھا یا یہ بھی احتمال ہے کہ اس وقت آپ ﷺ کے گھر میں کوئی نہ ہو، اسی طرح یہ بھی احتمال ہے کہ گھر والے پہلے پی چکے ہوں اور یہ صرف نبی اکرم ﷺ کا حصہ ہو۔

"فَحَمِدَ اللّٰهَ وَسَمّٰى" دودھ میں برکت نازل ہونے کی وجہ سے

آپ ﷺ نے حمد بیان کی اور بسم اللہ پڑھنے کی وجہ یہ تھی کہ کھانے پینے سے قبل اللہ کا نام لینا شرعی طریقہ ہے۔[1]

فوائد:

1. پانی بیٹھ کر پینا مستحب ہے۔
2. جو شخص قوم کا خادم ہو، وہ سب لوگوں سے یکساں اور ترتیب سے پیش آئے، کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے۔
3. رسول اللہ ﷺ کے ایک عظیم معجزے کا بیان یعنی دودھ کا بڑھ جانا۔
4. اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ پیٹ بھر کے کھانا پینا جائز ہے۔ البتہ وہ حدیث جس میں خوب پیٹ بھر کر کھانے کی ممانعت آئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ممانعت اس شخص کے لیے ہے جس کی عادت خوب سیر ہو کر کھانا پینا ہو، کیونکہ اس سے عبادات وغیرہ کے معاملے میں سستی واقع ہو جاتی ہے، لیکن اگر کبھی کبھار کوئی خوب سیر ہو کر کھا پی لیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔
5. ضرورت کو چھپا کر رکھنا اسے ظاہر کرنے سے بہتر ہے۔
6. نبی کریم ﷺ کے ایثار کا بیان، یعنی آپ ﷺ نے اپنے آپ پر، اپنے گھر والوں پر اور اپنے خادم پر دوسروں کو ترجیح دی۔
7. اس چیز کا بیان کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تنگ دستی کی زندگی گزار رہے تھے۔
8. سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بیان کہ انھوں نے صراحت کے ساتھ سوال نہ کیا، بلکہ صرف اشارے پر اکتفا کیا، اسی طرح سخت بھوک کے باوجود

[1] عمدة القاري [225/32]

انھوں نے اپنے نفس کو روکے رکھا اور نبی کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔

﴿۹﴾ بغیر اجازت کے کسی کے گھر میں داخل نہیں ہونا چاہیے، اگرچہ گھر کا مالک خود ساتھ لے کر گھر کی طرف جائے یا کسی کے ذریعے سے اپنے گھر آنے کی دعوت دے۔

﴿۱۰﴾ ہر آدمی کو چاہیے کہ اسے جہاں جگہ ملے، وہ وہیں بیٹھ جائے۔

﴿۱۱﴾ سیدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا نبی مکرم ﷺ کے ساتھ تعلق، آپ ﷺ کا اپنے خادم کو کنیت کے ساتھ بلانا، آپ ﷺ کی معاملہ فہمی، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ادب واحترام کے ساتھ لبیک کہتے ہوئے آپ ﷺ سے مخاطب ہونا۔

﴿۱۲﴾ بندہ اگر اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز دیکھے جو پہلے موجود نہ تھی تو وہ اس کے بارے میں گھر والوں سے سوال کرسکتا ہے۔

﴿۱۳﴾ نبی اکرم ﷺ کا ہدیہ قبول کرنا، اسے تناول کرنا اور اس میں سے کچھ کا ایثار کرنا، اور اس چیز کی بھی وضاحت کے آپ ﷺ صدقہ کی چیز نہیں کھاتے تھے، بلکہ مستحق افراد کو کھلا دیتے تھے۔

﴿۱۴﴾ پلانے والا خود سب سے آخر میں پیے اور گھر کا مالک اس کے بھی بعد پیے۔

﴿۱۵﴾ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیے اور کھانے پینے سے قبل اللہ کا نام لینا چاہیے۔[1]

---

[1] فتح الباري [288/11]

12- ام معبد کی لاغر بکری نے رسول اللہ ﷺ کی برکت سے دودھ دینا شروع کر دیا

سیدہ ام معبد رضی اللہ عنہا جن کا اصل نام عاتکہ بنت خالد الخزاعیہ رضی اللہ عنہا ہے، وہ فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کی طرف جا رہے تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے غلام بھی تھے، جن کا نام عامر بن فہیرہ تھا اور عبداللہ بن اریقط اللیثی ان سب (لوگوں) کے رہبر تھے (ام معبد فرماتی ہیں) وہ ہمارے پاس سے گزرے تو میرے خیمے میں آ گئے اور میں اپنے خیمے میں چیزیں ذخیرہ کر کے رکھا کرتی تھی اور گزرنے والوں کو کھلایا پلایا کرتی تھی۔ گزرنے والا پوچھتا: اے ام معبد! کیا تیرے پاس گوشت ہے؟ میں ان کی طرف دودھ والی بکری بھیج دیتی، لیکن وہ واپس کر دیتے، پھر میں اس کی طرف ایک سال تک کی بکری بھیجتی تو وہ اسے قبول کر لیتا اور کہتا: ہم نے وہ بکری اس لیے واپس کی تھی کیونکہ وہ دودھ والی تھی۔ پھر وہ پوچھتا: کیا تمھارے پاس کھجوریں ہیں؟ میں کہتی: نہیں۔ اللہ کی قسم! اگر میرے پاس کھجوریں ہوتیں تو تمھیں مجھ سے مانگنے کی نوبت ہی نہیں آنی تھی اور تم نے ان کے بغیر میرے خیمے سے آگے بھی نہیں جانا تھا (میں نے خود پیش کر دینی تھیں) وہ مفلس اور قحط زدہ تھے۔

نبی کریم ﷺ نے خیمے کے ایک گوشے میں ایک بکری دیکھی، آپ ﷺ نے فرمایا: ام معبد! یہ بکری کیسی ہے؟ میں نے جواب دیا: کمزوری کی وجہ سے

چرواہے نے اسے ریوڑ سے پیچھے رکھا ہے اور یہ دودھ اور گوشت والی نہیں ہے۔
آپ ﷺ نے کہا:

«تَأْذَنِيْنَ لَنَا أَنْ نَّدْنُوَ مِنْهَا وَنَحْلِبَ؟»

''اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم اس کے قریب ہوتے ہیں اور اس سے دودھ دھو لیتے ہیں؟''

میں نے کہا: ہاں (اجازت ہے) اگر آپ اس میں دودھ دیکھتے ہیں تو دھو لیں، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔ رسول اللہ ﷺ اس کے قریب آئے، اپنے ہاتھ اس کے تھنوں پر پھیرے، بسم اللہ پڑھی اور اپنے رب سے دعا کی تو بکری نے پاؤں کھول لیے، اس کے تھنوں میں دودھ بھر گیا، وہ جگالی کرنے لگی اور دودھ کے لیے تیار ہو گئی۔ پھر آپ ﷺ نے برتن منگوایا، میں نے اپنے گھر سے ایک برتن آپ ﷺ کو دیا، یہ ایسا برتن تھا کہ جب ہم اسے بھرتے تھے تو وہ ایک جماعت کو کافی ہوتا تھا۔ آپ ﷺ نے اس میں دودھ دھویا اور وہ بھر گیا اور جھاگ اوپر آنے لگی۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے پلایا حتی کہ میرا پیٹ بھر گیا، پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پیا، پھر ان آدمیوں نے بھی ایک ایک کر کے پیا جو آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ پھر نبی مکرم ﷺ نے بھی پیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمارے پاس سے چلے گئے اور پانی والوں نے اسلام پر بیعت کی۔ تھوڑی دیر بعد میرا خاوند اپنی کمزور بکریوں کو ہانکتے ہوا آ پہنچا، میں نے دودھ اس کے قریب کیا، نبی اکرم ﷺ کے آنے کا قصہ سنایا اور آپ کی وجہ سے جو برکت حاصل ہوئی، اس کا بھی بتا دیا، انھوں نے کہا: ان (نبی) کی صفات بیان کرو، میں نے کہا: ہاں، چمکتا رنگ، تابناک چہرہ، خوبصورت ساخت، مسکراتے ہوئے، آپ کمزور، سیاہ رنگ کے اور موٹے نہ تھے، بلکہ آپ سفید، سرخی مائل اور سرگیں آنکھوں والے

اور لمبی پلکوں والے تھے، بھاری آواز، لمبی گردن، گھنی ڈاڑھی، باریک اور باہم ملے ہوئے ابرو، چمک دار سیاہ بال، گفتگو کریں تو پرکشش، خاموش رہیں تو باوقار، دور سے دیکھنے میں سب سے زیادہ تابناک اور پر جمال، قریب سے سب سے زیادہ خوبصورت اور شیریں، گفتگو میں چاشنی، بات واضح اور دوٹوک، نہ مختصر نہ فضول، بولنے کا انداز ایسا گویا لڑی سے موتی جڑ رہے ہیں، درمیانہ قد، نہ بہت چھوٹا اور نہ بہت لمبا کہ دیکھنے میں ناگوار لگے۔ دو شاخوں کے درمیان ایک ایسی شاخ کی طرح ہیں، جو سب سے زیادہ تازہ اور پر رونق ہے۔ جسمانی اعتبار سے مکمل، آپ کے رفقا آپ کے اردگرد حلقہ بنائے ہوئے، جب آپ بولیں تو وہ توجہ سے سنتے ہیں، کوئی حکم دیں تو لپک کر بجالاتے ہیں، لوگ آپ کی اطاعت، خدمت اور ادب واحترام کے لیے چاق و چوبند، ان کی قوم ان کو ملنے والی عزت اور احترام سے حاسد، نہ ترش رو اور نہ لوگوں سے لغو گفتگو کرنے والے، لوگوں میں سب سے پاکیزہ، مکرم اور معزز۔

(ام معبد فرماتی ہیں) میرے خاوند نے مجھے کہا: اللہ کی قسم یہ قریش کا وہی آدمی ہے، جس کے بارے میں مکہ کے لوگوں نے طرح طرح کی باتیں بیان کی ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ اس کے پاس جاؤں، ساتھ رہوں اور اگر کوئی راستہ ملا تو ضرور ایسا کروں گا، (اسی دوران) مکہ کی طرف سے ایک بلند آواز ابھری، جسے لوگ سن رہے تھے، لیکن اس کا کہنے والا دکھائی نہیں دے رہا تھا، وہ کہہ رہا تھا:

جزىٰ اللّٰه ربُّ النَّاسِ خَيْرَ جَزائه
رَفِيْقَيْن قَالا خَيمتَي أُمِّ مَعْبَد
هُمَا نَزَلَا بِالْهُدىٰ واهتديا به
فَقَد فَازَ مَنْ أُمْسىٰ رَفِيقَ مُحَمَّدٖ

"اللہ، لوگوں کا رب ان دو رفیقوں کو بہترین جزا دے، جو ام معبد

کے خیمے میں نازل ہوئے، وہ دونوں ہدایت کے ساتھ اترے اور (لوگوں کے لیے) ہدایت کا ذریعہ بنے اور جو محمد ﷺ کا رفیق بنا وہ کامیاب ہوا۔"

فَیا لِقُصَّيٍ مَا زَوىٰ اللّٰهُ عَنْكُم
بِه مِن فعالٍ لَا تجارى و سؤدد
لِيَهْنِ بَنِي كَعْبٍ مَكَانُ فَتاتِهم
وَمَقعدُها لِلمؤمنين بِمَرْصَدِ
سَلُوا أُخْتَكم عَنْ شَاتِها وَ إِنائِها
فَإِنَّكم إِنْ تَسْأَلوا الشاةَ تَشْهَدُ

"ہائے قصی! اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کتنے بے نظیر کارنامے اور سرداریاں تم سے سمیٹ لیں۔ بنو کعب کو ان کی خاتون کی قیام گاہ اور مومنین کی نگہداشت کا پڑاؤ مبارک ہو، تم اپنی خاتون سے اس کی بکری اور برتن کے متعلق پوچھو، تم اگر خود بکری سے پوچھو گے تو وہ بھی شہادت دے گی۔"

دَعاها بِشاة حَائلٍ فَتَحَلَّبَتْ
عَليه صَرِيحا ضره الشاة مزبد

"اس نے اس عورت سے کمزور اور لاغر بکری کی اجازت مانگی تو وہ دودھ کے لیے تیار ہوگئی، بکری نے خالص اور جھاگ دار دودھ دیا۔"

فَغادرَه رهنا لَديها لِحَالب
يُرَدِّدُها فِي مَصْدَرٍ ثُمَّ مَورَدِ

"وہ شخص اس عورت کے پاس بکری کو ایسی حالت میں چھوڑ کر گیا کہ وہ جاتے اور آتے وقت دودھ کا ایک برتن بھر دیتی ہے۔"

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار سنے تو فرمانے لگے:

لقد خاب قوم زال عنهم نبيُّهم
وقدس من يسري إليهم ويفتدي
ترحل عن قوم فضلت عقولهم
وحل على قوم بنور مجدد
هداهم به بعد الضلالة ربهم
وأرشدهم من يتبع الحق يرشد
وهل يستوي ضلال قوم تسفهوا
عمايتهم هاد له كل مهتد
وقد نزلت منه على أهل يثرب
ركاب هدى حلت عليهم بأسعد
يرى ما لا يرى الناس حوله
ويتلو كتاب الله في كل مشهد
فإن قال فى يوم مقالة غائب
فتصديقها فى اليوم أو في غد
ليهن أبا بكر سعادة جده
بصحبته من يسعد الله يسعد
وبهن بنى كعب مقام فتاتهم
ومقعدها للمؤمنين بمرصد

وہ قوم ذلیل و رسوا ہوگئی جن کو ان کا نبی چھوڑ گیا اور اس نے ایسی خوش قسمت قوم کی طرف راہ لی جو اس پر فدا تھی۔ اس قوم سے کوچ کیا اور ان کی عقلیں راہ راست سے ہٹ گئیں اور ایک دوسری قوم پر

آپ کا نور روشنی کرنے لگا۔ اس نبی کے سبب اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو گمراہی کے بعد ہدایت سے نوازا، جس نے حق کی پیروی کی اس کو کامیابی کا راستہ دکھایا۔ کیا گمراہ اور بے وقوف قوم ان لوگوں کے برابر ہوسکتی ہے جو ہدایت یافتہ ہوئی اور تحقیق اتری اہل یثرب پر ہدایت کی سواری اور سعادت کے سامان سے وہ منور ہوئے۔ اس نے وہ کچھ دیکھا جو اردگرد کے لوگ نہ دیکھ سکے۔ وہ ہر وقت اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتا ہے۔ اگر اس نے کسی کوئی غیب کی خبر دی تو آج اس کی تصدیق ہوگئی یا کل ہو جائے گی۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ وہ اس نبی کے ساتھی رہے۔ جسے اللہ عزوجل سعادت دے وہ خوش نصیب ہے۔ بنی کعب کو ان کی لڑکی کے مقام نے عزت دی، اس کا ٹھکانا مومنوں کے لیے مہمان خانہ تھا۔"[1]

تشریح:

رسول اللہ ﷺ، ابوبکر صدیق، ان کے غلام عامر بن فہیرہ اور ان کے رہبر عبداللہ اللیثی سب نے ایک ساتھ مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کی۔ عبداللہ اللیثی رسول اللہ ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے قبل مسلمان ہوئے تھے۔

مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کرتے ہوئے یہ لوگ راستے میں ایک بوڑھی عورت کے خیمے کے پاس سے گزرے، جس کا نام ام معبد (عاتکہ بنت خالد) تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ ان کے گھر گئے، تب یہ مسلمان ہوئی تھیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ خاتون اس واقعہ کے بعد مدینے جا کر مسلمان ہوئی تھیں۔

[1] المستدرك للحاكم [4274] علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔

یہ اپنے خیمے کے قریب بیٹھتی تھیں اور گزرنے والے مسافروں کی مہمان نوازی کیا کرتی تھیں، ان کو کھانا کھلاتی اور پانی پلایا کرتی تھیں، لیکن اب حالات ایسے بن گئے تھے کہ قحط سالی کی وجہ سے لوگوں کا زادِ راہ ختم ہو جاتا تو وہ گزرتے ہوئے ام معبد سے سوال کرتے تھے کہ اگر گوشت یا کھجوریں ہیں تو ہمیں فروخت کر دو اور ہم سے اس کی قیمت لے لو، لیکن ام معبد بھی قحط سالی کا شکار تھیں، جس کی وجہ سے اب وہ مسافروں کی مدد نہیں کر پاتی تھی۔

اسی دوران میں وہاں سے رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا، آپ ﷺ نے ام معبد سے سوال کیا، لیکن آپ ﷺ کو بھی کچھ نہ ملا، آپ ﷺ نے دیکھا کہ خیمے کے ایک کونے میں بکری کھڑی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ام معبد! یہ بکری کیسی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ کمزور اور لاغر ہے۔ اس لیے اسے ریوڑ سے پیچھے رکھا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا یہ دودھ دیتی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: یہ دودھ کے قابل نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اس کا دودھ دھولوں؟

انھوں نے جواب دیا کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، اگر آپ اس میں دودھ دیکھتے ہیں تو دھولیں، آپ کو اجازت ہے۔ اس کے بعد بکری آپ ﷺ کے پاس لائی گئی، آپ ﷺ نے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا، اللہ کا نام لیا اور اس کے لیے دعا فرمائی، چنانچہ بکری نے ٹانگیں پھیلائیں، اس کے تھنوں میں دودھ آیا اور وہ جگالی کرنے لگی، یعنی وہ دودھ دینے کے لیے تیار ہو گئی۔

امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اَلْجِرَّۃ'' سے مراد یہ ہے کہ اونٹ اپنے پیٹ میں سے غذا نکال کر چباتا ہے پھر اسے نگل لیتا ہے۔

جب بکری دودھ کے لیے تیار ہوگئی تو آپ ﷺ نے ام معبد سے برتن مانگا، انھوں نے ایسا برتن دیا، جو اگر بھرا ہوا ہوتا تو اس سے ایک جماعت خوب سیراب ہوسکتی تھی، آپ ﷺ نے اس میں اتنا دودھ دھویا کہ وہ بھر گیا اور جھاگ اوپر سے باہر آ رہی تھی، پھر آپ ﷺ نے ام معبد کو پلایا، انھوں نے خوب پیٹ بھر کر دودھ پیا۔

سیدہ ام معبد رضی اللہ عنہا کو پہلے دودھ پیش کرنے کی تین وجوہات ہوسکتی ہیں:

① ان کے اکرام میں۔

② اس لیے کہ وہ بکری کی مالکہ تھیں۔

③ اسلام کی طرف راغب کرنے کی خاطر۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو دودھ پلایا اور انھوں نے بھی پیٹ بھر کر پیا، پھر آخر پر آپ ﷺ نے خود دودھ پیا، یہ اس وجہ سے تھا کہ آپ ﷺ ہی کا فرمان ہے:

«سَاقِي الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شُرْبًا»

''قوم کو پلانے والا خود سب سے آخر میں پیے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے دوبارہ دودھ دھویا، یہاں تک کہ وہ برتن پھر بھر گیا، آپ ﷺ نے یہ دودھ ام معبد کے پاس ہی چھوڑ دیا، تاکہ یہ بطور معجزہ اس کے پاس گھر ہی میں رہے اور اس کا خاوند بھی اس کا مشاہدہ کر لے۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے سیدہ ام معبد سے اسلام کی بیعت لی اور وہاں سے روانہ ہوگئے۔

آپ ﷺ کے جانے کے بعد ان کا خاوند اپنی کمزور اور ناتواں بکریاں ہانکتا ہوا گھر آیا اور خلافِ توقع گھر میں دودھ کا بھرا ہوا برتن دیکھا تو اس نے فوراً

پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟ ام معبد رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ ہمارے پاس سے ایک بابرکت آدمی گزرا ہے اور پھر انھوں نے انتہائی فصیح و بلیغ انداز میں آپ ﷺ کے اوصاف و کمالات بیان کرنا شروع کر دیے۔ ان کا خاوند یہ اوصاف سن کر بولا: اللہ کی قسم! یہ تو وہی آدمی لگتا ہے، جس کا مکے میں آج کل بہت چرچا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کے پاس جا کر ان کے ساتھ رہوں، اگر مجھے موقع ملا تو میں ایسا ضرور کروں گا۔ اس گفتگو کے بعد مکے کی فضا میں ایک بلند آواز گونجی، مکے والے یہ آواز سن رہے تھے، لیکن بولنے والے کو نہیں دیکھ پا رہے تھے۔ یہ بولنے والا نبی مکرم ﷺ کے اوصاف بیان کر رہا تھا۔

امام محی السنہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مکے میں آپ ﷺ کی شان میں جو آواز گونجی تھی اور جسے اہلِ مکہ سن رہے تھے، یہ کسی مسلمان جن کی صدا تھی، جو زیریں مکے سے آیا تھا، لوگ اس کی آواز تو سن رہے تھے، لیکن اسے دیکھ نہیں پا رہے تھے، حتی کہ یہ آواز پورے مکے میں پھیل گئی۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے آواز سن کر اندازہ لگا لیا کہ رسول اللہ ﷺ کا رخ مدینے کی طرف ہے۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انھوں نے اشعار کی صورت میں اس کا جواب دیا۔

فوائد:

① نبی اکرم ﷺ کے اوصاف، کمالات، خوبیاں، شکل و صورت اور حلیہ بیان ہوا ہے۔

② بے شمار مواقع پر رسول اللہ ﷺ کی برکت کی وجہ سے بکریوں کا دودھ بڑھ گیا، جن میں سے ایک یہ موقع ہے، اسی طرح کے واقعات حضرات

معاویہ بن ثور، انس، حلیمہ سعدیہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ کی بکریوں کے ساتھ بھی پیش آ چکے تھے، احادیث میں ان سب کا تذکرہ ملتا ہے۔

۳ رسول اللہ ﷺ کے اوصاف بیان کرنے میں ام معبد رضی اللہ عنہا کی فصاحت و بلاغت۔

۴ انسانوں کا جنوں کو دیکھے بغیر ان کی آواز سننا۔

13- غزوۂ تبوک کے موقع پر چشمے میں پانی کا بڑھ جانا

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے، جس سال تبوک کی لڑائی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ اس سفر میں نمازیں جمع کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے ظہر اور عصر اکٹھی پڑھی، پھر مغرب اور عشا بھی اکٹھی پڑھی۔ ایک دن آپ ﷺ نے نماز میں دیر کی، پھر نکلے اور ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی پڑھی، پھر اندر چلے گئے، پھر اس کے بعد دوبارہ نکلے اور مغرب اور عشا کی نماز اکٹھی پڑھی، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

« إِنَّكُمْ سَتَأْتُونَ غَداً إِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَيْنَ تَبُوكَ، وَإِنَّكُمْ لَنْ تَأْتُوهَا حَتّٰى يُضْحِيَ النَّهَارُ، فَمَنْ جَاءَ هَا مِنْكُمْ فَلَا يَمَسَّ مِنْ مَاءِ هَا شَيْئاً حَتّٰى آتِيَ »

”اگر اللہ نے چاہا تو کل تم تبوک کے چشمے پر پہنچو گے اور تم وہاں دن چڑھنے سے پہلے نہیں پہنچو گے، تم میں سے جو کوئی وہاں (چشمے پر) پہنچے تو میرے آنے تک اس (چشمے) کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے۔“

(سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) ہم اس چشمے پر پہنچے تو دو آدمی ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکے تھے، چشمے میں پانی جوتے کے تسمے کے برابر تھا اور وہ بھی آہستہ آہستہ بہہ رہا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں آدمیوں سے سوال کیا:

« هَلْ مَسَسْتُمَا مِنْ مَاءِهَا شَيْئاً، قَالَا: نَعَمْ. فَسَبَّهُمَا النَّبِيُّ ﷺ، وَقَالَ لَهُمَا مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقُولَ »

''تم نے اس کے پانی کو ہاتھ لگایا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے ان کو ڈانٹا اور جو اللہ کو منظور تھا، وہ ان کو کہا۔''

اس کے بعد لوگوں نے چلو سے تھوڑا تھوڑا پانی ایک برتن میں جمع کیا:

((قَالَ: وَغَسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْهِ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ ثُمَّ أَعَادَهُ فِيْهَا، فَجَرَتِ الْعَيْنُ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ، أَوْ قَالَ: غَزِيْرٍ ـ شَكَّ أَبُوْ عَلِيٍّ أَيُّهُمَا قَالَ ـ حَتَّى اسْتَقَى النَّاسُ ثُمَّ قَالَ: ((يُوْشِكُ يَا مُعَاذُ إِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ أَنْ تَرَى مَا هَاهُنَا قَدْ مُلِئَ جِنَانًا)) [1]

''رسول اللہ ﷺ نے اس میں اپنے ہاتھ اور اپنا چہرہ دھویا۔ پھر وہ پانی اس چشمے میں (واپس) ڈال دیا، وہ چشمہ جوش مار کر بہنے لگا، یہاں تک کہ لوگوں نے پانی پیا (اور جانوروں کو پلایا) اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ اگر تیری زندگی رہی تو تو دیکھے گا کہ اس (چشمے) کا پانی باغوں کو بھر دے گا۔''

تشریح:

وادی تبوک میں ایک چشمہ تھا، جس میں پانی بہت کم تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی برکت سے اس کا پانی زیادہ کر دیا، یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا بہنے لگا اور ایک بہت بڑا لشکر اس سے مستفید ہوا، جب کہ پہلے اس کا پانی چند آدمیوں کے لیے بھی کافی نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی کہ ایک وقت آئے گا کہ یہی چشمہ بڑے بڑے باغات اور کھیتیوں کو سیراب کرے گا، یہاں پر پھل دار پودے اور گھنے سایہ دار درخت ہوں گے، چنانچہ بہت جلد رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی سچے ثابت ہوئی اور تبوک گھنے باغات، درختوں،

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [4229]

کھجوروں اور پھلوں کی ایک خوبصورت وادی بن گیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے سچا نبی ہونے کی ایک واضح اور روشن دلیل تھی، جو ہر وقت گواہی دیتی تھی کہ واقعی آپ ﷺ برحق پیغمبر ہیں۔[1]

یہ معجزہ غزوہ تبوک کے دوران میں پیش آیا، غزوہ تبوک میں بغیر جنگ کیے رسول اللہ ﷺ کو کامیابی ملی۔

فوائد:

1. امام، حکمران اور خلیفہ کا بہ نفس نفیس جنگ میں شریک ہونا۔
2. اس حدیث میں دلیل ہے کہ سفر میں حالتِ قیام میں نمازیں جمع کی جا سکتی ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ اپنے خیمے سے باہر نکلتے، اکٹھی دو نمازیں پڑھاتے اور پھر واپس خیمے میں داخل ہو جاتے تھے۔
3. ان لوگوں کا رد جو کہتے ہیں کہ سفر میں صرف اسی وقت نمازیں جمع کی جا سکتیں، جب سفر انتہائی مشکل ہو۔
4. نبوت کی ایک عظیم نشانی کہ آپ ﷺ نے تھوڑے سے پانی کے ساتھ اپنے ہاتھ اور اپنا چہرہ دھو کر اس پانی کو واپس چشمے میں ڈالا تو چشمہ بہنے لگا، اس میں پانی بڑھ گیا۔ اس وقت سے آج تک اس میں پانی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

---

[1] السيرة النبوية للصلابي [471/2]

14- ایک صاع کھانا ایک سو تیس لوگوں کو کافی ہو گیا

سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سو تیس آدمی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ نے پوچھا:

«هَلْ مَعَ أَحَدٍ مِنْكُمْ طَعَامٌ؟» ''کیا تمھارے پاس کھانا ہے؟''

ایک شخص نے ایک صاع غلہ وغیرہ نکالا، پھر اسے (پیس کر) گوندھا گیا، اس کے بعد ایک مشرک آیا، جس کے بال بکھرے ہوئے تھے، لمبا قد تھا، وہ بکریاں ہانکتا ہوا (آیا) نبی مکرم ﷺ نے اس سے پوچھا:

«أَبَيْعٌ أَمْ عَطِيَّةٌ، أَوْ قَالَ: أَمْ هِبَةٌ»

''کیا تو (بکری) بیچے گا یا تحفہ دے گا؟ یا فرمایا: تو ہبہ کرے گا''

اس نے کہا بیچوں گا، آپ ﷺ نے اس سے ایک بکری خریدی، اس کا گوشت تیار کیا گیا اور آپ ﷺ نے اس کی کلیجی بھوننے کا حکم دیا۔

« قَالَ: وَايْمُ اللّٰهِ مَا مِنَ الثَّلَاثِيْنَ وَ مِائَةٍ إِلَّا حَزَّ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حُزَّةً حُزَّةً مِنْ سَوَادِ بَطْنِهَا، إِنْ كَانَ شَاهِداً أَعْطَاهُ، وَإِنْ كَانَ غَائِباً خَبَأَ لَهُ. قَالَ: وَجَعَلَ قَصْعَتَيْنِ فَأَكَلْنَا مِنْهُمَا أَجْمَعُوْنَ وَشَبِعْنَا، وَفَضَلَ فِي الْقَصْعَتَيْنِ فَحَمَلْتُهُ عَلَى الْبَعِيْرِ، أَوْ كَمَا قَالَ» [1]

''(راوی فرماتے ہیں) اللہ کی قسم ان ایک سو تیس آدمیوں میں سے

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [3832] مسند أحمد [1711]

کوئی نہ رہا، جس کے لیے کچھ نہ کچھ آپ نے اس کلیجی سے جدا نہ کیا ہو۔ اگر وہ موجود تھا تو اس کو اس کا حصہ دے دیا اور اگر موجود نہ تھا تو اس کا حصہ رکھ دیا اور آپ ﷺ نے دو پیالوں میں گوشت ڈالا، پھر ہم سب نے ان میں سے کھایا اور سیر ہو گئے، اس کے باوجود پیالوں میں کچھ بچ گیا تو اس کو ہم نے اونٹ پر رکھ لیا۔"

تشریح:

« مُشْعَانٌّ » یعنی بہت ہی لمبا۔ امام اصمعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بکھرے ہوئے بالوں سے مراد اس کی پراگندہ حالت ہے۔ تہذیب میں ہے: عرب کہتے تھے، میں نے فلاں کو دیکھا اس کے سر میں گرد وغبار تھا۔

« بَيْعاً » یعنی کیا تو ہمیں بکری فروخت کرے گا؟

اس حدیث میں دلیل ہے کہ مشرک کا تحفہ اور ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ امام خطابی رحمہ اللہ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس چیز کی دلیل ہے کہ اگر مشرک تحفہ دے تو وہ قبول کر لینا چاہیے۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مشرک عیاض بن حمار کا تحفہ یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا:

« إِنَّا لَا نَقْبَلُ زَبَدَ الْمُشْرِكِينَ »

"بے شک ہم مشرکین کے تحفے قبول نہیں کرتے۔"

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ حکم منسوخ ہو گیا ہو، کیونکہ آپ ﷺ نے مشرکوں کے علاوہ دیگر غیر مسلموں کے تحفے قبول کیے ہیں، جیسے مقوقس اور اکیدر دومہ نے آپ ﷺ کو تحفہ دیا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مشرکین اور اہلِ کتاب کے تحائف میں فرق

ہے۔ امام خطابی فرماتے ہیں اس سلسلے میں میری گزارشات مندرجہ ذیل ہیں:

① مذکورہ بالا فرق بیان کرنے کی ضرورت عبدالرحمٰن کے ان الفاظ کی وجہ سے پیش آئی کہ وہ آدمی مشرک تھا اور آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ فروخت کرے گا یا ہدیہ دے گا؟

② اکیدر کا ہدیہ اس حدیث کے راوی سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کا ہے، کیونکہ انھوں نے ہجرت کے ساتویں سال صلح حدیبیہ کے موقع پر اسلام قبول کیا، جب کہ اکیدر کے ہدیے والا واقعہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کا ہے۔ لوگوں نے اکیدر کے ہدیے پر تعجب کیا تو آپ ﷺ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے حق میں کہا تھا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جنت میں سعد کے کپڑے اس سے اچھے ہوں گے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ غزوہ بنو قریظہ کے بعد چار ہجری میں فوت ہوئے تھے۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق پانچ ہجری میں فوت ہوئے تھے۔ بہر حال چار ہجری ہو یا پانچ، یہ واقعہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کا ہے۔

دوسرا واقعہ ابن مندہ کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو چھے ہجری میں شاہِ مقوقس کی طرف بھیجا تھا، اس اعتبار سے مقوقس والا واقعہ بھی سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کا ہے۔

③ یہ دونوں آدمی عام رعایا میں سے نہیں تھے، بلکہ یہ دونوں بادشاہ تھے، اس وجہ سے آپ ﷺ نے تالیفِ قلب کے لیے ان کا تحفہ قبول کیا۔ اگر آپ ﷺ ان کے تحائف قبول نہ کرتے تو یہ بات اسلام کے وسیع تر مفاد کے خلاف تھی۔

④ ہم کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بدلہ دینے کی غرض سے ان دونوں سے تحائف

قبول کیے تھے، یہی وجہ تھی کہ بعد میں آپ ﷺ نے ان کو بدلے میں اس سے زیادہ لوٹایا تھا۔ کتاب الحربی میں کسری کے ہدیے کے بارے میں اس چیز کی وضاحت موجود ہے۔

عیاض بن حمار اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان نبوت سے پہلے کی جان پہچان تھی، جب اس نے آپ ﷺ کو تحفے بھیجے تھے، لیکن آپ ﷺ نے وہ بھی واپس کر دیے، اس لیے کہ یہ لوگ بادشاہ نہیں، بلکہ عام لوگ تھے۔

اس بات کی تائید ان واقعات سے بھی ہوتی ہے، جن کو امام ابو عبید رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الاموال میں ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے مقوقس کا ہدیہ اس لیے قبول کیا تھا، کیونکہ اس نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو عزت دی تھی اور آپ ﷺ کی نبوت کو تسلیم کیا تھا اور اکیدر کا تحفہ اس لیے قبول کیا، کیونکہ جب خالد رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے، اسے اس کے خون کی ضمانت دی اور جزیے پر آمادہ کیا، کیونکہ وہ نصرانی تھا اور اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ اسی طرح ایلیا کے بادشاہ نے آپ ﷺ کو تحفہ بھیجا تو آپ ﷺ نے اسے چادر پہنائی، ان تمام نصوص سے ثابت ہوتا ہے۔ آپ ﷺ جو بھی ہدیہ قبول کرتے تھے، بعد میں اس کا بدلہ بھی دیتے تھے۔

ایک بات اور ذہن نشین کر لو کہ ائمہ اور حکمرانوں کو دیے جانے والے تحائف میں اختلاف ہے کہ وہ کس کی ملکیت ہوں گے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایسے تحائف بیت المال کی ملکیت ہیں، لہٰذا بادشاہ اور حکمرانوں کو اپنے تحائف بیت المال میں جمع کرانے چاہییں۔ یہی قول امام ابو حنیفہ کا ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو تحائف اہلِ جنگ کی طرف سے آئیں، وہ بیت المال کی ملکیت نہیں بن سکتے، البتہ نبی اکرم ﷺ کے تحائف کا

معاملہ صرف آپ کے ساتھ خاص تھا۔ آپ ﷺ کو اہلِ جنگ کی طرف سے ملنے والا مال و دولت، خواہ وہ تحائف کی صورت میں تھا یا مالِ فَے اور غنیمت کی صورت میں اس کے لیے ایک خاص حکم نازل کیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [الحشر: 6]

''اور لیکن اللہ اپنے رسولوں کو مسلط کر دیتا ہے جس پر چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''

﴿ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ [الحشر: 6]

''اور جو (مال) اللہ نے ان سے اپنے رسول پر لوٹایا۔''

یعنی رسول اللہ ﷺ جنگ وغیرہ سے ملنے والے مال و دولت کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ راہنمائی کے مطابق صرف کرتے تھے، لیکن مسلمانوں کی طرف سے ملنے والے تحائف کو آپ ﷺ اپنے پاس ہی رکھتے تھے اور تحفہ دینے والوں کو بدلے میں تحفہ دیا کرتے تھے۔[1]

فوائد:

◈ اس حدیث میں چار معجزات کا ذکر ہے:

① صاع کا بڑھ جانا۔

② کلیجی کے گوشت کا بڑھ جانا۔

③ اتنے بڑے لشکر کے لیے دو پیالے سالن کافی ہونا۔

④ اتنے زیادہ لوگوں نے کھانا کھایا، اس کے باوجود پیالوں میں سالن بچ گیا۔

[1] عمدة القاري شرح صحيح البخاري [130/18]

② کھانے وغیرہ کے معاملے میں تمام لوگوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرنا چاہیے۔
③ اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھانے میں برکت ہوتی ہے۔
④ اپنی بات میں تاکید پیدا کرنے کے لیے قسم اٹھانا، اگر چہ بات سچی ہی کیوں نہ ہو۔

15- خالی برتن کھانے سے بھر گئے

سیدنا ابوہریرہ یا ابوسعید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، اعمش راوی کو شک ہے، کہ غزوہ تبوک کے وقت (ایک دن) لوگوں کو سخت بھوک لگی، انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر آپ ﷺ ہمیں اجازت دیں تو ہم اپنے پانی لانے والے اونٹ ذبح کر لیں اور ہم کھائیں اور چکنائی (تیل) استعمال کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کرلو۔ (راوی فرماتے ہیں) اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر آپ نے ایسا کیا تو سواریاں کم پڑ جائیں گی، البتہ آپ لوگوں کو اپنا اپنا باقی ماندہ زادِ راہ لانے کا حکم دیں، پھر ان کے لیے اس پر برکت کی دعا کریں، شاید اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈال دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ راوی کہتے ہیں:

«فَدَعَا بِنِطَعٍ فَبَسَطَهُ ثُمَّ دَعَا بِفَضْلِ أَزْوَادِهِمْ»

''آپ ﷺ نے چمڑے کا ایک دستر خوان منگوایا تو بچھا دیا اور پھر ان (لوگوں) سے باقی ماندہ زادِ راہ منگوایا۔''

راوی کہتے ہیں: کوئی آدمی مٹھی بھر مکئی لایا اور کوئی مٹھی بھر کھجوریں اور کوئی روٹی کا ٹکڑا لے آیا، یہاں تک کہ اس دستر خوان پر تھوڑا سا کھانا جمع ہو گیا۔ راوی کہتے ہیں:

''فَدَعَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَيْهِ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ قَالَ: « خُذُوا فِي أَوْعِيَتِكُمْ» قَالَ: فَأَخَذُوا فِي أَوْعِيَتِهِمْ حَتَّى مَا تَرَكُوا فِي الْعَسْكَرِ

وِعَاءً إِلَّا مَلَئُوهُ. قَالَ: فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا وَفَضِلَتْ فَضْلَةٌ“ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَ شَاكٍّ فَيُحْجَبَ عَنِ الْجَنَّةِ»[1]

”رسول اللہ ﷺ نے اس پر برکت کی دعا کی اور پھر فرمایا: اپنے اپنے برتنوں میں لے جاؤ، انھوں نے اپنے برتنوں میں اس کو حاصل کرلیا، یہاں تک کہ لشکر میں کوئی برتن نہ چھوڑا مگر اس کو بھرلیا۔ اس کے بعد سب نے کھایا اور سیر ہو گئے، لیکن پھر بھی کچھ کھانا بچ گیا، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں اور جو شخص بغیر کسی شک کے ان دونوں (شہادتوں) کے ساتھ خدا سے ملے گا، وہ جنت سے روکا نہیں جائے گا۔“

تشریح:

غزوہ تبوک رجب نو ہجری میں پیش آیا، اسے غزوہ عسرہ بھی کہا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ غزوہ ان دنوں پیش آیا، جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انتہائی مشکل حالات میں تھے اور اس کی وجہ سے ان کو کافی مشقت اٹھانا پڑی تھی۔

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام نے اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر کس قدر قربانیاں دیں۔ جب کھانا پینا اور زادِ راہ ختم ہو گیا تو بھوک کی وجہ سے اپنی سواریوں تک کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا بات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کوئی چھوٹا

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [148]

آدمی کسی معاملے میں مصلحت اور مفاد عامہ دیکھے تو وہ شرف اور بزرگی کے اعتبار سے اپنے سے بڑے آدمی کو اس کا مشورہ دے سکتا ہے، اس کے بعد اگر واقعی اس میں مصلحت پائی جائے تو امیر، حکمران یا اس بڑے آدمی کو وہی کام کرنا چاہیے، جیسا کہ اس واقعے میں نبی اکرم ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کی فراست کو کافی سمجھا اور لوگوں کو اسی بات کا حکم کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فراست کے ساتھ ساتھ ان کے یقین کا عالم دیکھیے کہ کہتے ہیں:

«ثُمَّ ادْعُ اللّٰهَ لَهُمْ عَلَيْهَا بِالْبَرَكَةِ لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يَّجْعَلَ فِيْ ذٰلِكَ»

"اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ان کا باقی ماندہ زاد راہ جمع کر کے اس میں برکت کی دعا فرمائیں، شاید اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈال دے۔"

«فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْءُ بِكَفِّ ذُرَّةٍ» یعنی جس آدمی کے پاس جو تھا وہ لے آیا، خواہ اس کے پاس مکئی کا ایک چلو تھا۔

اس حدیث میں نبوت کی ایک بہت بڑی نشانی بیان ہوئی ہے۔ یہ اور اس قسم کی تمام نشانیاں جمع کر لیں تو یہ حد تواتر کو پہنچ جاتی ہیں، جس سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے، علما نے ایسی نشانیوں اور معجزات کو جمع کر کے کئی کتابیں تحریر کی ہیں۔[1]

فوائد:

1. اسباب اختیار کرنے کی تربیت کی گئی ہے۔
2. اس تربیت کی گہرائی۔
3. مشورہ لینا اور قبول کرنا چاہیے۔
4. ایک حکم دے کر واپس اور کوئی نیا حکم دینا اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ اس

[1] شرح صحیح مسلم للنووي [224/1]

سے قائد پر کوئی قدغن لگتی ہے۔

5. انتہائی مشکل حالات میں جن لوگوں میں قربانی دینے اور جان کی بازی لگانے کا یہ عالم تھا، ذرا غور کیجیے کہ عام حالات میں ان کا جذبہ کیسا ہوگا؟؟

6. معجزات پر ایمان لانا چاہیے۔

7. برکت کی عظمت اور اس کے لیے دعا کرنا۔

8. مسلمان لشکر کا نظم وضبط اور امیر کی اطاعت کی عملی مثال۔

9. یہ تمام وہ معجزات اور کرامتیں ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے غزوہ تبوک میں ظاہر ہوئی، جو آپ ﷺ کی نبوت، رسالت، شرف، بزرگی اور قدر ومنزلت پر دلالت کرتی ہیں۔

16- دن بھر ایک آدمی کو ایک کھجور کافی ہوتی تھی

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بھیجا اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو ہم پر امیر مقرر کیا، تاکہ ہم قریش کے ایک قافلے کو ملیں (پکڑیں) اور ہمیں ایک تھیلہ کھجوروں کا بطور زادِ راہ دیا، اس کے علاوہ آپ ﷺ کو اور کچھ میسر نہ آیا۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہر روز ہمیں ایک کھجور دیا کرتے تھے۔ راوی فرماتے ہیں: میں نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

« كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ بِهَا؟ قَالَ: نَمُصُّهَا كَمَا يَمُصُّ الصَّبِيُّ، ثُمَّ نَشْرَبُ عَلَيْهَا مِنَ الْمَاءِ فَتَكْفِينَا يَوْمَنَا إِلَى اللَّيْلِ، وَكُنَّا نَضْرِبُ بِعِصِيِّنَا الْخَبَطَ، ثُمَّ نَبُلُّهُ بِالْمَاءِ فَنَأْكُلُهُ »

''تم ایک کھجور کے ساتھ کیسے گزارہ کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم اس (کھجور) کو اس طرح چوستے تھے، جس طرح بچہ چوستا ہے، پھر اس پر ہم پانی پی لیتے تھے، وہ ہمیں دن اور رات کے لیے کافی ہو جاتی تھی اور ہم اپنی لاٹھیوں سے پتے جھاڑتے، پھر ان کو پانی میں تر کرتے اور کھاتے تھے۔''

(سیدنا جابر رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: اس کے بعد ہم سمندر کے ایک کنارے پر گئے، وہاں ہمارے لیے ایک لمبی اور موٹی چیز نمودار ہوئی، ہم اس کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ ایک جانور ہے، جسے عنبر کہتے ہیں: ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ ایک مردار ہے، پھر کہا: نہیں، بلکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے ہیں اور اللہ کے

راستے میں نکلے ہیں اور تم لوگ مجبوری کی حالت میں بھی ہو، لہٰذا تم اسے کھا لو۔ (جابر رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: ہم وہاں ایک مہینے تک رہے اور ہم تین سو آدمی تھے (اس کا گوشت کھاتے رہے) یہاں تک کہ ہم موٹے ہو گئے (جابر رضی اللہ عنہ نے) کہا: تم دیکھو ہم اس کے آنکھ کے حلقے میں سے چربی کے گھڑے بھرتے تھے اور اس میں بیل کے برابر گوشت کے ٹکڑے کاٹتے تھے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ہم میں سے تیرہ آدمیوں کو لیا اور اس کی آنکھ کے حلقے میں ان کو بٹھا دیا اور اس کی پسلیوں مین سے ایک پسلی اٹھا کر کھڑی کی اور پھر جو ہمارے ساتھ اونٹ تھے، ان میں سب سے بڑے اونٹ پر پالان باندھا گیا، وہ اس کے نیچے سے نکل گیا اور ہم نے اس کے گوشت سے وشائق بنا لیے (وشائق یعنی گوشت ابال کر سفر کے لیے محفوظ کر لینا) پھر جب ہم مدینے پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ہم نے یہ قصہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« هُوَ رِزْقٌ أَخْرَجَهُ اللّٰهُ لَكُمْ، فَهَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَحْمِهِ شَيْءٌ فَتُطْعِمُوْنَا؟ قَالَ: فَأَرْسَلْنَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْهُ فَأَكَلَهُ »[1]

''وہ رزق تھا جو تمھارے لیے اللہ نے نکالا تھا، اب تمھارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ ہے؟ تو ہمیں بھی کھلاؤ، (جابر رضی اللہ عنہ نے) کہا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کا گوشت بھیجا تو آپ ﷺ نے اسے کھایا۔''

تشریح:

بہتر یہ ہے کہ جب چند لوگ لشکر کی صورت میں سفر وغیرہ پر نکلیں تو وہ اپنے میں کسی سمجھ دار اور پڑھے لکھے آدمی کو امیر مقرر کر لیں، جو سب کی راہنمائی

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [3576]

کرے اور وہ سب اس کی اطاعت کریں، اگرچہ قافلہ بہت تھوڑے افراد پر ہی مشتمل کیوں نہ ہو۔ یہ ایک مستحب عمل ہے۔

عیر سے کیا مراد ہے: اس سے مراد وہ اونٹ ہے جس پر کھانے پینے کا سامان لادھا جاتا ہو۔ اس حدیث سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ حالت جنگ میں دشمن کو روکنا، اس کا مال لوٹنا یا اس کے مال کی تلاش میں نکلنا جائز ہے۔

« وَزَوَّدَنَا جِرَابًا مِنْ تَمْرٍ لَمْ يَجِدْ لَنَا غَيْرَهُ، فَكَانَ أَبُو عُبَيْدَةَ يُعْطِينَا تَمْرَةً تَمْرَةً نَمُصُّهَا كَمَا يَمُصُّ الصَّبِيُّ ثُمَّ نَشْرَبُ عَلَيْهَا مِنَ الْمَاءِ فَتَكْفِينَا يَوْمَنَا إِلَى اللَّيْلِ »

حدیث کے اس جملے میں صحابہ کرام کے زہد کا بیان ہے کہ وہ دنیاوی مال و دولت کو زیادہ پسند نہیں کرتے تھے۔ بھوک پر صبر کرنا اور سادہ زندگی گزارنا ان کا شیوہ تھا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس ساری صورت حال کے باوجود وہ میدان جنگ سے پیچھے نہ ہٹے۔

ایک روایت کے الفاظ ہیں:

« وَنَحْنُ نَحْمِلُ أَزْوَادَنَا عَلَى رِقَابِنَا »

''اور ہم اپنا زادِراہ اپنی گردنوں پر اٹھاتے تھے۔''

اسی طرح ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

« فَفَنِيَ زَادُهُمْ، فَجَمَعَ أَبُوعُبَيْدَةَ زَادَهُم فِي مِزْوَدٍ، فَكَانَ يُقَوِّتُنَا حَتَّىٰ كَانَ يُصِيبُنَا كُلَّ يَوْمٍ تَمْرَةً »

''ان (لشکر والوں) کا زادِراہ ختم ہو گیا تو سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان سب کا باقی ماندہ زادِراہ ایک تھیلے میں جمع کیا، چنانچہ اس سے ہر روز ان کو ایک ایک کھجور ملتی تھی۔''

صحیح مسلم ہی کی ایک اور روایت میں ہے:

« كَانَ يُعْطِينَا قُبْضَةً قُبْضَةً، ثُمَّ أَعْطَانَا تَمْرَةً تَمْرَةً »

''وہ ہمیں ایک ایک مٹھی دیتے تھے، پھر ہمیں ایک ایک کھجور دینے لگے۔''

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان تمام روایات میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ لشکر روانہ کرتے وقت ایک تھیلے میں کچھ زادِ راہ دیتے تھے، جو ان سب کے اپنے اپنے ذاتی زاد راہ سے الگ ہوتا تھا اور یہ ضرورت کے وقت کام آ جاتا تھا، جیسا کہ اوپر روایت بھی گزری ہے کہ ہمارا زادِ راہ ہماری گردنوں پر ہوتا تھا۔ قاضی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے توشہ دان میں اس توشے کے علاوہ اور کھجوریں نہ ہوں اور ان کے پاس اپنا اپنا ذاتی جو زادِ راہ تھا، وہ اس سے مختلف ہو، البتہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا ان کو ہر روز ایک ایک کھجور دینا، یہ اس وقت تھا جب باقی ماندہ سارا زاد راہ ختم ہو گیا اور صرف کھجوریں باقی بچ گئیں اور ابھی ان کا سفر کافی رہتا تھا، جیسا کہ اوپر روایت گزری ہے کہ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ہمیں پہلے ایک ایک مٹھی دیتے تھے، بعد میں ایک ایک کھجور دینے لگے، البتہ پہلی روایت صرف اس چیز کی خبر دے رہی ہے جو بعد میں پیش آئی، یعنی روزانہ ایک ایک کھجور والی۔ اگر ان روایات کو جمع کریں تو ترتیب اس طرح بنتی ہے کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ پہلے ایک ایک مٹھی دیتے تھے، جب زاد راہ کم ہو گیا تو ایک ایک کھجور دینا شروع کر دی، جب کھجوریں بھی ختم ہو گئیں تو انھوں نے پتے کھانے شروع کر دیے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عنبر عطا فرمائی۔

« فَجَمَعَ أَبُو عُبَيْدَةَ زَادَهُم فِي مِزْوَدٍ فَكَانَ يَقُوتُنَا »

یعنی ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے سب لوگوں کی رضامندی سے ان کا زاد راہ ایک جگہ پر جمع کیا، تا کہ اس میں برکت آ جائے، جیسا کہ نبی مکرم ﷺ نے بھی بے شمار

مواقع پر ایسا کیا تھا، شاید اسی وجہ سے ہمارے حکما کا خیال ہے کہ مسافروں کو اپنا زادِ راہ ایک جگہ پر جمع کر لینا چاہیے، تاکہ اس میں برکت شامل ہو جائے۔''

حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی نعمت کے طور پر ان کو ایک بڑی اور لمبی مچھلی نما چیز سمندر کے کنارے پر نظر آئی تو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تو مردہ ہے، یعنی یہ ہمارے لیے حلال نہیں ہے، پھر فرمایا: نہیں تم اسے کھا سکتے ہو، کیونکہ ہم حالتِ سفر میں ہیں اور اللہ کے راستے میں نکلے ہوئے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ اضطراری حالت میں بھی ہیں، لہٰذا اسے کھانے میں کوئی حرج نہیں، چنانچہ قافلے کے لوگ اسے مہینہ بھر کھاتے رہے، یہاں تک کہ جب واپس آئے تو اس وقت بھی ان کے پاس اس کا گوشت موجود تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس سارے واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تمھارے پاس اس کا کچھ گوشت بچا ہوا ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ کو اس کا گوشت بھیجا اور آپ ﷺ نے وہ کھایا۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پہلے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے اسے مردار قرار دیا اور کھانے سے منع کر دیا، کیونکہ مردار حرام ہے اور حرام چیز کھانا ممنوع ہے، لیکن پھر فوراً ہی انھوں نے اپنا اجتہاد بدل لیا اور کہا کہ اگرچہ یہ مردار ہے، اس کے باوجود تمھارے لیے حلال ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اضطراری حالت میں مردار بھی حلال کر رکھا ہے، لہٰذا تم اسے کھا سکتے ہو، البتہ نبی کریم ﷺ نے مندرجہ ذیل دو وجوہات کی بنا پر اسے کھایا:

1. تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں شک نہ رہے کہ یہ پاک تھا یا ناپاک، یعنی ان کو یقین کامل دلانا مقصود تھا۔
2. رسول اللہ ﷺ نے اسے بابرکت چیز سمجھتے ہوئے کھایا، کیونکہ یہ خاص طور

پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے نازل ہوا تھا اور خلافِ معمول یہ ممکن ہوا تھا۔[1]

فوائد:

① امام، خلیفہ اور حکمران کو چاہیے کہ وہ خوراک کے معاملے میں لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کرے۔

② صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مضبوط ایمان کہ اتنی مشقت کے باوجود ان کے حوصلے پست نہیں ہوئے، جب وہ روانہ ہوئے تھے اس وقت ان کی تعداد تین سو تھی، لیکن زاد راہ کھجوروں کے سوا کچھ نہ تھا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس میں مندرجہ ذیل تین احتمال ہیں:

- رسول اللہ ﷺ کا دیا ہوا زادراہ ان کے اپنے زادراہ کے علاوہ تھا۔
- رسول اللہ ﷺ کے دیے ہوئے تھیلے میں کھجوریں تھیں، جب کہ ان کے اپنے زادراہ میں کھجوریں نہ تھیں۔
- رسول اللہ ﷺ نے یہ تھیلا محض برکت کے لیے ان کو دیا تھا، اسی لیے وہ اس سے ایک ایک کھجور لیتے تھے۔

③ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بیان، اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان کو "امین الأمة" کا لقب دیا۔

④ امیر اور حکمران کو اپنی رعایا کی دیکھ بال کرنی چاہیے اور ان کی مشکلات کا کوئی حل نکالنا چاہیے۔

⑤ ان صحابہ کرام کی فضیلت جنھوں نے اس سفر میں مشقت برداشت کی اور مشکل کے باوجود اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی آواز پر لبیک کہا۔

⑥ تقدیر پر راضی ہونا اور امیر کی اطاعت کرنا۔

⑦ سفر وغیرہ میں سارے قافلے کا زادِراہ ایک جگہ پر جمع کرنا جائز ہے۔

---

[1] شرح النووي [84/13]

17- اسّی (80) آدمیوں کو تھوڑے سے آٹے کی روٹیاں کافی ہو گئیں

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز سنی تو مجھے اس میں کمزوری لگی، میرے خیال میں آپ ﷺ بھوکے ہیں۔ کیا تمھارے پاس کچھ کھانا ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، چنانچہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے چند روٹیاں نکالیں۔ پھر اپنی چادر لی اور اس میں روٹیوں کو لپیٹ کر میرے ہاتھ میں چھپا دیا اور اس چادر کا دوسرا کنارہ میرے بدن پر باندھ دیا، اس کے بعد مجھے رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا۔ جب میں آپ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ مسجد میں تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ لوگ بھی تھے، میں ان کے پاس کھڑا ہو گیا تو آپ ﷺ مجھ سے مخاطب ہوئے:

«أَرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ؟» فَقُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «بِطَعَامٍ؟» فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لِمَنْ مَعَهُ: قُومُوا»

”کیا تمھیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا: کھانا دے کر؟ میں نے عرض کی: ہاں، رسول اللہ ﷺ نے وہاں موجود تمام صحابہ کرام سے کہا: چلو اٹھو۔“

آپ ﷺ چل پڑے اور میں آپ ﷺ کے آگے آگے چلنے لگا، میں

نے پہنچ کر ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو خبر دی، ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے ام سلیم! رسول اللہ ﷺ تو بہت زیادہ لوگوں کے ساتھ آ رہے ہیں اور ہمارے پاس اتنا کھانا نہیں کہ ہم ان سب کو کھلا سکیں۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ گئے اور رسول اللہ ﷺ سے ملے۔ اب ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ گھر آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام سلیم! تمھارے پاس جو کچھ ہے یہاں لاؤ۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے وہی روٹی لا کر سامنے رکھ دی، پھر آپ ﷺ کے حکم سے روٹیوں کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے، ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان پر کپی سے گھی نچوڑ دیا، اس طرح سے روٹی کو سالن کے ساتھ ملا دیا گیا۔

« ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّقُوْلَ، ثُمَّ قَالَ: « ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ » فَأَذِنَ لَهُمْ، فَأَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا، ثُمَّ خَرَجُوْا، ثُمَّ قَالَ: « ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ » فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا، ثُمَّ خَرَجُوْا، ثُمَّ قَالَ: « ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ » فَأَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوْا وَالْقَوْمُ سَبْعُوْنَ أَوْ ثَمَانُوْنَ رَجُلًا »[1]

”اس کے بعد آپ ﷺ نے اس پر دعا کی جو بھی اللہ نے چاہا، پھر فرمایا: دس آدمیوں کو بلا لو، انھوں نے ایسا ہی کیا، ان سب (دس) نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا، جب یہ لوگ باہر گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: دس اور کو بلا لو، انھوں نے بلا لیا، انھوں نے بھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا، جب وہ چلے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: دس اور کو بلا لو، انھوں نے بلا لیا، انھوں نے بھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا، جب وہ چلے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: دس اور کو بلا لو، اس طرح سے سب لوگوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا، ان لوگوں کی تعداد ستر یا اسّی تھی۔“

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3313] صحيح مسلم، رقم الحديث [3801]

تشریح:

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا مکمل نام زید بن سہل انصاری ہے۔ یہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے خاوند تھے۔

«لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ضَعِيفاً أَعْرِفُ فِيهِ الْجُوعَ»

یعنی انھوں نے کچھ قرائن کی بنا پر یہ بات کہی تھی۔ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی آواز میں وہ بلندی، جوش اور سلاست نہ سنی، جو عام طور پر بولتے وقت رسول اللہ ﷺ کی آواز میں ہوا کرتی تھی تو اس بنا پر انھوں نے سمجھا کہ آپ ﷺ بھوکے ہیں۔

اس حدیث میں علامہ ابن حبان رحمہ اللہ کی اس بات کا رد ہے کہ آپ ﷺ کبھی بھوکے نہیں رہے، انھوں نے یہ بات اس حدیث سے دلیل لیتے ہوئے کہی ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي»

''میں رات گزارتا ہوں اور میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔''

جب کہ اس حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اکثر اوقات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسا ہی ہوا کرتا تھا، لیکن کبھی کبھار آپ ﷺ بھوکے بھی رہتے تھے، تاکہ آپ ﷺ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کے غم میں برابر کے شریک ہوں اور یہ حقیقت ہے کہ جو شخص جتنی زیادہ مشقت اٹھاتا ہے، اس کا اجر بھی اتنا ہی بڑھ جاتا ہے۔

صحیح مسلم ہی کی ایک اور روایت میں ہے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، میں نے آپ ﷺ کو اپنے صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھے ہوئے پایا، آپ ان سے باتیں کر رہے تھے اور آپ ﷺ نے اپنے

پیٹ پر پتھر باندھا ہوا تھا، میں نے صحابہ کرام سے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ آپ ﷺ نے بھوک کی وجہ سے پتھر باندھا ہوا ہے، چنانچہ میں سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو یہ بات بتائی تو اس وقت انھوں نے سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا گھر میں کوئی کھانے پینے والی چیز ہے؟

«فَأَخْرَجَتْ أَقْرَاصًا» أَقْرَاص ''قرص'' کی جمع ہے، جس کے معنی ''روٹی'' کے ہیں۔

«خِمَار» یعنی سر کو ڈھانپنے والا ڈوپٹا۔

«ثُمَّ دَسَّتْهُ» یعنی ان روٹیوں کو اس ڈوپٹے میں چھپا کر زوردار گرہ لگا دی۔

«فِي يَدِي» یعنی میری ہتھیلی میں تھما دیا۔

«فَذَهَبْتُ بِهِ» یہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں روٹیاں لے کر نبی مکرم ﷺ کے پاس گیا۔

«فِي الْمَسْجِدِ» یعنی وہ جگہ جہاں آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوہ احزاب کے وقت نماز کے لیے جمع تھے۔

«قُومُوا» حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا مدعا سمجھ گئے تھے کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر بلا رہے ہیں، اسی لیے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ آؤ چلیں، اس اعتبار سے پہلے کلام کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور ام سلیم رضی اللہ عنہا نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو روٹیاں دے کر اس نیت سے بھیجا تھا کہ وہ یہ نبی مکرم ﷺ کو دے دیں، تاکہ آپ ﷺ کھا لیں، لیکن جب انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس پہنچے اور دیکھا کہ وہاں تو بے شمار لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، تو ان کو اکیلے نبی کریم ﷺ کو روٹیاں ...تے ہوئے شرم محسوس ہوئی، چنانچہ انھوں نے ارادہ کیا کہ اکیلے نبی اکرم ﷺ

کو بلائیں اور اپنے ساتھ گھر لے جائیں اور وہاں آپ ﷺ کو کھانا کھلا دیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے انس رضی اللہ عنہ کو بھیجتے وقت یہ حکم دیا ہو کہ اگر وہاں زیادہ لوگ ہوئے تو نبی مکرم ﷺ کو گھر لے آنا، کیونکہ کھانا اتنا نہیں ہے جو زیادہ لوگوں کو کافی ہو جائے، لیکن نبی کریم ﷺ کا ایثار دیکھیے کہ آپ ﷺ نے اکیلے کھانا مناسب نہ سمجھا۔

« فَانْطَلَقُوْا» یعنی وہ اسّی آدمی چل پڑے۔

« فَأَخْبَرْتُهُ» یعنی میں نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو ان سب لوگوں کے آنے کی خبر دی۔

« وَلَيْسَ عِنْدَنَا مَا نُطْعِمُهُمْ» یعنی ہمارے پاس اتنی مقدار میں کھانا موجود نہ تھا جو سب لوگوں کو کفایت کرتا۔

« قَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ» یعنی اس میں کیا مصلحت ہے؟ اور رسول اللہ ﷺ نے سب لوگوں کو آنے کا حکم کیوں دیا وغیرہ، ان تمام باتوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، ہمیں فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا جان چکی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عمداً یہ کام کیا ہے، تاکہ کھانا زیادہ ہونے کی کرامت رونما ہو۔ یہ بات ام سلیم رضی اللہ عنہا کی ذہانت پر دلالت کرتی ہے۔

ایک روایت کے الفاظ ہیں: ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ کو اس لیے بھیجا تھا کہ وہ صرف آپ ﷺ کو بلا لائیں، کیونکہ ہمارے پاس زیادہ کھانا نہ تھا۔

نبی مکرم ﷺ نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو کر کہا: اے ام سلیم رضی اللہ عنہا!

جو کھانا موجود ہے وہ لاؤ، امید ہے اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈال دیں گے، چنانچہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے روٹیوں کے ٹکڑے پیش کیے۔

«وَ عَصَرَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ بِعُكَّةٍ» یعنی وہ برتن جس میں عام طور پر وہ لوگ گھی یا شہد ڈالا کرتے تھے، اس کو نچوڑا یعنی صاف کیا اور اس میں سے گھی نکالا۔

«فَادَمَتْهُ» یعنی ڈبے سے جو گھی نکلا، وہ روٹیوں کے ٹکڑوں کے ساتھ سالن کا کام دینے لگا۔

مبارک بن فضالہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا:

«هَلْ مِنْ سَمَنٍ» کیا گھی ہے؟

تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ڈبے میں گھی ہے، پھر وہ اسے لے آئے اور نچوڑنے لگے، یہاں تک کہ اس سے کچھ گھی نکل آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنی انگلیوں پر لگایا اور پھر روٹیوں پر لگایا، اس کے بعد ان کو پھونک ماری اور بسم اللہ پڑھی، آپ ﷺ مسلسل یہ کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ ڈبے سے گھی بہنے لگا۔ سعد بن سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر ہاتھ پھیرا اور اس میں برکت کی دعا فرمائی۔ نضر بن انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں ڈبا لے کر آیا، آپ ﷺ نے اس کا ڈھکن کھولا، پھر فرمایا:

«بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ أَعْظِمْ فِيهَا بِالْبَرَكَةِ»

''اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ اس میں بہت زیادہ برکت ڈال دے۔''

مندرجہ بالا حدیث میں آپ ﷺ کے اسی جملے کو ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے وہ کہا جو اللہ کو منظور تھا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے دس دس آدمیوں کو اندر بلانے کا حکم دیا۔

آپ ﷺ نے دس دس کو بلانے اور کھانا کھلانے کا حکم وہاں موجود کھانے کے برتن اور جگہ وغیرہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دیا، کیونکہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں زیادہ برتن تھے اور نہ بیٹھنے کے لیے زیادہ جگہ۔

ایک روایت کے الفاظ یہ بھی ہیں کہ آٹھ آٹھ آدمیوں کو اندر داخل کرو (اور کھانا کھلاؤ)، چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے رہے، حتی کہ اسّی آدمی گھر میں داخل ہوئے (انس رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: اس کے بعد آپ ﷺ نے میرے لیے، میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے لیے، اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی، پھر ہم نے بھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آٹھ والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ ایک سے زائد بار پیش آیا، کیونکہ اکثر روایات میں دس دس کا ذکر ہے، جب کہ صرف اس ایک روایت میں آٹھ کا ذکر ہے۔

صحیح مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ سب نے کھانا کھایا، اس کے باوجود اتنا کھانا بچ گیا کہ انھوں نے باقی ماندہ اپنے ہمسائیوں کو بھیجا۔ دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

«ثُمَّ أَخَذَ مَا بَقِيَ فَجَمَعَهُ ثُمَّ دَعَا فِيهِ بِالْبَرَكَةِ فَعَادَ كَمَا كَانَ» [1]

"پھر جو کھانا بچا آپ ﷺ نے اس کو اکٹھا کیا اور اس میں برکت کی دعا کی تو وہ اتنا ہی ہو گیا جتنا پہلے تھا۔"

فوائد:

1. انبیا علیہم السلام پر آزمایش آنا، حتی کہ بھوک کے ساتھ بھی ان کو امتحان میں ڈالا گیا، تاکہ ان میں صبر کا ملکہ پیدا ہو، ان کے اجر میں اضافہ ہو اور ان کے

[1] تحفة الأحوذي [75/10]

درجات بلند ہوں۔

❷ انبیا علیہم السلام اپنی ضرورت کو ظاہر نہ کرتے تھے۔

❸ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی فکر ہوا کرتی تھی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا زیادہ خیال رکھا کرتے تھے۔

❹ ہدیہ بھیجنا مستحب عمل ہے، اگرچہ وہ تھوڑا سا ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ تھوڑا ہونا بہرحال نہ ہونے سے بہتر ہے۔

❺ عالمِ دین کا اپنے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا ان کو فائدہ دیتا ہے اور خاص طور پر مسجدوں میں ایسی مجلس لگانا مستحب عمل ہے۔

❻ میزبان اگر مہمان کا استقبال کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلتا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔

❼ ام سلیم رضی اللہ عنہا کی عقل، فہم اور قدر و منزلت کا بیان، جب انھوں نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو کہا کہ گھبرایئے مت، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملے کو ہم سے بہتر جانتے ہیں، یعنی وہ اس چیز سے آگاہ تھیں کہ ضرور کوئی نہ کوئی معجزہ رونما ہوگا۔

❽ ثرید نما کھانا تیار کرنا مستحب ہے۔

❾ اہلِ خانہ کا مہمانوں کو کھانا کھلانے کے بعد خود کھانا مستحب عمل ہے۔

❿ یہ معجزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم الشان معجزات میں سے ایک ہے۔

18- جو کھانا بہ ظاہر دس آدمیوں کو بھی کافی نہ تھا، اسے تین ہزار لوگوں نے کھایا

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب (مدینے کے اردگرد) خندق کھودی گئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو بھوکا دیکھا، چنانچہ میں اپنی بیوی کے پاس آیا، میں نے اس سے پوچھا: کیا تیرے پاس (کھانے کی) کوئی چیز ہے؟ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ ﷺ شدید بھوکے ہیں۔ (جابر رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں: اس نے ایک تھیلہ نکالا، جس میں ایک صاع جَو تھے، ہمارے پاس ایک بکری کا بچہ تھا، میں نے اسے ذبح کیا، میری بیوی نے جَو کا آٹا پیسا، وہ بھی میرے ساتھ ہی فارغ ہوئی، پھر میں نے اس کا گوشت بنایا اور (پکنے کے لیے) ہانڈی میں ڈالا۔ اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میری بیوی مجھے کہنے لگی: مجھے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کے سامنے رسوا نہ کرنا (کھانا تھوڑا ہے، لہٰذا زیادہ آدمیوں کو نہ بلا لانا)

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں آپ ﷺ کے پاس پہنچا، میں نے چپکے سے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا ہے اور میری بیوی نے ایک صاع آٹے کا تیار کیا ہے، جو ہمارے پاس تھا۔ آپ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر تشریف لائیے (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ نے بلند آواز سے پکارا اور فرمایا:

« يَا أَهْلَ الْخَنْدَقِ! إِنَّ جَابِراً قَدْ صَنَعَ لَكُمْ سُوْراً فَحَيَّ هَلًا بِكُمْ » وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: « لَا تُنْزِلَنَّ بُرْمَتَكُمْ، وَلَا تَخْبِزُنَّ عَجِيْنَتَكُمْ حَتَّى أَجِيْءَ »

''خندق والو! جابر رضی اللہ عنہ نے تمھاری دعوت کی ہے، سب چلو، اور آپ ﷺ نے (مجھے) فرمایا: اپنی ہانڈی کو (چولہے سے) مت اتارنا اور روٹی نہ پکانا، یہاں تک کہ میں آجاؤں۔''

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں (گھر) آیا اور رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے آئے، لوگ بھی آرہے تھے، میں اپنی بیوی کے پاس آیا (اسے بتایا) وہ بولی: تو ہی، تو ہی (ذلیل ہوگا) میں نے کہا: میں نے تو وہی کیا تھا، جو تو نے کہا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنا آٹا حاضر کیا۔

« فَبَصَقَ فِيْهَا وَبَارَكَ، ثُمَّ عَمَدَ إِلَى بُرْمَتِنَا فَبَصَقَ فِيْهَا وَبَارَكَ، ثُمَّ قَالَ: « أُدْعِي خَابِزَةً فَلْتَخْبِزْ مَعَكِ، وَاقْدَحِي مِنْ بُرْمَتِكُمْ وَلَا تُنْزِلُوْهَا » وَهُمْ أَلْفٌ، فَأُقْسِمُ بِاللّٰهِ لَأَكَلُوْا حَتَّى تَرَكُوْهُ وَانْحَرَفُوْا، وَإِنَّ بُرْمَتَنَا لَتَغِطُّ كَمَا هِيَ، وَإِنَّ عَجِيْنَتَنَا۔ أَوْ كَمَا قَالَ الضَّحَّاكُ۔ لَتُخْبَزُ كَمَا هُوَ »[1]

''آپ ﷺ نے اس میں اپنا لعاب ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی، پھر آپ ﷺ ہماری ہنڈیا کی طرف گئے، اس میں بھی لعاب ڈالا اور برکت کی دعا کی اور فرمایا: ایک روٹیاں پکانے والی اور بلا لے جو تیرے ساتھ مل کر روٹیاں پکائے اور ہانڈی (چولہے سے) مت اتارنا، بلکہ اوپر ہی سے سالن ڈالتی جانا۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وہ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3800] صحيح مسلم، رقم الحديث [3793]

(صحابہ کرام) ایک ہزار تھے اور میں قسم کھاتا ہوں کہ سب نے کھایا اور واپس چلے گئے، لیکن ہماری ہانڈی اسی طرح ابل رہی تھی اور ہمارا آٹا بھی اسی طرح تھا، یعنی روٹیاں بن رہی تھیں۔"

تشریح:

اس حدیث میں بھی اسی طرح کا ایک معجزہ بیان ہوا ہے، جس طرح کے بے شمار معجزات کا تذکرہ سابقہ احادیث میں گزر چکا ہے، یعنی تھوڑے سے کھانے کا اتنا زیادہ ہو جانا کہ ایک بڑی جماعت اس سے مستفید ہو جاتی تھی، لیکن اس حدیث میں خاص چیز یہ بیان ہوئی ہے کہ دس آدمیوں کا کھانا تین ہزار لوگوں نے کھایا اور اس کے باوجود وہ بچ گیا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جابر رضی اللہ عنہ کی اس کھانے کے ذکر والی حدیث میں بے شمار فوائد اور قواعد بیان ہوئے ہیں، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک واضح دلیل اور پھر یہ ایک دلیل دیگر بے شمار دلائل اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے، یعنی کھانے کا بڑھ جانا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ کھانا چند آدمیوں کے لیے ہے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چلنے کا کہا۔

فوائد:

① اس طرح کی روایات اتنی زیادہ ہیں کہ متواتر کے درجے تک پہنچ جاتی ہیں۔
② لوگوں کی موجودگی میں چپکے سے کسی سے کوئی ضروری بات کرنا جائز ہے۔
③ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کی محبت، وفاداری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر گیری۔

19- سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد کا قرض نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے مکمل ادا ہو گیا

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے والد احد کی لڑائی میں شہید ہو گئے تھے، انھوں نے اپنے پیچھے چھ بیٹیاں چھوڑی تھیں اور قرض بھی چھوڑ گئے تھے۔ جب کھجور کا پھل اتارنے کا وقت آیا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو علم ہے کہ میرے والد احد کی لڑائی میں شہید ہو چکے ہیں اور بہت زیادہ قرض چھوڑ گئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ قرض خواہ آپ کو دیکھ لیں (تو کچھ رعایت کر دیں):

« فَقَالَ: اذْهَبْ فَبَيْدِرْ كُلَّ تَمْرٍ عَلَى نَاحِيَةٍ » فَفَعَلْتُ ثُمَّ دَعَوْتُهُ، فَلَمَّا نَظَرُوا إِلَيْهِ كَأَنَّهُمْ أُغْرُوا بِي تِلْكَ السَّاعَةَ، فَلَمَّا رَأَى مَا يَصْنَعُونَ أَطَافَ حَوْلَ أَعْظَمِهَا بَيْدَرًا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ جَلَسَ عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: « ادْعُ لَكَ أَصْحَابَكَ » فَمَا زَالَ يَكِيلُ لَهُمْ حَتَّى أَدَّى اللّٰهُ عَنْ وَالِدِي أَمَانَتَهُ، وَأَنَا أَرْضَى أَنْ يُؤَدِّيَ اللّٰهُ أَمَانَةَ وَالِدِي، وَلَا أَرْجِعَ إِلَى أَخَوَاتِي بِتَمْرَةٍ، فَسَلَّمَ اللّٰهُ الْبَيَادِرَ كُلَّهَا، وَحَتَّى إِنِّي أَنْظُرُ إِلَى الْبَيْدَرِ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ كَأَنَّهَا لَمْ تَنْقُصْ تَمْرَةٌ وَّاحِدَةٌ »[1]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4053] سنن النسائي، رقم الحديث [6463]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جاؤ اور کھیتوں میں ہر قسم کی کھجور الگ الگ کر دو، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور پھر رسول اللہ ﷺ کو بلایا، جب انھوں (قرض خواہوں) نے آپ ﷺ کو دیکھا تو اور سختی سے اپنا مطالبہ کیا، جب رسول اللہ ﷺ نے ان کا رویہ دیکھا تو آپ ﷺ نے کھجور کے سب سے بڑے ڈھیر کے اردگرد تین چکر لگائے، پھر وہیں بیٹھ گئے اور فرمایا: اپنے قرض خواہوں کو بلاؤ، آپ ﷺ مسلسل ناپ ناپ کر دیتے رہے، اللہ تعالیٰ نے میرے والد کی تمام امانت (قرض) ادا کر دی۔ اللہ کی قسم میں اسی پر راضی تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے والد کا قرض دور کر دے، اگرچہ میں اپنی بہنوں کے لیے ایک کھجور بھی گھر نہ لے جاؤں، لیکن اللہ کی قسم ڈھیر بچ گئے اور میں نے دیکھا کہ جس ڈھیر پر رسول اللہ ﷺ بیٹھے تھے، وہ ایسے لگ رہا تھا، جیسے اس سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی۔''

تشریح:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ اس حالت میں فوت ہوئے کہ وہ مقروض تھے۔ دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

« إِنَّ أَبَاهُ تُوُفِّيَ وَتَرَكَ عَلَيْهِ ثَلَاثِينَ وَسْقاً لِرَجُلٍ مِنَ الْيَهُودِ، فَاسْتَنْظَرَهُ جَابِرٌ، فَأَبَى أَنْ يُنْظِرَهُ، فَكَلَّمَ جَابِرٌ رَسُولَ اللّٰهِ لِيَشْفَعَ لَهُ، فَكَلَّمَ الْيَهُودِيَّ لِيَأْخُذَ ثَمَرَ نَخْلَةٍ بِالَّذِي لَهُ فَأَبَى »

''جابر رضی اللہ عنہ کے والد فوت ہوئے اور وہ تیس وسق قرض چھوڑ گئے تھے، جو انھوں نے ایک یہودی آدمی سے لیے تھے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے اس سے مہلت مانگی، لیکن اس نے مہلت دینے سے انکار کر دیا۔ جابر رضی اللہ عنہ

نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی، تاکہ آپ ﷺ سفارش کر دیں، چنانچہ آپ ﷺ نے یہودی سے سفارش کی کہ وہ اپنے قرض کے بدلے اس کے درخت کا پھل لے لے، لیکن اس نے انکار کر دیا۔"

ایک روایت کے الفاظ ہیں:

« إِنَّ أَبَاهُ قُتِلَ يَوْمَ أُحُدٍ شَهِيدًا وَ عَلَيْهِ دَيْنٌ، فَاشْتَدَّ الْغُرَمَاءُ فِي حُقُوقِهِمْ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ فَكَلَّمْتُهُ، فَسَأَلَهُمْ أَنْ يَقْبَلُوا تَمْرَ حَائِطِي وَيُحَلِّلُوا أَبِي فَأَبَوْا »

"جابر رضی اللہ عنہ کے والد اُحد کی لڑائی میں شہید ہوگئے اور وہ مقروض تھے۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب قرض خواہوں نے سختی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا تو میں نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے بات کی، آپ ﷺ نے ان (قرض خواہوں) کو پیش کش کی کہ وہ میرے باغ کی کھجوریں لے لیں اور میرے والد کو قرض سے آزاد کر دیں، لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔"

مسند احمد کی روایت کے الفاظ ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میرے والد کھجوروں کا قرض چھوڑ گئے تھے اور بعض قرض خواہوں نے سختی کے ساتھ اپنے قرض کا تقاضا کیا۔ میں نبی مکرم ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے (یہ بات) ذکر کی، میں نے عرض کی: میں چاہتا ہوں کہ آپ اس معاملے میں میری مدد کریں اور وہ مجھے آیندہ فصل تیار ہونے تک مہلت دے دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، ان شاء اللہ۔ تھوڑی دیر بعد دوپہر کے وقت میں آؤں گا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے مکمل حدیث بیان فرمائی اور فرمایا کہ جب آپ ﷺ

تشریف لائے تو آپ ﷺ نے کہا کہ فلاں قرض مانگنے والے کو بلاؤ، جب وہ آدمی آیا تو آپ ﷺ نے اس کو کہا کہ جابر کو اس کے والد کے قرض کے معاملے میں آیندہ فصل تیار ہونے تک مہلت دے دو، اس نے کہا کہ میں مہلت نہیں دے سکتا اور اس نے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ وہ یتیموں کا مال ہے۔''

جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کو اس غرض سے ساتھ لے جانا چاہتے یا آپ ﷺ کی سفارش چاہتے تھے، تا کہ قرض لینے والے لوگ ان سے نرم رویہ رکھیں، سختی نہ کریں اور کچھ مہلت دے دیں یا تھوڑے پر اکتفا کر لیں، چنانچہ نبی مکرم ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ کا پورا پورا ساتھ دیا اور ہر طرح سے ان کی مدد فرمائی اور حکم دیا کہ تم جا کر کھجوروں کی تمام اقسام کو الگ الگ ڈھیروں کی شکل میں رکھ دو، عجوہ الگ ایک جگہ پر جمع کر دو اور عذق زید دوسری جگہ پر جمع کر دو۔

عذق زید کھجور کی ایک قسم ہے، جو کسی آدمی کی طرف منسوب تھی۔ عام طور پر یہ سب سے پہلے کاشت کی جاتی تھی اور عجوہ مدینے کی بہترین کھجوروں میں شمار ہوتی تھی۔

جابر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق کام کیا، اس کے بعد نبی مکرم ﷺ تشریف لائے اور آ کر سب سے بڑے ڈھیر پر براجمان ہو گئے۔

دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ باغ میں داخل ہوئے اور جابر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

((جُدَّ فَأَوْفِ الَّذِي لَهُ))

''باغ کا پھل توڑ و اور اس (یہودی) کا قرض ادا کرو۔''

چکا تھا، اس کے باوجود اتنا ہی پھل بچ گیا تھا۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ میری کھجوریں اس طرح بچ رہیں گویا ان میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوا۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے الفاظ ہیں، جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے اس یہودی کو تیس وسق کھجور قرض ادا کر بھی دیا، اس کے باوجود سترہ وسق بچ گئے تھے۔''

اگر اس چیز کا اندازہ لگایا جائے کہ جابر رضی اللہ عنہ کے والد نے کتنے لوگوں کا قرض دینا تھا تو مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ قرض ایک یہودی کا تھا، جو تقریباً تیس وسق تھا اور جابر رضی اللہ عنہ نے جس ڈھیر سے یہ ادا کیا، اس پر سترہ وسق باقی رہ گئے تھے۔ اسی طرح روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس یہودی کے علاوہ بھی کچھ لوگوں کا قرض انھوں نے دینا تھا، جیسا کہ نبیح العنزی کی روایت میں ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«فَكِلْتُ لَهُ مِنَ الْعَجْوَةِ فَأَوْفَاهُ اللّٰهُ وَفَضَلَ لَنَا مِنَ التَّمْرِ كَذَا وَكَذَا»

''میں نے اس (قرض خواہ) کو عجوہ کھجور ماپ کر دی تو اللہ تعالیٰ نے اسے پورا کر دیا اور ہمارے پاس اتنی اتنی کھجور بچ گئی۔''

اسی طرح دوسرے قرض خواہ کو بھی دوسری قسم کی کھجور ماپ کر دی تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھی پورا کر دیا اور ہمارے پاس اتنی اتنی کھجور بچ گئی۔

البتہ وہ روایت جس میں ہے کہ نبی مکرم ﷺ کو دیکھ کر قرض خواہوں نے اپنے مطالبے میں سختی پیدا کر دی، اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے کھجوروں کے سب سے بڑے ڈھیر کے ارد گرد تین چکر لگائے اور بیٹھ گئے، پھر قرض

نے ادا کر دی اور وہ ڈھیر بھی اسی طرح سلامت رہا۔ جب کہ اس سے پہلے میں اتنی سی بات پر راضی تھا کہ میرے والد کا سارا قرض ادا ہو جائے، اگرچہ میں اپنی بہنوں کے لیے ایک کھجور بھی گھر نہ لے جاؤں اور سترہ وسق بچ جانے والی روایت، ان دونوں میں بہ ظاہر اختلاف نظر آتا ہے، لہٰذا دونوں روایات میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ ساری کھجور آپ ﷺ کی موجودگی میں ماپ لی گئی تھی اور اس وقت کھجوریں بالکل کم نہ ہوئی تھیں، البتہ آپ ﷺ کے جانے کے بعد کچھ کھجوریں کم ہوئی تھیں یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب ڈھیروں سے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں قرض خواہوں کو قرض دیا گیا، وہ بالکل کم نہ ہوئے اور اپنی اصلی حالت میں باقی رہے اور جن ڈھیروں سے آپ ﷺ کے جانے کے بعد دیا گیا وہ نہ مکمل طور پر ختم ہوئے اور نہ باقی رہے، بلکہ آپ ﷺ کی برکت کے آثار کی وجہ سے وہ کچھ کم ہو گئے، جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے کہ ایک ڈھیر سے تیس وسق دے دیے گئے، اس کے باوجود اس پر سترہ وسق بچ گئے، نیچ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ کو کہا: اس (قرض خواہ) کو ماپ کر دو، عنقریب اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دے گا۔

اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ (وہاں) سورج ڈھل چکا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر! نماز کا وقت ہو گیا ہے (جابر فرماتے ہیں) پھر وہ مسجد کی طرف چلے گئے، میں نے اپنے قرض خواہ سے کہا کہ اپنا تھیلا لاؤ۔

اسی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر میں آگ کی چنگاری کی طرح دوڑتا ہوا اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نماز پڑھ چکے تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: عمر بن خطاب کہاں

ہیں؟ وہ دوڑتے ہوئے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: جابر رضی اللہ عنہ سے اس کی کھجوروں اور اس کے قرض خواہوں کے متعلق پوچھو، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نہیں پوچھوں گا، اس لیے کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ اسے پورا کرے گا تو میں جان چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور اسے پورا کر دے گا۔[1]

فوائد:

① مقروض کو مزید مہلت دینا جائز ہے۔

② مقروض کسی خاص مجبوری اور مصلحت کی وجہ سے قرض ادا کرنے میں مزید تاخیر کر سکتا ہے۔

③ امام، حکمران اور خلیفہ وغیرہ کو اپنی رعایا کی ضروریات کا خیال رکھنا چاہیے اور ہر ممکن ان کی مدد کرنی چاہیے۔

④ نبوت کی واضح نشانی کہ جو غلہ پہلے تھوڑی مقدار میں تھا، نبی اکرم ﷺ کے آنے کی برکت سے وہ اتنا بڑھ گیا کہ مکمل قرض ادا کرنے کے بعد بھی بچ گیا۔

---

[1] فتح الباري [593/6]

20- غزوہ ذات الرقاع سے واپسی پر اللہ عزوجل کا نبی مکرم ﷺ کو قتل سے بچانا

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف جہاد کی غرض سے گئے، ہم نے آپ ﷺ کو ایک وادی میں پایا، جہاں کانٹے دار درخت بہت تھے۔ آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے اترے اور اپنی تلوار ایک شاخ کے ساتھ لٹکا دی اور لوگ وادی میں درختوں کے سایے میں ادھر ادھر پھیل گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ رَجُلًا أَتَانِي وَأَنَا نَائِمٌ، فَأَخَذَ السَّيْفَ فَاسْتَيْقَظْتُ وَهُوَ قَائِمٌ عَلٰى رَأْسِي، فَلَمْ أَشْعُرْ إِلَّا وَالسَّيْفُ صَلْتاً فِي يَدِهِ، فَقَالَ لِيْ: مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ؟ قَالَ: قُلْتُ: اَللّٰهُ، ثُمَّ قَالَ فِي الثَّانِيَةِ: مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ؟ قَالَ: قُلْتُ: اللّٰهُ، قَالَ: فَشَامَ السَّيْفَ، فَهَا هُوَ ذَا جَالِسٌ، ثُمَّ لَمْ يَعْرِضْ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ» [1]

”جب میں سو رہا تھا تو ایک آدمی میرے پاس آیا، اس نے تلوار پکڑ لی، میں بیدار ہوا تو وہ میرے سر پر کھڑا تھا اور مجھے اس وقت خبر ہوئی جب ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں آ چکی تھی، وہ مجھ سے مخاطب ہوا کہ تمھیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ میں نے جواب دیا: اللہ۔ اس نے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4231] صحيح مسلم، رقم الحديث [2694]

دوسری بار پھر یہی سوال کیا، میں نے کہا: اللہ۔ اس نے تلوار نیام میں کر لی اور اس کے بعد وہ بیٹھ گیا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس میں کوئی دلچسپی نہ لی۔''

تشریح:

اللہ تعالیٰ کا اپنے انبیا و رسل کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھنا، ان کی نبوت کی واضح دلیل ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیا کو دشمنوں کے ناپاک عزائم سے بچا کر رکھتے تھے اور ہر مشکل وقت میں ان کی مدد کرتے تھے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ غزوہ ذات الرقاع سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پیش آیا۔ ایک گھنے درختوں والی وادی میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ٹھہرے، تمام لوگ درختوں کے سایے میں آرام کرنے لگے، رسول اللہ ﷺ بھی ایک درخت کی شاخ پر اپنی تلوار لٹکا کر اسی کے نیچے آرام فرمانے لگے۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم لوگ سو گئے، اچانک ہمیں آواز سنائی دی کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں بلا رہے ہیں، جب ہم آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو وہاں ایک دیہاتی آدمی بیٹھا ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب میں سو رہا تھا تو اس آدمی نے میری تلوار شاخ سے اتاری اور جب میں بیدار ہوا تو اس نے مجھ پر تلوار سونتی ہوئی تھی اور مجھے کہنے لگا کہ اب تمھیں مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے اسے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے تم سے بچائے گا۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وہ آدمی وہاں بیٹھا ہوا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس سے کوئی بدلہ نہ لیا یعنی معاف کر دیا، اس اعرابی کا نام غورث بن الحارث تھا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے وعدہ لیا تھا کہ آپ اسے قتل نہیں کریں گے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی اسے قتل کریں گے، چنانچہ

آپ ﷺ نے اس کا راستہ چھوڑ دیا اور جانے دیا۔ وہ آدمی اپنی قوم کے پاس گیا اور ان سے کہنے لگا کہ میں لوگوں میں سے ایک بہترین آدمی کے پاس سے آیا ہوں۔

اس واقعہ میں نبی اکرم ﷺ کی شجاعت، بہادری، طاقت، توکل الی اللہ، اور تکلیف پر صبر وغیرہ کی عمدہ مثال موجود ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جاہل لوگوں کے ساتھ کتنے تحمل سے پیش آتے تھے۔ اسی طرح اس واقعہ سے یہ جواز بھی ملتا ہے کہ جنگی لشکر کسی ایسی جگہ پر ٹھہر سکتا ہے اور لوگ آرام کی غرض سے علاحدہ علاحدہ ہو سکتے ہیں، جہاں پر کوئی خطرہ نہ ہو۔

یہ واقعہ صحیح اور ثابت شدہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے کس طرح اپنے پیغمبر کو دشمنوں سے بچایا اور آپ ﷺ کی حفاظت کی۔ اسے سن لینے کے بعد خرقِ عادت امور اور معجزات پر انسان کا یقین بڑھ جاتا ہے، کیونکہ جب آپ ﷺ سو رہے تھے اور وہ مشرک آپ ﷺ پر تلوار سونتے کھڑا تھا تو بہ ظاہر آپ ﷺ کو قتل کرنا اس کے لیے مشکل نہ تھا اور نہ کوئی رکاوٹ نظر آ رہی تھی، گویا اس مشرک کے پاس آپ ﷺ کو ختم کرنے کا ایک سنہری موقع تھا، لیکن اس کے باوجود تلوار اچانک اس کے ہاتھ سے گر گئی اور وہ آپ ﷺ کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

آخر کیا وجہ تھی کہ وہ آدمی آپ ﷺ کو قتل کرنے سے باز رہا؟ آخر کیوں اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد تھی، آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا خاص احسان تھا اور اپنے نبی کریم ﷺ کی حفاظت کے لیے خاص اقدامات تھے کہ اس مشرک کا دل رعب اور ڈر سے بھر گیا، جس کی وجہ سے وہ قتل کرنے سے باز رہا، اسی لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [المائدة: 67]

''اے رسول! پہنچا دے جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اگر تو نے نہ کیا تو تو نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔ بے شک اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی مکرم ﷺ کو لوگوں سے بچانے کے حوالے سے اس آیت سے مقصود یہ نہیں کہ آپ ﷺ کو لوگوں کی طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ بندوں پر آزمائش آتی رہتی ہیں، البتہ اس آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص دھوکے کے ساتھ آپ ﷺ کو نقصان پہنچا سکے گا اور نہ قتل کر سکے گا۔[1]

فوائد:

① امام، حکمران اور خلیفہ آرام کی غرض سے لوگوں سے الگ کسی سایے وغیرہ میں جا کر ٹھہر سکتا ہے، لیکن حالات خطرناک ہوں تو اسے اپنے ساتھ حفاظتی دستہ رکھنا چاہیے، کیونکہ حفاظت کی ضمانت صرف رسول اللہ ﷺ کے لیے تھی۔

② قیلولے کے وقت اور رات کے وقت جب امام آرام کرے تو لوگوں پر اس کی حفاظت کرنا واجب ہے اور اس کے ساتھ کسی بھی طرح کے ناخوشگوار واقع سے نمٹنے کے لیے تیار رہنا ضروری ہے۔

③ مسافر جب حالتِ امن میں ہو اور اس کو کوئی خطرہ وغیرہ نہ ہو تو وہ سو سکتا

[1] السيرة النبوية للصلابي [275/3]

ہے، اسی طرح مجاہد بھی حالتِ امن میں اپنا اسلحہ وغیرہ اتار کر آرام کر سکتا ہے۔

④ کسی ناخوشگوار واقعہ سے نمٹنے کے لیے اگر امام لوگوں کو بلائے تو لوگوں کو اس کی بات سننی چاہیے۔

⑤ امام کو عفو اور درگزر سے کام لینا چاہیے۔

⑥ رسول اللہ ﷺ کا صبر و تحمل اور جاہل لوگوں کے ساتھ پیش آنے کا بہترین انداز۔

21- نبی مکرم ﷺ کی دعا کی برکت سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کوئی چیز بھولتی نہ تھی

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے، حالانکہ میں نے بھی اللہ سے ملنا ہے (مجھے بھی موت آنی ہے) وہ کہتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار اس طرح کیوں احادیث بیان نہیں کرتے؟

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) اصل میں میرے مہاجر بھائی بازاروں میں خرید وفروخت میں مشغول رہا کرتے تھے اور میرے انصار بھائیوں کو ان کے مالوں کے معاملات مشغول رکھا کرتے تھے اور میں ایک مسکین آدمی تھا، میں پیٹ بھر لینے کے بعد مسلسل رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر رہتا تھا۔ جب یہ سب لوگ حاضر نہ ہوتے تھے، میں اس وقت بھی آپ ﷺ کے پاس ہوتا تھا اور جن احادیث کو یہ یاد نہ رکھتے تھے، میں ان کو بھی یاد رکھتا تھا۔ ایک دن نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَنْ يَبْسُطَ أَحَدٌ مِنْكُمْ ثَوْبَهُ حَتَّى أَقْضِيَ مَقَالَتِي هَذِهِ، ثُمَّ يَجْمَعَهُ إِلَى صَدْرِهِ فَيَنْسَى مِنْ مَقَالَتِي شَيْئًا أَبَدًا»

”تم میں سے جو شخص اپنے کپڑے کو میری اس تقریر کے ختم ہونے تک پھیلائے رکھے، پھر اسے اپنے سینے سے لگا لے تو میری احادیث کو کبھی نہیں بھولے گا۔“

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں نے اپنی چادر کو پھیلا لیا، حالانکہ میرے بدن پر اس کے سوا کوئی کپڑا نہ تھا، جب نبی مکرم ﷺ نے اپنی تقریر ختم فرمائی تو میں نے اس چادر کو اپنے سینے سے لگا لیا، اس ذات کی قسم! جس نے آپ ﷺ کو سچا نبی بنا کر مبعوث کیا ہے، میں آج تک آپ ﷺ کی اس تقریر کی وجہ سے کوئی حدیث نہیں بھولا اور اللہ کی قسم! اگر قرآن مجید کی یہ دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کبھی تم سے کوئی حدیث بیان نہ کرتا (وہ دو آیتیں یہ ہیں)

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾ [البقرة: 159-160]

”بے شک جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جو ہم نے واضح دلیلوں اور ہدایت میں سے اتارا ہے، اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے، ایسے لوگ ہیں کہ ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور کھول کر بیان کر دیا تو یہ لوگ ہیں جن کی میں توبہ قبول کرتا ہوں اور میں ہی بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہوں۔“[1]

تشریح:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا گیا کہ وہ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہیں، اس حدیث میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کا سبب بیان کرتے ہیں، جس سے

(1) صحيح البخاري، رقم الحديث [2179]

معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکثر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ حصولِ علم کی خاطر وہ کام کاج میں بہت تھوڑا وقت لگاتے تھے اور دنیا کے تھوڑے سے ساز و سامان پر ہی اکتفا کرتے اور زیادہ وقت بارگاہ نبوی میں حاضری دیا کرتے تھے، اسی وجہ سے انھوں نے وہ کچھ سیکھا اور حاصل کیا، جو دیگر مہاجر و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ حاصل کر سکے، کیونکہ وہ سب اپنے کاروبار، تجارت اور کھیتی باڑی وغیرہ میں زیادہ وقت دیا کرتے تھے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نسبت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہت تھوڑا وقت گزارتے تھے۔

« كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفَقُ فِي الْأَسْوَاقِ » امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب وہ لوگ سودا کرتے تھے تو ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے تھے، جس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ سودا مکمل ہو گیا ہے اور لوگ بھی سمجھ جاتے تھے کہ یہ بیع مکمل ہو گئی ہے۔ مہاجرین یہی کام یعنی تجارت کرتے تھے اور انصار کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے۔ یہ دونوں کام میں مصروف رہنے کی وجہ سے بہت کم رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تھے، جس کی وجہ سے زیادہ احادیث نہ سن پاتے تھے۔ یہ صرف اسی وعظ و نصیحت سے مستفید ہوتے تھے، جو مخصوص اوقات میں رسول اللہ ﷺ سب صحابہ کرام کو کیا کرتے تھے، جب کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہر وقت اور ہر جگہ پر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر رہتے تھے۔ آپ ﷺ جو بھی بات بیان فرماتے، یہ اسے سن لیتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان پر اللہ تعالیٰ کا مزید احسان یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت ان کو پہنچ چکی تھی، ان کا حافظہ بہت مضبوط تھا، دیگر کام کاج کم ہونے کی وجہ سے یہ حصولِ علم پر زیادہ توجہ دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نسیانِ علم سے محفوظ رکھا تھا، اسی وجہ سے ان کے زیادہ احادیث بیان کرنے پر لوگوں کو تعجب ہوتا ہے۔

«وَقَالَ النَّبِيُّ: لَنْ يَبْسُطَ أَحَدٌ مِنكُم ثَوْبَهُ حَتَّى أَقْضِيَ مَقَالَتِي هٰذِهِ»

اس جملے میں دو چیزیں بیان ہوئی ہیں:

① نبی اکرم ﷺ کا عظیم الشان معجزہ اور آپ ﷺ کی دعا کی برکت۔

② ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت یعنی جب انھوں نے وہ چادر اپنے سینے سے لگائی تو اس کے بعد ان کو کوئی چیز نہ بھولتی تھی۔

یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ جب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سب لوگوں سے زیادہ علم حاصل کرنے والے تھے تو یقیناً وہی سب سے افضل بھی ہوں گے، کیونکہ فضیلت علم اور عمل ہی سے ثابت ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ زیادہ علم حاصل کرنے والا بڑا عالم ہوتا ہے اور نہ یہ لازمی ہے کہ زیادہ مشغول ہونا زہد کے منافی ہوتا ہے، بلکہ فضیلت کا دار و مدار تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب پر ہے اور اجر و ثواب صرف حصولِ علم پر ہی منحصر نہیں، بلکہ فضیلت والی اور بھی بہت سی اشیا ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات بہت مستحسن ہے کہ ضروری نہیں کہ فضیلت والا ایک کام دیگر تمام فضائل والی چیزوں پر برتری لے جائے۔

فوائد:

① علم حاصل کرنے کا شوق اور مال سے زیادہ حصولِ علم کی تمنا۔

② ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کہ جب سے انھوں نے وہ چادر سینے سے لگائی، تب سے ان کو رسول اللہ ﷺ کی کوئی بات نہ بھولی۔

③ روافض اور خوارج کی اس بات کا رد کہ نبی کریم ﷺ کے احکام اور سنتیں تواتر سے نقل ہوں تو پھر ہی قابل عمل ہوتی ہیں۔

④ رسول اللہ ﷺ کے ایک واضح معجزے کا بیان۔

22- نبی مکرم ﷺ کی دعا کے سبب سعد رضی اللہ عنہ کی ہر دعا قبول ہونے لگی

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

« إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ إِذَا دَعَاكَ » فَكَانَ لَا يَدْعُو إِلَّا اسْتُجِيبَ لَهُ.[1]

''بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! جب سعد تجھ سے دعا مانگے تو تو اسے قبول فرما''، چنانچہ وہ جب بھی دعا کرتے تو ان کی دعا قبول کی جاتی تھی۔''

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے اسی سے متعلق ایک روایت میں ہے کہ کوفہ والوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں شکایت کی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے ان کی جگہ پر عمار رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا، پھر انھوں نے سعد رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ نماز اچھی نہیں پڑھاتے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف پیغام بھیجا اور کہا کہ ابو اسحاق! یہ لوگ (کوفہ والے) خیال کرتے ہیں کہ تم ان کو نماز اچھی نہیں پڑھاتے۔ ابو اسحاق نے کہا: اللہ کی قسم میں ان کو اللہ کے رسول ﷺ والی نماز ہی پڑھاتا ہوں، میں اس میں کوتاہی نہیں کرتا، عشا کی نماز پڑھاتا ہوں تو پہلی دو رکعتیں لمبی کرتا ہوں اور دوسری دو رکعتیں ہلکی رکھتا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث [2950]

ابو اسحاق! مجھے تم سے یہی امید تھی، پھر آپ نے سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک یا کئی آدمیوں کو کوفہ بھیجا، اس (قاصد) نے کوفہ والوں سے سعد رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا، ہر مسجد میں جا کر پوچھا، سب نے سعد رضی اللہ عنہ کی تعریف کی، لیکن جب بنو عبس کی مسجد میں گئے تو ایک شخص جس کا نام اسامہ بن قتادہ اور کنیت ابو سعدہ تھی، وہ کھڑا ہوا، اس نے کہا: اگر آپ نے قسم دے کر سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا ہے تو سنو کہ سعد نہ فوج کے ساتھ خود جہاد کرتے تھے، نہ مالِ غنیمت کی تقسیم صحیح کرتے تھے اور نہ عدل و انصاف سے فیصلے کرتے تھے۔ (یہ سن کر) سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں تین دعائیں کرتا ہوں، اے اللہ! اگر یہ تیرا بندہ جھوٹا ہے اور صرف ریا کاری اور دکھلاوے کے لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر لمبی کر دے، اسے محتاج بنا دے اور اسے فتنوں میں مبتلا کر دے، اس کے بعد جب اس شخص سے پوچھا جاتا تو کہتا کہ ایک بوڑھا اور پریشان حال ہوں، مجھے سعد رضی اللہ عنہ کی بد دعا لگ گئی ہے، عبدالمالک (راوی) نے بیان کیا کہ میں نے اسے دیکھا، اس کی بھنویں بڑھاپے کی وجہ سے آنکھوں پر آ گئی تھیں، لیکن اب بھی وہ راستوں پر لڑکیوں کو چھیڑتا تھا۔[1]

تشریح:

سعد رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات شخص تھے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کرامت سے نوازا تھا کہ ان کی ہر دعا قبول ہوتی تھی۔ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ والوں پر امیر مقرر کیا، کیونکہ جب مسلمانوں نے عراق فتح کیا تو بے شمار شہر آباد کیے۔ انھی میں سے بصرہ اور کوفہ بھی تھے اور یہ دونوں عراق کے مشہور شہر تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس علاقے میں بے شمار امرا مقرر کیے، اس سلسلے کی ایک کڑی سعد بن ابی وقاص بھی تھے۔ کوفہ والوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے سعد رضی اللہ عنہ کی شکایت کی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [713] صحيح ابن حبان، رقم الحديث [1859]

کہ وہ نماز اچھی نہیں پڑھاتے، حالانکہ وہ جلیل القدر صحابی تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت دی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور کہا: کوفہ والوں نے آپ کے بارے میں یہ شکایت کی ہے کہ تم ان کو نماز اچھی نہیں پڑھاتے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں ان کو اسی طرح نماز پڑھاتا تھا، جس طرح اللہ کے رسول ﷺ نماز پڑھایا کرتے تھے، پھر انھوں نے نمازِ عشا کا ذکر کیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شکایت نماز عشا کے بارے میں تھی، تو سعد رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ میں عشا کی پہلی دو رکعتیں لمبی پڑھاتا ہوں اور دوسری دو رکعتیں ہلکی پڑھاتا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے سعد رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر حسن ظن کا اظہار کیا اور کہا کہ مجھے تم سے یہی امید تھی، یعنی واقعی تم ان کو اسی طرح نماز پڑھاتے تھے، جس طرح نبی کریم ﷺ نماز پڑھایا کرتے تھے، لیکن عمر رضی اللہ عنہ کے منصب کا تقاضا تھا کہ وہ حسن ظن کے ساتھ ساتھ اس بات کی تسلی بخش تصدیق بھی کرتے، چنانچہ انھوں نے تصدیق کے لیے چند آدمیوں کو کوفہ کی طرف روانہ کیا، یہ لوگ کوفہ میں سعد رضی اللہ عنہ کے اخلاق، کردار اور سیرت کے بارے میں تحقیق کرتے رہے۔ انھوں نے وہاں کے مختلف لوگوں سے سعد رضی اللہ عنہ کی سیرت کے بارے میں سوال کیے، حتی کہ جس مسجد میں بھی گئے اور جس آدمی سے بھی سوال کیا، ہر ایک نے سعد رضی اللہ عنہ کی تعریف کی اور ان کے بارے میں نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ جب یہ لوگ بنو عبس کی مسجد میں پہنچے اور وہاں لوگوں سے سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا تو ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا کہ اگر تم ہمیں قسم دے کر پوچھتے ہو تو پھر ہم بھی تم کو حقیقت بتاتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ عدل و انصاف نہیں کرتے تھے۔ یہ جنگوں میں خود پیچھے رہتے تھے۔ مالِ غنیمت کی تقسیم میں انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھتے تھے، یعنی

اس آدمی نے سعد رضی اللہ عنہ پر تین طرح کے الزامات داغ دیے، جواب میں سعد رضی اللہ عنہ نے بھی اس آدمی کے لیے تین طرح کی بددعا کی۔ سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أَمَا وَاللّٰهِ لَأَدْعُوَنَّ بِثَلَاثٍ، اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ عَبْدُكَ هٰذَا كَاذِباً قَامَ رِيَاءً وَّسُمْعَةً فَأَطِلْ عُمْرَهُ، وَأَطِلْ فَقْرَهُ، وَعَرِّضْهُ بِالْفِتَنِ"

"اللہ کی قسم! میں تین بددعائیں کروں گا: ① اللہ تعالیٰ اسے لمبی عمر عطا کرے ② اس پر تنگی اور فقر مسلط کر دے ③ اسے فتنوں میں مبتلا کر دے۔"

اللہ تعالیٰ نے سعد رضی اللہ عنہ کی پکار سن لی اور اس آدمی کے حق میں آپ کی تینوں بددعائیں قبول فرما لیں، چنانچہ اس آدمی نے اتنی لمبی عمر پائی کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی پلکوں کے بال آنکھوں پر گر رہے تھے، اسی طرح وہ فقر و تنگدستی اور فتنوں میں مبتلا ہو گیا اور فتنے بھی اس طرح کے کہ اتنا بوڑھا ہونے کے باوجود وہ راستے پر سے گزرنے والی نوجوان لڑکیوں کو چھیڑا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ میں ایک بوڑھا اور بدحال شخص ہوں، میری یہ حالت سعد رضی اللہ عنہ کی بددعا کی وجہ سے ہوئی ہے۔

یہ سارا واقعہ سعد رضی اللہ عنہ کی کرامت پر مشتمل ہے۔

فوائد:

① جو شخص لوگوں کے معاملات کا نگران یا ذمے دار بنے تو ضروری نہیں کہ سارے لوگ اس کی عزت کرنے والے ہوں، بلکہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جو اسے نقصان پہنچانے والے، اس کے کام اور ذمے داری سے ناخوش اور اس پر اعتراض کرنے والے ہوں، لہٰذا اس آدمی کو اس صورتِ حال سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

۲ کسی ظالم کو اس کے ظلم کے مطابق بد دعا دینا جائز ہے، جیسے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کو بد دعا دی۔

۳ اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا قبول فرماتے ہیں، اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے حکم دیا تھا کہ ان کے اموال کی زکات لینا اور ساتھ نصیحت فرمائی تھی:

« إِيَّاكَ وَ كَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ، وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ »

''ان کے پسندیدہ اموال سے بچنا اور مظلوم کی بد دعا سے بھی بچنا، کیوں کہ مظلوم کی بد دعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔''

مظلوم اگرچہ کافر ہی کیوں نہ ہو، اس کی بد دعا بھی اللہ تعالیٰ قبول کر لیتے ہیں۔

۴ انسان کے لیے دعا میں استثنائی صورت باقی رکھنا جائز ہے، جیسے یہ کہنا کہ اے اللہ! اگر یہ شخص میرے اوپر ظلم کرے تو تو اسے آزمائش میں ڈال دینا۔ اے اللہ! اگر یہ میرے ساتھ ایسے ایسے کرے تو تو بھی اس کے ساتھ ایسے ایسے ہی کرنا۔

۵ عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی رعایا کی فکر اور اپنی ذمے داری کا احساس، انھوں نے اپنی ذمے داری کا احساس کرتے ہوئے سعد رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی تصدیق کروائی، یہی وجہ تھی کہ ان کی عدالت، عمدہ سیاست، لوگوں کے معاملات کی خبر گیری، دینی دنیاوی اور جنگی معاملات وغیرہ کا خیال رکھنا شہرت پا چکا تھا، حقیقت میں وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد کامیاب ترین خلیفہ رہے۔

۶ حکمران کو جب کوئی شکایت موصول ہو تو وہ خاموش نہ رہے، بلکہ اس کی چھان بین اور تحقیق کرے۔ اپنے امرا اور گورنرز وغیرہ کی شکایت ملے اور

فتنے کے ڈر سے وہ انھیں معزول کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ وہ قصور وار ثابت نہ بھی ہوں، جیسے عمر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی ثبوت اور جرم ثابت ہونے کے سعد رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ پر نئے آدمی کو ذمے دار مقرر کر دیا، تا کہ کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو۔

7 اگر کسی آدمی کے فخر اور خود پسندی میں واقع ہونے کا خدشہ نہ ہو تو اس کے سامنے اس کی تعریف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

23- انس رضی اللہ عنہ کے مال اور اولاد کو نبی مکرم ﷺ کی دعا کی برکت نے چار چاند لگا دیے

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے، انھوں نے آپ ﷺ کو کھجور اور گھی پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَعِيدُوا سَمْنَكُمْ فِي سِقَائِهِ وَتَمْرَكُمْ فِي وِعَائِهِ فَإِنِّي صَائِمٌ»

''یہ گھی اس کے برتن میں رکھ دو اور یہ کھجوریں بھی اس کی ٹوکری میں واپس رکھ دو، کیونکہ میں روزے سے ہوں۔''

پھر آپ ﷺ نے گھر کے ایک کنارے میں کھڑے ہو کر نفلی نماز ادا کی اور ام سلیم رضی اللہ عنہا اور ان کے گھر والوں کے لیے دعا فرمائی۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرا ایک لاڈلا سا بچہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کہاں ہے؟ انھوں نے جواب دیا: وہ آپ ﷺ کا خادم انس رضی اللہ عنہ ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے دنیا اور آخرت کی کوئی خیر و بھلائی نہیں چھوڑی، جس کی میرے لیے دعا نہ کی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

« اَللّٰهُمَّ ارْزُقْهُ مَالًا وَوَلَدًا وَبَارِكْ لَهُ فِيهِ » فَإِنِّي لَمِنْ أَكْثَرِ الْأَنْصَارِ مَالًا، وَحَدَّثَتْنِي ابْنَتِي أُمَيْنَةُ أَنَّهُ دُفِنَ لِصُلْبِي مَقْدَمَ حَجَّاجِ الْبَصْرَةِ بِضْعٌ وَعِشْرُونَ وَمِائَةٌ.[1]

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [1846] صحیح مسلم، رقم الحدیث [4531]

"اے اللہ اسے مال اور اولاد عطا فرما اور اس کے لیے اس میں برکت عطا فرما۔ (انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں انصار میں سب سے زیادہ مالدار ہوں اور مجھے میری بیٹی امینہ نے بیان کیا ہے کہ حجاج کے بصرہ آنے تک میری صلبی اولاد میں سے تقریباً ایک سو بیس (افراد) دفن ہو چکے تھے۔"

تشریح:

اس حدیث میں بیان ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر گئے تو انھوں نے مہمان نوازی کی غرض سے آپ ﷺ کو کھجوریں اور گھی پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں روزے کی حالت میں ہوں، لہٰذا یہ چیزیں واپس لے جاؤ۔

« فَصَلَّى غَيْرَ الْمَكْتُوبَةِ » یعنی آپ ﷺ نے وہاں نفلی نماز ادا کی۔

مسند احمد کی روایت میں ہے، انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ » آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی۔

یہ واقعہ اس واقعے کے علاوہ ہے، جس میں آپ ﷺ نے چٹائی پر نماز ادا کی تھی۔ آپ ﷺ کے پیچھے انس رضی اللہ عنہ اور ان کے پیچھے ام سلیم رضی اللہ عنہا کھڑی ہوئی تھیں۔

صحیح مسلم کی روایت میں ہے، انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو رکعت نفلی نماز ادا کی، آپ ﷺ نے مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کیا اور ام حرام رضی اللہ عنہا اور ام سلیم رضی اللہ عنہا کو ہمارے پیچھے کھڑا کیا۔

دو وجوہات کی بنا پر ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ قصے ہیں:

① پہلے واقعہ میں ام حرام رضی اللہ عنہا کا ذکر نہیں ہے۔
② پہلے واقعہ کے مطابق آپ ﷺ نے کچھ نہیں کھایا تھا، جب کہ دوسرے واقعہ میں آپ ﷺ کے کھانے کا ذکر ہے۔

« خُوَيْصَّةٌ » دوسری روایت کے الفاظ ہیں « خُوَيْصَّتُكَ أَنَسٌ » یعنی آپ کا خادم انس، یہ لفظ تصغیر کے ساتھ اس لیے آیا ہے، کیونکہ اس وقت انس رضی اللہ عنہ چھوٹی عمر میں تھے، اسی طرح اس لفظ کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ میں اپنے بیٹے انس کو آپ ﷺ کی خدمت کے لیے خاص کرتی ہوں، لہٰذا آپ ﷺ اس کے لیے بھی خیر و برکت کی دعا فرمائیں۔

« فَمَا تَرَكَ خَيْرَ آخِرَةٍ...... » یعنی آپ ﷺ نے دنیا اور آخرت کی کوئی ایسی بھلائی نہ چھوڑی جس کی میرے لیے دعا نہ مانگی ہو۔

« اَللّٰهُمَّ ارْزُقْهُ مَالًا وَوَلَدًا وَبَارِكْ لَهٗ » جو اس موقع پر آپ نے انس رضی اللہ عنہ کے لیے فرمائی تھی، اگر کوئی شخص یہ سوال اٹھائے کہ مال اور اولاد تو دنیا کی بھلائیاں ہیں، اس دعا میں آخرت کی بھلائیوں کا تذکرہ کہاں پر ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں راوی نے اختصار سے کام لیا ہے، ورنہ دوسری روایت کے الفاظ ہیں۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

« اَللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ، وَأَطِلْ عُمَرَهٗ وَاغْفِرْ ذَنْبَهٗ »

”اے اللہ! اس کو (انس رضی اللہ عنہ) کثرت کے ساتھ مال اور اولاد عطا فرما اور اس کی عمر لمبی فرما اور اس کے گناہوں کو معاف فرما۔“

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« فَدَعَا لِيْ بِثَلَاثِ دَعْوَاتٍ، قَدْ رَأَيْتُ مِنْهَا اثْنَتَيْنِ فِي الدُّنْيَا

وَأَنَا أَرْجُوْ الثَّالِثَةَ فِي الْآخِرَةِ»

”رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے تین دعائیں فرمائیں، میں نے دیکھا کہ ان میں سے دو دعائیں اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں پوری کر دیں اور مجھے امید ہے کہ تیسری آخرت میں پوری ہو جائے گی۔“

اس روایت میں تیسری کا ذکر نہیں کیا، البتہ وہ تیسری دعا مغفرت والی تھی، جیسا کہ ابن سعد کی روایت سے واضح ہوتا ہے۔

امام کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: برکت سے مراد آخرت کی بھلائی کی طرف اشارہ ہے اور حلال مال اور نیک اولاد دونوں آخرت کی بھلائیاں ہیں۔

« وَإِنَّ أَرْضِي لَتُثْمِرُ فِي السَّنَةِ مَرَّتَيْنِ، وَمَا فِي الْبَلَدِ شَيْءٌ يُثْمِرُ مَرَّتَيْنِ غَيْرَهَا »

”اور بے شک میری زمین سال میں دو دفعہ پھل دیتی ہے، اس کے علاوہ شہر کی کوئی زمین بھی سال میں دو دفعہ پھل نہیں دیتی۔“

« وَحَدَّثَتْنِي ابْنَتِي أُمَيْنَةُ أَنَّهُ دُفِنَ لِصُلْبِي» اس سے مراد یہ ہے کہ میری اولاد اور میری اولاد کی اولاد میں سے ایک سو بیس افراد فوت ہو چکے ہیں۔

« مَقْدَمَ الْحَجَّاجِ» یعنی ابن یوسف ثقفی جو پچھتر (۷۵) ہجری میں بصرہ میں آیا تھا، اس وقت انس رضی اللہ عنہ کی عمر اسی سال سے زائد تھی اور اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ مزید تین سال یا دو سال زندہ رہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کی عمر اکانوے (۹۱) برس تھی۔[1]

فوائد:

1. رسول اللہ ﷺ کا معجزہ کہ آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے انس رضی اللہ عنہ کو

[1] عمدة القاري شرح صحيح البخاري [89/17]

اللہ تعالیٰ نے مال اور اولاد کی فروانی عطا کی تھی۔

② انس رضی اللہ عنہ کی کرامت کا بیان۔

③ اولاد کو کسی دوسرے کی خدمت کے لیے وقف کرنا۔

④ کثرت کے ساتھ اولاد کی اموات زیادہ اولاد کی دعا کی قبولیت کے منافی نہیں ہے۔

⑤ دعا سے پہلے نماز ادا کرنا۔

⑥ امام یا حکمران کا اپنی رعایا کی زیارت کرنا۔

⑦ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان۔

⑧ نماز کے بعد دعا کرنا مشروع ہے۔

⑨ حجاج کے بصرہ آنے تک وہاں پر مسلمان امرا خلفا کی تاریخ کی طرف اشارہ ہے۔

⑩ کھانے کی حفاظت کرنا، اسے کھلے عام نہ رکھنا۔

⑪ نرم لہجے میں بات کرنا، جیسے آپ ﷺ کا خادم انس رضی اللہ عنہ۔

⑫ امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اس موقف کی دلیل کہ بغیر عذر کے نفلی روزہ افطار کرنا جائز نہیں ہے۔

اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ یہ موقف ابو درداء رضی اللہ عنہ اور سلیمان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے خلاف ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ سلیمان رضی اللہ عنہ نے اس وقت تک کھانے سے انکار کر دیا تھا، جب تک حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ کھانے میں شامل نہ ہوتے اور یہ ایک عذر تھا، کیونکہ مہمان کا یہ حق تھا، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

« إِنَّ الصَّائِمَ إِذَا دُعِيَ إِلٰى طَعَامٍ فَلْيَدْعُ لِأَهْلِهِ بِالْبَرَكَةِ

وَيُؤَنِّسُهُمْ بِذٰلِكَ»

''بے شک جب روزے دار کو کھانے کی دعوت دی جائے تو وہ اس کے اہل (دعوت دینے والوں) کے لیے برکت کی دعا کرے اور اس کے ساتھ ان کو راحت پہنچائے۔''

کیونکہ اگر وہ ان کے ساتھ مل کر کھانا نہیں کھائے گا تو اس سے گھر والوں پر اچھا اثر نہیں پڑے گا۔

۱۳ نرمی، پیار اور شفقت سے مخاطب کرنے کے لیے الفاظ کی تصغیر کرنا جائز ہے، البتہ تحقیر کی خاطر ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

24- سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ نبی مکرم ﷺ کی دعا سے مسلمان ہوگئیں

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کو اسلام کی دعوت دیتا تھا، کیوں کہ وہ مشرکہ تھیں۔ ایک دن میں نے اسے اسلام کی دعوت دی تو اس نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں وہ بات کہی جو مجھے ناگوار گزری۔ میں روتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنی والدہ کو اسلام کی طرف بلاتا تھا، وہ مجھے انکار کر دیتی تھی، آج میں نے اسے دعوت دی تو اس نے آپ ﷺ کے بارے میں ایسی بات کہی، جو مجھے ناگوار گزری۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت دے دے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ اهْدِ أُمَّ أَبِي هُرَيْرَةَ»

"اے اللہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کو ہدایت دے دے۔"

میں اللہ کے نبی اکرم ﷺ کی دعا سن کر خوش ہو کر نکلا، جب گھر آیا، دروازے پر پہنچا تو وہ بند تھا۔ میری والدہ نے میرے پاؤں کی آواز سنی تو کہا: ابو ہریرہ! وہیں ٹھہرو، جب کہ میں نے پانی گرنے کی آواز سنی۔ (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میری ماں نے غسل کیا، کرتہ پہنا اور جلدی سے چادر اوڑھی، پھر دروازہ کھولا اور بولی:

"يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ"

''اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول (ﷺ) ہیں۔''

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں خوشی سے روتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! خوش ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول کی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کو ہدایت دے دی۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور خیر کی بات کہی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ میری اور میری والدہ کی محبت مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دے اور ان کی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ عُبَيْدَكَ هٰذَا ـ يَعْنِي أَبَا هُرَيْرَةَ ـ وَأُمَّهُ إِلَى عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَحَبِّبْ إِلَيْهِمُ الْمُؤْمِنِيْنَ» فَمَا خُلِقَ مُؤْمِنٌ يَسْمَعُ بِي وَلَا يَرَانِي إِلَّا أَحَبَّنِي." [1]

''اے اللہ! اپنے اس بندے یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور اس کی ماں کی محبت اپنے مومن بندوں کے دلوں میں ڈال دے اور مومنوں کی محبت ان کے دلوں میں ڈال دے۔'' (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) پھر کوئی مومن ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے مجھے سنا یا دیکھا ہو اور مجھ سے محبت نہ کی ہو، یعنی ہر مومن جس نے مجھے سنا یا دیکھا اس نے مجھ سے محبت کی۔

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [4546] مسند أحمد [7911]

تشریح:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دن کے وقت اپنی والدہ کے اسلام قبول نہ کرنے اور نبی کریم ﷺ کو برا بھلا کہنے کے غم میں روتے ہوئے آپ ﷺ کے پاس گئے، لیکن تھوڑی دیر بعد دوبارہ روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، مگر اس دفعہ وہ خوشی سے رو رہے تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی والدہ نبی مکرم ﷺ کی دعا کی برکت سے مسلمان ہو چکی تھی۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''یہ حدیث نبوت کے دلائل میں سے ہے کہ تمام لوگ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حدیث کی خدمت کی بدولت بہت زیادہ شہرت سے نوازا، اسی وجہ سے تمام علاقوں میں جمعہ کے دن متعدد جگہوں پر خطبہ جمعہ سے قبل جب کہ امام منبر پر ہوتا۔ لوگ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یاد میں خاموشی اختیار کرتے تھے، یہ اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی محبت کا عالم تھا۔''[1]

یہ عظیم الشان قصہ مشرک والدین کے لیے ہدایت کی دعا کرنے کی اہمیت، فضیلت اور جواز پر دلالت کرتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ دعا اور دعوت دونوں کام ایک ساتھ کرے، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کے معاملے میں کیا۔ وہ اکثر اپنی والدہ کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے اور ان کے لیے ہدایت کی دعا کرتے تھے، پھر جب انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے لیے بخشش کی دعا کیا کرتے تھے۔

[1] البداية والنهاية [113/8]

امام بخاری رحمہ اللہ "الأدب المفرد" میں ابو مرہ جو ام ہانی بنت ابی طالب کے غلام تھے، ان سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سوار ہو کر ان کی زمین میں گئے، جب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی زمین میں داخل ہوئے تو بلند آواز سے اپنی والدہ سے مخاطب ہوئے: اے میری والدہ! تجھ پر سلامتی اور اللہ کی رحمت اور برکت ہو۔ والدہ جواب میں کہتیں: تجھ پر بھی سلامتی اور اللہ کی رحمت اور برکت ہو۔ پھر وہ کہتے: اماں جان! اللہ تعالیٰ آپ پر اسی طرح رحمت کرے جس طرح آپ نے بچپن میں میرے اوپر رحم کیا۔ وہ فرماتیں: اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ تجھے بہتر جزا دے اور تجھ سے اسی طرح راضی ہو جائے، جس طرح تو نے مجھے بڑھاپے میں بھی خوش رکھا ہے۔

محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے کہ ایک رات ہم ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، وہ فرمانے لگے: اے اللہ! ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور اس کی والدہ کو معاف فرما دے اور اس شخص کو بھی معاف فرما دے، جو تجھ سے ان دونوں کے لیے بخشش کا سوال کرے۔ چنانچہ محمد بن سیرین فرماتے ہیں: ہم بھی ان دونوں کے لیے بخشش کی دعا کرتے تھے، تاکہ ہم بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا میں شامل ہو جائیں۔

اولاد اگر والدین کی وفات کے بعد بھی ان کے لیے دعا کرے تو وہ ان کو نفع دیتی ہے، حالانکہ اس وقت ان دونوں کا عمل دنیا سے ختم ہو جاتا ہے۔

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ، أَوْعِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُو لَهُ» [1]

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [1631]

''جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کا عمل کٹ جاتا ہے، مگر تین عمل: (جاری رہتے ہیں) صدقہ جاریہ، ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے، نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔''

نبی کریم ﷺ کی دعا سے ثابت ہوتا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے محبت کرنا ایمان کی نشانی ہے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا، جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے، جو صبح و شام اللہ کو پکارنے والے تھے، اللہ کی رضا و خوشنودی چاہتے تھے۔ یہ ایسے لوگ تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ اے پیغمبر! ان کے ساتھ بیٹھو اور اپنے آپ کو ان کے ساتھ روکو۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ [الكهف: 28]

''اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھ جو اپنے رب کو پہلے اور پچھلے پہر پکارتے ہیں، اس کا چہرہ چاہتے ہیں۔''

اس سے مراد اہلِ صفہ ہیں۔ صفہ مسجد نبوی میں شمال کی جانب ایک چبوترہ تھا، جہاں پر رسول اللہ ﷺ کے وہ صحابہ کرام ٹھہرتے تھے، جن کا کوئی گھربار نہ تھا اور ان لوگوں کی اکثریت مہاجرین فقرا کی تھی۔ نبی اکرم ﷺ ان کو کھانا کھلاتے تھے، ان کا حال دریافت کرتے تھے، ان لوگوں کی فضیلت کا کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی انھیں لوگوں میں شمار ہوتے تھے، ان کو بھی وہی قدر و منزلت اور مقام حاصل تھا جو ان لوگوں کو تھا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی عمدہ محبت، ہجرت، نبی مکرم ﷺ کی دعا اور اپنے حق میں قرآن مجید کی گواہی کی وجہ سے وہ فضیلت حاصل کی، جو

کسی اعتراض کرنے والے، بیمار دل اور نکتہ چینی کرنے والے کی باتوں کو خاطر میں نہیں لاتی۔

اللہ کی قسم! اصحابِ صفہ سے وہی شخص بغض رکھتا ہے، جس کا دل نفاق سے بھرا ہوا ہو، جب کہ وہ شخص جس کا دل ایمان کی روشنی سے منور ہے، وہ ان سے محبت کرتا ہے۔

فوائد:

① نبی کریم ﷺ کی دعا کی فوری قبولیت نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

② حصولِ نعمت کے وقت اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنا مستحب ہے۔

③ والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی فضیلت۔

④ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا بیان۔

25- نبی مکرم ﷺ کی دعا کی برکت سے قبیلہ دوس نے اسلام قبول کر لیا

سیدنا طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ مکہ مکرمہ میں آئے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ بھی وہاں تھے۔ قریش کے کچھ آدمی چل کر ان کے پاس آئے۔ طفیل رضی اللہ عنہ شریف انسان تھے۔ شاعر اور سمجھ بوجھ کے مالک تھے۔ قریش کے لوگوں نے ان سے کہا کہ اے طفیل! آپ ہمارے شہر تشریف لائے ہیں اور یہ شخص (محمد ﷺ) جو ہمارے درمیان میں ہے، اس نے ہمیں پریشان کر رکھا ہے، اس نے ہماری جمعیت کو بکھیر دیا ہے اور ہمارے معاملات میں تفریق ڈال دی ہے، اس کی بات جادو کا اثر رکھتی ہے، وہ آدمی اور اس کے باپ کے درمیان، آدمی اور اس کے بھائی کے درمیان اور بھائی اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق ڈال دیتی ہے۔ ہمیں ڈر لگتا ہے کہ جس مصیبت سے ہم دوچار ہیں، کہیں وہ آپ اور آپ کی قوم پر بھی نہ آن پڑے، لہٰذا نہ تم اس سے بات کرنا اور نہ اس کی کوئی بات ہی سننا۔

طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ مجھے مسلسل سمجھاتے رہے، حتی کہ میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ آپ ﷺ سے کچھ سنوں گا اور نہ کوئی بات ہی کروں گا۔ چنانچہ صبح کے وقت جب میں مسجد حرام میں گیا تو میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس رکھی تھی، تاکہ آپ ﷺ کی کوئی بات میرے کان میں نہ پڑے اور نہ میں

آپ سے کچھ سننا چاہتا تھا۔ طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں مسجد میں گیا تو رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے۔ میں آپ کے قریب کھڑا ہو گیا، اللہ تعالیٰ مجھے آپ ﷺ کا کچھ کلام سنانا چاہتے تھے، چنانچہ میں نے بہت عمدہ کلام سنا۔ پھر میں نے اپنے آپ سے کہا کہ میری ماں مجھے گم پائے! میں ایک سمجھ بوجھ رکھنے والا شاعر ہوں، مجھ پر اچھا اور برا پوشیدہ نہیں رہ سکتا، کیوں نہ ہو کہ میں اس شخص کی بات سنوں، اگر مجھے وہ اچھی لگی تو قبول کرلوں گا اور اگر بری لگی تو چھوڑ دوں گا۔

طفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں وہاں ٹھہر گیا اور جب آپ ﷺ گھر کی طرف لوٹے تو میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے ہو لیا، آپ اندر داخل ہوئے تو میں بھی داخل ہو گیا، میں آپ ﷺ سے مخاطب ہوا: اے محمد ﷺ! آپ کی قوم نے مجھے آپ کے بارے میں یہ باتیں کہی ہیں، انھوں نے مجھے آپ کے بارے میں اتنا ڈرایا کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی، تاکہ میں آپ کی کوئی بات نہ سن پاؤں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی جتنی بات سنانا تھی۔ میں نے سن لی، لہٰذا آپ اب مجھے اپنی بات سنائیے۔

(فرماتے ہیں) آپ ﷺ نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور مجھے قرآن مجید کی تلاوت سنائی۔ اللہ کی قسم! میں نے کبھی اس سے اچھی اور عدل و انصاف والی بات نہ سنی تھی۔ طفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اسلام قبول کرلیا اور میں نے حق بات کی گواہی دی۔ میں نے کہا: اللہ کے نبی! میری بات میری قوم میں مانی جاتی ہے، میں ان کی طرف لوٹ کر ان کو اسلام کی دعوت دوں گا، آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے کوئی ایسی نشانی دے، جو ان لوگوں پر مددگار ثابت ہو اور میں ان کے ساتھ ان کو اسلام کی طرف بلاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَهُ آيَةً» ”اے اللہ! طفیل کو کوئی نشانی عطا فرما۔“

طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی قوم کی طرف روانہ ہوا، یہاں تک کہ جب میں ان کے سامنے حاضر ہوا تو میری آنکھوں کے درمیان چراغ کی طرح نور ٹپک رہا تھا، میں نے کہا کہ اے اللہ! چہرے کے علاوہ مجھے کسی اور جگہ پر نور دے۔ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں لوگ خیال کریں کہ ان کا دین چھوڑنے کی وجہ سے میرے چہرے کا حلیہ بگڑ گیا ہے۔ طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ نور میرے کوڑے میں پلٹ گیا، میں جب بھی ان کی طرف آتا تو لوگ چراغوں کی طرح میرے کوڑے سے نور ٹپکتا دیکھتے، چنانچہ اس نشانی کے ساتھ میں جب صبح ان کے پاس پہنچا تو میرے والد صاحب میرے پاس آئے، وہ بوڑھے آدمی تھے، میں نے ان سے کہا: اے ابا جان! میری بات سنیں، میرا آپ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، نہ آپ کا میرے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ انھوں نے کہا: اے میرے بیٹے! وہ کیوں؟ میں نے کہا: کیونکہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور میں نے محمد ﷺ کے دین کی پیروی شروع کر دی ہے، میرے والد نے کہا کہ اے میرے بیٹے! میرا بھی وہی دین ہے جو تیرا ہے۔

میں نے کہا: جائیے اور غسل کیجیے، میں آپ کو بھی وہی کچھ سکھاؤں، جو مجھے سکھایا گیا ہے۔ طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے والد محترم گئے اور غسل کیا، اپنے کپڑے پاک کیے اور پھر میرے پاس آئے، میں نے ان پر اسلام پیش کیا، انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کے بعد میری بیوی میرے پاس آئی، میں نے اس سے کہا: سنو، میرا تیرے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور نہ تیرا میرے ساتھ کوئی تعلق ہے، اس نے کہا: میرے ماں باپ قربان ہوں! وہ کیوں؟ میں نے کہا: میرے اور تیرے درمیان اسلام نے فرق ڈال دیا ہے، میں نے محمد ﷺ کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہے۔ اس نے کہا: میرا دین بھی

وہی ہے جو تیرا ہے، میں نے اس سے کہا ذوالشری چراگاہ کی طرف جاؤ، وہاں سے پاکیزگی اختیار کرو۔ ذوالشری دوس قبیلے کا ایک بت تھا اور اس کے اردگرد ایک چراگاہ تھی، جسے انھوں نے بت کے لیے محفوظ کر لیا تھا، اور پہاڑ سے پانی گر کر اس کے پاس جمع ہو جاتا تھا۔ طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میری بیوی کہنے لگی: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! کیا آپ ذوالشری چشمے کی موجوں سے نہیں ڈرتے؟ میں نے کہا: نہیں، میں ضمانت دیتا ہوں (کہ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا) چنانچہ وہ گئی اور غسل کیا، پھر وہ واپس آئی تو میں نے اسلام کی دعوت دی، اس نے اسلام قبول کر لیا۔

اس کے بعد میں نے دوس قبیلے کو اسلام کی طرف دعوت دی، لیکن انھوں نے اسلام قبول کرنے میں بہت سستی دکھائی۔ میں پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس مکہ میں آیا، میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی ﷺ! دوس قبیلے پر میری بات سے زیادہ غلبہ زنا کاری کا ہے، آپ ان کے لیے بد دعا کریں۔ طفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا» ''اے اللہ! دوس قبیلے کو ہدایت عطا فرما۔''

«اِرْجِعْ إِلَى قَوْمِكَ فَادْعُهُمْ وَارْفُقْ بِهِمْ»

''(اور مجھے کہا) اپنی قوم میں واپس چلے جاؤ اور انھیں دوبارہ دعوت دو اور ان سے نرمی والا برتاؤ کرو۔''

چنانچہ میں مسلسل اپنی قوم کو اسلام کی طرف دعوت دیتا رہا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کر گئے، جنگ بدر، احد اور خندق بھی گزر گئی، پھر میں اپنی قوم کے ان لوگوں کے ساتھ رسول ﷺ کے پاس آیا، جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور رسول اللہ ﷺ اس وقت خیبر میں تھے،

چنانچہ میں ستر یا اسّی گھرانوں کے ساتھ مدینے میں ٹھہرا۔ پھر ہم بھی خیبر میں رسول اللہ ﷺ سے جا ملے اور آپ ﷺ نے ہمیں بھی مسلمانوں کے ساتھ مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا۔[1]

تشریح:

ان کا نام طفیل بن عمر بن طریف بن العاصی بن ثعلبہ بن سلیم بن غنم بن دوس الدوسی تھا۔ یہ قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے، انھوں نے اس وقت اسلام قبول کیا۔ جب نبی مکرم ﷺ مکہ میں تھے، پھر یہ دوس کی سرزمین میں اپنی قوم کے پاس واپس چلے گئے اور واقعہ ہجرت تک اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ پھر اپنی قوم کے مسلمانوں کے ساتھ مدینے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات تک مدینے میں ہی رہے۔ طفیل رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں جنگِ یرموک میں شہید ہوئے تھے۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ''الاستیعاب'' میں ذکر کیا ہے کہ طفیل رضی اللہ عنہ کو ''روشنی والا'' کہا جاتا تھا اور ان کا نام ہی یہ پڑ گیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول رضی اللہ عنہما! دوس قبیلے کے لوگ زانی ہیں، آپ ان کے لیے بد دعا کریں، لیکن آپ ﷺ نے ان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی۔ پھر عرض کرنے لگے کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے ان کی طرف معلم بنا کر روانہ کریں اور مجھے کوئی ایسی نشانی دے دیں، جسے دیکھ کر وہ مسلمان ہو جائیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے دعا فرمائی کہ اے اللہ! طفیل کو روشنی عطا فرما، چنانچہ اس وجہ سے ان کی آنکھوں کے درمیان سے نور ٹپکتا

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2720] صحيح مسلم، رقم الحديث [4586]

تھا۔ پھر انھوں نے دعا کی کہ اے اللہ! اس نور کو میری لاٹھی میں منتقل کر دے، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ میری قوم والے اسے مثلہ نہ کہیں، چنانچہ وہ نور ان کی لاٹھی میں آ گیا اور ان کی لاٹھی رات کے وقت روشن ہو جاتی تھی، اس وجہ سے ان کو روشنی والا کہا جاتا تھا۔

اس کے بعد جب یہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو یہ دوسری دفعہ تھی اور رسول اللہ ﷺ اس وقت مدینے میں نہیں تھے، بلکہ خیبر کی طرف گئے ہوئے تھے۔ طفیل کے ساتھ تقریباً اسّی یا نوّے لوگ تھے، یہ سب ان کے قبیلے دوس سے تعلق رکھتے تھے۔

طفیل رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے اپنے قبیلے کے لیے بد دعا کرنے کا اس لیے کہا تھا، کیونکہ وہ بدکار اور بد زبانی تھے۔ طفیل رضی اللہ عنہ کے مسلسل دعوت دینے کے باوجود یہ لوگ اپنی نافرمانیوں سے باز نہ آتے تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی کہ اے اللہ! ان کو ہدایت عطا فرما اور اسلام کی دولت سے مالا مال فرما۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''طفیل رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کے لیے بد دعا کی درخواست کی، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ آپ ﷺ کا یہ فعل آپ ﷺ کے باکمال اخلاق، اعلیٰ صفات اور رحمت للعالمین ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ واقعی رحمت للعالمین تھے، لوگوں کو اسلام میں داخل کرنا آپ ﷺ کو بہت زیادہ محبوب تھا۔ آپ اس وقت تک کسی کے لیے بد دعا نہیں کرتے تھے، جب تک اس کی ایذا رسانی حد

سے بڑھ نہیں جاتی تھی۔ جن لوگوں کے اسلام قبول کرنے کی آپ ﷺ کو امید ہوتی تھی، آپ ﷺ ان کے لیے بہت دعا کیا کرتے تھے۔[1]

فوائد:

① مسلمانوں کی عادت تھی کہ وہ اسلام قبول کرنے سے پہلے غسل کرتے تھے۔ نبی مکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا حکم دیا اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ غسل واجب ہے، اگرچہ اسلام قبول کرنے والا کافر پہلے سے جنبی تھا یا نہیں۔

② کسی سمجھ دار آدمی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ لوگوں کی باتوں پر یقین کر کے کسی آدمی کے اچھا یا برا ہونے کا گمان کر لے۔

③ جنگ ختم ہونے سے پہلے اگر کچھ لوگ اسلامی لشکر میں شامل ہو جائیں تو انھیں بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا جانا چاہیے۔

④ اولیا کی کرامات کا بیان جن سے دینی ضروریات پوری ہوتی ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے لیے نفع مند ہوتی ہیں۔ اولیا کی کرامات رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں ہوتی ہیں، جن سے حق بات واضح ہوتی ہے اور باطل کا قلع قمع ہوتا ہے۔

⑤ دعوت الی اللہ کی خاطر ملنے والی تکالیف پر صبر و استقامت سے کام لینا چاہیے، نافرمانوں کے لیے فوراً سزا اور بد دعا کا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

---

[1] عمدة القاري [443/21]

26- رسول اللہ ﷺ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر بارش نازل کی

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں قحط پڑا۔ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک دیہاتی کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! جانور ہلاک ہو گئے، اہل وعیال کھانے کو ترس رہے ہیں، آپ ہمارے لیے اللہ سے دعا کریں!

« فَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَمَا نَرَى فِي السَّمَاءِ قَزَعَةً، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا وَضَعَهَا حَتَّى ثَارَ السَّحَابُ أَمْثَالَ الْجِبَالِ، ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهِ حَتَّى رَأَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلَى لِحْيَتِهِ ﷺ، فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذٰلِكَ، وَمِنَ الْغَدِ، وَبَعْدَ الْغَدِ، وَالَّذِي يَلِيهِ حَتَّى الْجُمُعَةِ الْأُخْرَىٰ، وَقَامَ ذٰلِكَ الْأَعْرَابِيُّ، ـ أَوْقَالَ غَيْرُهُ ـ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ تَهَدَّمَ الْبِنَاءُ وَغَرِقَ الْمَالُ فَادْعُ اللّٰهَ لَنَا، فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، فَمَا يُشِيرُ بِيَدِهِ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ السَّحَابِ إِلَّا انْفَرَجَتْ وَصَارَتِ الْمَدِينَةُ مِثْلَ الْجَوْبَةِ، وَسَالَ الْوَادِي قَنَاةُ شَهْراً وَلَمْ يَجِيْءُ أَحَدٌ مِنْ نَاحِيَةٍ إِلَّا حَدَّثَ بِالْجَوْدِ »[1]

''آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے، اس وقت ہمیں آسمان پر بادل

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [881]

کا ایک ٹکڑا بھی نظر نہیں آ رہا تھا (راوی کہتے ہیں) اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ابھی آپ ﷺ نے ہاتھوں کو نیچے بھی نہ کیا تھا کہ پہاڑوں کی طرح بادل اٹھ آئے، آپ ﷺ ابھی منبر سے اترے ہی تھے کہ میں نے بارش کا پانی آپ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک سے ٹپکتے ہوئے دیکھا۔ اس دن، اس کے بعد والے دن، حتی کہ آیندہ جمعہ تک بارش ہوتی رہی (دوسرے جمعہ) دوبارہ وہ دیہاتی کھڑا ہوا یا راوی نے کہا کہ اس کے سوا کوئی آدمی کھڑا ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! عمارتیں گر گئی ہیں اور جانور ڈوب گئے ہیں، آپ ہمارے لیے اللہ سے دعا کریں۔ آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ اے اللہ! ہمارے دوسری طرف بارش برسا اور ہم سے روک دے۔ آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے بادل کی جس طرف بھی اشارہ کرتے، ادھر سے مطلع صاف ہو جاتا، سارا مدینہ تالاب کی طرح بن گیا اور قناۃ کا نالا ایک مہینے تک بہتا رہا اور اردگرد کے علاقوں سے آنے والے لوگ اپنے ہاں بھرپور بارش کی خبر دیتے تھے۔“

تشریح:

اس حدیث میں بیان ہوا ہے کہ جب نبی مکرم ﷺ نے بارش کی دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے، اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی موجود نہ تھا، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر پہاڑوں کی طرح بادل اٹھ آئے اور آپ ﷺ کے منبر سے اترنے سے پہلے ہی زوردار بارش شروع ہو چکی تھی۔ پھر اس دن سے آیندہ جمعہ تک مسلسل زوردار بارش ہوتی رہی۔ اب دوسرے جمعہ کو دوبارہ وہی آدمی یا

کوئی اور دورانِ خطبہ کھڑا ہوا اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اب تو گھر تباہ ہو رہے ہیں اور جانور غرق ہو رہے ہیں، آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ بارش کو روک دے، چنانچہ آپ ﷺ نے دوبارہ ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا»

''اے اللہ! ہمارے علاوہ دوسری طرف بارش برسا اور ہم پر نہ برسا۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس دعا کے ساتھ ساتھ بادلوں کو جس طرف اشارہ کر رہے تھے، بادل اسی طرف جانا شروع ہو گئے اور مطلع صاف ہونا شروع ہو گیا۔ مدینے میں پانی کا یہ عالم تھا کہ مدینہ تالاب کا منظر پیش کر رہا تھا۔ مدینے میں ایک نالا تھا جس کا نام قناۃ تھا، وہ ایک مہینے تک بہتا رہا، مدینے کے اردگرد کے علاقوں سے آنے والے لوگ ہمیں بتایا کرتے تھے کہ ہمارے علاقے میں بھی بہت بارش ہوئی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی دعا کی وجہ سے مدینے میں ایک ہفتہ تک مسلسل بارش ہوتی رہی اور پھر رسول اللہ ﷺ کی دعا ہی سے رکی، یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی بہت بڑی دلیل تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انس رضی اللہ عنہ کی مراد اس واقعہ سے یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ایک عظیم معجزہ اور کرامت کی خبر دینا چاہتے ہیں، جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو عطا ہوا تھا۔ وہ معجزہ اس صورت میں تھا کہ مدینے میں بغیر کسی پیشگی علامت اور نشانی کے محض رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت سے سات دن تک مسلسل بارش ہوتی رہی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے پیغمبر ﷺ کی دعا قبول کرنا نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھا،

مثلاً دعا کے ساتھ ہی کس طرح بارش کی ابتدا ہوئی، پھر کس طرح انتہا ہوئی اور مدینے کا مطلع بادلوں سے صاف ہوگیا۔

فوائد:

① نبی کریم ﷺ کی دعا فوراً قبول ہونا آپ ﷺ کا معجزہ تھا۔ اس میں ایک وضاحت ضروری ہے کہ بارش روکنے کی دعا کا مطلب یہ نہیں تھا کہ بالکل بارش نہ ہو، بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ بارش کی وجہ سے جو ہلاکتیں ہو رہی ہیں، تباہی ہو رہی ہے اور گھر گر رہے ہیں وہ رک جائیں اور جہاں ابھی ضرورت ہے وہاں ہوتی رہے۔

② جب بارش زیادہ ہو جائے اور ضرورت نہ رہے، تب بارش رکنے کی دعا کرنا مستحب ہے۔

③ خطبے میں ہاتھ اٹھانا جائز ہے۔

④ نمازِ استسقاء کے بغیر بارش کی دعا کرنا جائز ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف ہے۔

⑤ مفادِ عامہ کے لیے کسی ایک آدمی کا کھڑا ہونا جائز ہے۔

⑥ دورانِ بارش خطبہ مکمل کرنا جائز ہے۔

27- نبی مکرم ﷺ کی دعا کی برکت سے ایک صحابی کے گھر دس بچے پیدا ہوئے

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا جو ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھا، وہ فوت ہو گیا۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ ابوطلحہ کو نہ بتانا، یہاں تک کہ میں خود نہ بتا دوں۔ جب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گھر آئے تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے شام کا کھانا پیش کیا، انھوں نے کھانا کھایا اور پانی پیا۔ پھر ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کے لیے اچھی طرح بناؤ سنگھار کیا، جیسا کہ اس سے پہلے بھی کیا کرتی تھیں، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان سے جماع کیا۔ جب ام سلیم رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ وہ کھانا کھا چکے اور جماع کر چکے ہیں، تب انھوں نے کہا: اے ابوطلحہ! اگر کچھ لوگ کسی گھر والوں کو کوئی چیز عاریتاً دیں، پھر وہ اپنی چیز واپس مانگیں تو کیا گھر والے اسے روک سکتے ہیں؟ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں روک سکتے، اس پر ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: میں تم کو بتا دیتی ہوں کہ تمھارا بیٹا فوت ہو گیا ہے، (یہ سن کر) ابوطلحہ رضی اللہ عنہ غصے میں آ گئے اور کہا کہ تو نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا، یہاں تک کہ اب میں جنبی ہو گیا ہوں اور اب تم نے مجھے میرے بیٹے کے بارے میں بتایا۔ پھر وہ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر آپ کو یہ خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«بَارَكَ اللّٰهُ لَكُمَا فِيْ غَابِرِ لَيْلَتِكُمَا»

''اللہ تعالیٰ تم دونوں کو تمھاری گزری ہوئی رات میں برکت دے۔''

(انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) ام سلیم رضی اللہ عنہا حاملہ ہوئیں، اس وقت رسول اللہ سفر میں تھے اور ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھیں۔ آپ ﷺ جب سفر سے مدینے میں تشریف لاتے تو رات کو مدینے میں داخل نہ ہوتے۔ جب لوگ مدینے کے قریب پہنچے تو ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دردِ زہ شروع ہوا۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے میرے رب! تو جانتا ہے کہ مجھے تیرے رسول ﷺ کے ساتھ نکلنا پسند ہے، جب وہ نکلیں اور مجھے ان کے ساتھ جانا پسند ہے، جب وہ جائیں، لیکن تجھے علم ہے کہ میں کیوں ٹھہرا ہوا ہوں۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: اے ابو طلحہ! اب مجھے اتنا درد نہیں ہے جتنا پہلے تھا، لہٰذا اٹھو چلیں۔ جب وہ مدینہ آئے تو دوبارہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دردِ زہ شروع ہوا اور انھوں نے ایک لڑکا جنم دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ (ام سلیم) نے کہا: اے انس رضی اللہ عنہ! اس کو کوئی دودھ نہ پلائے، جب تک تو صبح اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ لے جائے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے بچے کو اٹھایا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں اونٹوں کو داغنے والا آلہ ہے، آپ ﷺ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا:

« لَعَلَّ أُمَّ سُلَيْمٍ وَلَدَتْ، قُلْتُ: نَعَمْ، فَوَضَعَ الْمِيْسَمَ، قَالَ: وَجِئْتُ بِهِ فَوَضَعْتُهُ فِي حِجْرِهِ، وَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِعَجْوَةٍ مِنْ عَجْوَةِ الْمَدِيْنَةِ فَلَاكَهَا فِي فِيْهِ حَتّٰى ذَابَتْ، ثُمَّ قَذَفَهَا فِي فِي الصَّبِيِّ، فَجَعَلَ الصَّبِيُّ يَتَلَمَّظُهَا، قَالَ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ « اُنْظُرُوْا إِلٰى حُبِّ الْأَنْصَارِ التَّمْرَ » قَالَ: فَمَسَحَ وَجْهَهُ، وَسَمَّاهُ عَبْدَاللّٰهِ »[1]

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [4496] مسند أحمد [102/26]

''شاید ام سلیم رضی اللہ عنہا نے یہ لڑکا جنم دیا ہے؟ میں نے جواب دیا: ہاں، آپ ﷺ نے وہ آلہ رکھ دیا، میں بچے کو (قریب) لے کر آیا اور آپ ﷺ کی گود میں رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے مدینے کی عجوہ کھجور منگوائی اور اپنے منہ میں چبائی۔ جب وہ نرم ہوگئی تو بچے کے منہ میں ڈالی، تو وہ اسے مزے سے کھانے لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا: دیکھو انصار کو کھجور سے کیسے محبت ہے، پھر آپ ﷺ نے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔''

تشریح:

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے، ان کا ایک چھوٹا سا بیٹا تھا جو بیمار ہوگیا۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کسی کام کی غرض سے گھر سے باہر گئے ہوئے تھے، اسی دوران میں ان کا بیٹا فوت ہوگیا، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گھر واپس آئے تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کا بہت اچھا استقبال کیا، ان کو رات کا کھانا پیش کیا، انھوں نے اطمینان سے کھانا کھایا، اس کے بعد اپنی بیوی سے ہم بستری کی۔ جب ان تمام کاموں سے فارغ ہوئے تو اس وقت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ تمھارا بیٹا فوت ہو چکا ہے۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اپنی بیوی کی اس حرکت پر غصہ آیا۔ جب صبح ہوئی تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے پاس گئے اور آپ ﷺ کو یہ ساری بات بتائی۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کے لیے برکت یعنی نیک اولاد کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد جب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر بیٹا پیدا ہوا تو آپ ﷺ نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ یہ بچہ جب جوان ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو نو بچے عطا فرمائے، جو رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت کی وجہ سے سب کے سب قرآن مجید پڑھنے والے (قاری و عالم) تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا میں کتنا صبر تھا کہ خاوند کو فوراً نہیں بتایا، بلکہ ذو معنی الفاظ میں کہا کہ وہ سکون میں ہے اور جب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کھانا کھا چکے، تھکاوٹ دور کر چکے تھے، تب بتایا کہ بیٹا تو فوت ہو چکا ہے۔

« اَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ قَوْمًا اَعَارُوْا عَارِيَتَهُمْ أَهْلَ بَيْتٍ ثُمَّ طَلَبُوْا عَارِيَتَهُمْ...... »

یعنی اولاد ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہے، جس کی اصل ملکیت اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے، وہ جب چاہے اسے واپس لے سکتا ہے۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اس مثال کے ساتھ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو تسلی دینے کی کوشش کی، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھیں۔

ام سلیم رضی اللہ عنہا کا یہ فعل ان کی اعلیٰ ذہانت، صبر، استقامت اور اجر و ثواب کی امید پر دلالت کرتا ہے، ورنہ عام طور پر اولاد کی وفات کے وقت عورتیں مردوں سے کمزور ثابت ہوتی ہیں۔

اس واقعہ میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ایک اعزاز کا ذکر ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی تھیں، جب کہ وہ اس وقت حاملہ تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ اور یہ لوگ واپس آ رہے تھے تو مدینے پہنچنے سے پہلے ہی ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دردِ زہ شروع ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ بغیر بتائے سفر سے رات کے وقت اپنے گھر واپس لوٹنا پسند نہیں کرتے تھے، لہٰذا آپ ﷺ نے مدینے کے قریب رات گزاری، جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ مدینے کی طرف روانہ ہو گئے، لیکن ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اپنی بیوی کی وجہ سے وہیں رکنا پڑا تو ان کو یہ بہت ناگوار گزرا کہ رسول اللہ ﷺ چلے جائیں اور میں ادھر ہی رہوں، چنانچہ انھوں نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! تو

جانتا ہے کہ مجھے تیرے رسول ﷺ کے ساتھ نکلنا پسند ہے اور انھی کے ساتھ کسی جگہ پر لوٹنا پسند ہے، لیکن تجھے معلوم ہے کہ میں کس وجہ سے یہاں ٹھہرا ہوں۔ جب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنے رب سے یہ مناجات کر رہے تھے تو ام سلیم بولیں: اے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ! میں جس درد میں مبتلا تھی، اب وہ نہیں رہا، لہٰذا چلو ہم بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی یہاں سے روانہ ہوں، یعنی ان کی دردِ زہ وقتی طور پر رک گیا۔ پھر جب یہ لوگ مدینہ پہنچ گئے تو دوبارہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو درد شروع ہوا اور انھوں نے بچے کو جنم دیا۔ یعنی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی کرامت ثابت ہوئی کہ وقتی طور پر بچے کی پیدائش کا عمل رک گیا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب انس رضی اللہ عنہ اپنے بھائی کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے اسے اپنی گود میں بٹھایا اور کھجور چبا کر نرم کر کے اس کے منہ میں ڈالی، جسے ہماری زبان میں گھٹی دینا کہتے ہیں، یعنی آپ ﷺ نے کھجور اپنی انگلی کے ساتھ لگا کر اس بچے کے تالو کو لگائی، یہ اس وجہ سے تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا لعاب مبارک بابرکت تھا اور ان کا خیال تھا کہ آپ ﷺ کا بابرکت لعاب سب سے پہلے غذا کے طور پر بچے کے منہ میں داخل ہو، اسی وجہ سے ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا تھا کہ اس وقت تک کوئی اس بچے کو دودھ نہ پلائے، جب تک رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ لے جائیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی یہی عادت تھی کہ جب ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو وہ اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آتے تھے اور ساتھ کھجوریں بھی لایا کرتے تھے، تاکہ آپ ﷺ ان کی گھٹی دیں۔

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا گھٹی دینا رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک کے بابرکت ہونے کی وجہ سے تھا یا اس وجہ سے کہ سب سے پہلے کھجور کی

غذا بچے کے معدے کے لیے فائدہ مند ہوتی ہے؟

اگر ہم یہ کہیں کہ آپ ﷺ کے لعاب کے بابرکت ہونے کی وجہ سے تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے علاوہ کوئی اور شخص یہ کام نہیں کر سکتا، کیونکہ لعاب اور پسینہ صرف آپ ﷺ ہی کا بابرکت تھا۔ آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کو یہ فضیلت حاصل نہیں ہے اور اگر ہم یہ کہیں کہ کھجور کی وجہ سے تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر بچے کو گھٹی دی جا سکتی ہے۔

اس حدیث میں ایک اور چیز یہ بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت کی وجہ سے اس بچے کو اللہ تعالیٰ نے نو بچے عطا کیے، جو سب کے سب قرآن مجید پڑھنے والے (قاری و عالم) تھے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عبد اللہ نام رکھنا مستحب ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

«إِنَّ أَحَبَّ أَسْمَائِكُمْ إِلَى اللّٰهِ: عَبْدُ اللّٰهِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ»

''بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔''

البتہ وہ روایت جس میں آتا ہے کہ بہترین نام وہ ہے جس میں تعریف اور عبد کا لفظ آئے تو وہ حدیث صحیح نہیں ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

مختصر یہ کہ انسان کو اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے لیے اچھے نام پسند کرنے چاہییں، تاکہ ایسا کرنے سے اسے اجر بھی ملے اور وہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کا محسن بن جائے۔

اگر کوئی شخص اپنی اولاد کے لیے ایسے نام پسند کرتا ہے جو اجنبی اور غیر مانوس ہوں تو آنے والے وقت میں یہ نام اس کے بچوں کے لیے مشکلات کا

سبب بن سکتے ہیں اور ان ناموں کی وجہ سے اگر اولاد پر کوئی پریشانی آتی ہے تو والدین بھی اس میں برابر کے ذمے دار ہیں، لہٰذا نام رکھتے وقت احتیاط کرنی چاہیے اور اچھے سے اچھا نام منتخب کرنا چاہیے۔

ایسے نام رکھنا حرام ہے جن میں کافروں کے خصائص اور ان کی مشابہت پائی جاتی ہو، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»[1]

''جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو وہ انھی میں سے ہوگا۔''

فوائد:

1. آسانی چھوڑ کر سختی اختیار کرنا جائز ہے، جب کہ سختی پر عمل کرنے کی طاقت ہو۔
2. مصیبت کے وقت تسلی دینی چاہیے۔
3. عورت کا اپنے شوہر کے لیے بناؤ سنگھار کرنا جائز ہے۔
4. عورت کا اپنے آپ کو اپنے شوہر کے سامنے ہم بستری کے لیے پیش کرنا۔
5. عورت کا معاملات کو درست سمت لے جانے کے لیے کوشش کرنا۔
6. پیدائش کے دن ہی بچے کا نام رکھنا جائز ہے۔
7. انبیا والے نام رکھنا جائز ہے۔
8. کھجور کے ساتھ گھٹی دینا، اس کے علاوہ کسی اور چیز سے بھی گھٹی دی جا سکتی ہے، لیکن کھجور افضل ہے۔
9. اس حدیث میں ام سلیم رضی اللہ عنہا کی فضیلت، صبر، اللہ کی رضا پر راضی ہونا، سمجھ بوجھ اور دانائی بیان ہوئی ہے۔

---

[1] شرح رياض الصالحين [49/1]

28- جب بکری کی ران بول پڑی

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جب خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ کو ایک بکری ہدیہ دی گئی، اس میں زہر بھرا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہاں پر جتنے یہودی ہیں، سب کو میرے پاس جمع کرو، چنانچہ سب آپ ﷺ کے پاس جمع کیے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: میں تم سے ایک بات پوچھوں گا، تم مجھے صحیح صحیح بتاؤ گے؟ انھوں نے کہا: ہاں، اے ابو القاسم! پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تمھارا باپ (بڑا) کون ہے؟ انھوں نے کہا: فلاں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم جھوٹ بولتے ہو، تمھارا باپ (بڑا) فلاں ہے، وہ کہنے لگے: آپ نے سچ فرمایا ہے، پھر آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: اگر میں تم سے کوئی بات پوچھوں تو کیا تم مجھے سچ سچ بتاؤ گے؟ انھوں نے کہا: ہاں، اے ابو القاسم! اور اگر ہم جھوٹ بولیں گے تو آپ ہمارا جھوٹ پکڑ لیں گے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ہمارے باپ (بڑے) کے بارے میں پہچان لیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: دوزخ والے کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا کہ کچھ دن تو ہم اس میں رہیں گے، اس کے بعد آپ لوگ ہماری جگہ لے لیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اس میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو گے، اللہ کی قسم! ہم اس میں تمھاری جگہ کبھی نہیں لیں گے۔ آپ ﷺ نے پھر ان سے پوچھا: کیا اگر میں تم سے ایک بات پوچھوں تو تم مجھے اس کے متعلق سچ

سچ بتاؤ گے؟ انھوں نے کہا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا:

« هَلْ جَعَلْتُمْ فِي هَذِهِ الشَّاةِ سَمًّا؟، فَقَالُوا: نَعَمْ، فَقَالَ: مَا حَمَلَكُمْ عَلَى ذٰلِكَ؟ فَقَالُوا: أَرَدْنَا إِنْ كُنْتَ كَذَّاباً نَسْتَرِيحُ مِنْكَ، وَإِنْ كُنْتَ نَبِيّاً لَمْ يَضُرَّكَ »[1]

''کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا تھا؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تمھیں اس کام پر کس نے ابھارا تھا؟ انھوں نے کہا: ہم چاہتے تھے کہ اگر آپ ﷺ جھوٹے ہیں تو ہمیں آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر آپ واقعی نبی ہوئے تو وہ (زہر) آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

تشریح:

رسول اللہ ﷺ نے جب خیبر فتح کر لیا اور آپ ﷺ اطمینان سے بیٹھے تھے تو ایک عورت، جس کا نام زینب بنت الحارث تھا اور وہ سلام بن مشکم کی بیوی تھی، نے آپ ﷺ کو ایک زہر آلود بکری ہدیہ دی۔ اس نے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو بکری کا کون سا حصہ زیادہ پسندیدہ ہے؟ اس کو بتایا گیا کہ دستی کا گوشت آپ ﷺ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ چنانچہ اس نے دستی میں سب سے زیادہ زہر ملا دیا، پھر عمومی طور پر اس نے ساری بکری ہی کو زہر آلود کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئی اور آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے دستی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر کھانا چاہا، لیکن نگلنے کے بجائے اسے تھوک دیا، پھر فرمایا: یہ ہڈی مجھے بتا رہی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس عورت کو بلایا اور اس سے پوچھا تو اس نے اعتراف کر لیا، آپ ﷺ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5332]

نے اس سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: میں نے سوچا کہ اگر یہ بادشاہ ہے تو اس سے راحت (نجات) مل جائے گی اور اگر واقعی نبی ہوا تو اسے بتا دیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو معاف کر دیا۔

اس موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ بشر بن برا بن معرور رضی اللہ عنہ بھی تھے، انھوں نے ایک لقمہ کھا لیا تھا، جس کی وجہ سے وہ فوت ہو گئے تھے۔[1]

فوائد:

1. آپ ﷺ کا ایک واضح معجزہ کہ زہر آپ ﷺ پر اثر انداز نہ ہو سکا، حالانکہ اس زہر کی وجہ سے آپ ﷺ کے دوسرے ساتھی بشر رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے۔
2. زہر بہ ذاتِ خود اثر انداز نہیں ہوتا، بلکہ اس میں اثر ڈالنے والی اصل ذات اللہ رب العالمین کی ہے، اسی وجہ سے تو رسول اللہ ﷺ پر اثر انداز نہ ہو سکا اور بشر رضی اللہ عنہ پر ہو گیا، اگر یہ بہ ذاتِ خود اثر انداز ہو سکتا ہوتا تو دونوں پر ایک ساتھ موت واقع ہو جاتی۔
3. امام مالک رحمہ اللہ نے اس سے دلیل لی ہے کہ زہر سے قتل کرنے کا حکم بھی وہی ہے جو اسلحے سے قتل کرنے کا ہے، یعنی دونوں کے لیے قصاص کا حکم یکساں ہے۔ کوفی علما کا موقف ہے کہ اس میں قصاص نہیں، بلکہ صرف دیت ہے اور وہ بھی عاقل پر اور اگر کھانے پینے کی کسی چیز میں ملا کر دیا جائے تو اس پر کوئی چیز نہیں، یعنی دیت بھی نہیں ہے، اگرچہ وہ عاقل ہی کیوں نہ ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کوئی شخص مجبوراً یہ کام کرے تو اس وقت قصاص واجب ہونے میں دو قول ہیں، لیکن دونوں میں سے صحیح یہ ہے کہ قصاص واجب نہیں ہے۔

---

[1] الرحیق المختوم [347/1]

29- نبی مکرم ﷺ نے اپنے وضو کا پانی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ پر ڈالا تو ان کو افاقہ ہو گیا

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں بیمار تھا اور بے ہوش تھا، رسول اللہ ﷺ میری عیادت کرنے آئے:

« فَتَوَضَّأَ وَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ، فَعَقَلْتُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لِمَنِ الْمِيرَاثُ؟ إِنَّمَا يَرِثُنِي كَلَالَةٌ، فَنَزَلَتْ آيَةُ الْفَرَائِضِ »[1]

"آپ ﷺ نے وضو کیا اور میرے اوپر اپنے وضو کے پانی کے چھینٹے مارے تو مجھے ہوش آ گیا۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! وراثت کس کے لیے ہے، کیونکہ میرا کوئی وارث نہیں ہے، پھر حصص والی آیت نازل ہوئی۔"

تشریح:

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ایک واضح معجزہ بیان ہوا ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سخت بیمار تھے، حتی کہ بیماری کی شدت کی وجہ سے وہ کسی کی بات بھی نہ سمجھ پاتے تھے، ان کی بیماری کی شدت کا عالم دیکھیے کہ افاقہ ہوتے ہی وراثت کی تقسیم کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، جیسے انسان موت کے خوف کی وجہ سے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [187] صحيح مسلم، رقم الحديث [3034]

کسی سے سوال پوچھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کرنے آئے تو آپ ﷺ نے وضو کیا اور اپنے وضو کا پانی جابر رضی اللہ عنہ پر ڈالا تو وہ صحت یاب ہو گئے اور بے ہوشی دور ہو گئی۔

« إِنَّمَا يَرِثُنِي كَلَالَةٌ» کلالہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ صحیح قول یہ ہے کہ کلالہ وہ شخص ہے جس کی اولاد اور والدین نہ ہوں۔

علامہ جوہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''"الکَلُّ" سے مراد وہ شخص ہے جس کی اولاد اور والدین نہ ہوں۔''

زمخشری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کلالہ کا اطلاق تین آدمیوں پر ہوتا ہے:

① وہ میت جس کے پیچھے اس کی اولاد اور والدین نہ ہوں۔

② جس شخص کی اولاد بالکل نہ ہو اور والدین بھی فوت ہو چکے ہوں۔

③ ایسے رشتے دار چھوڑ کر جائے جو اولاد اور والدین کے علاوہ سے ہوں۔

«فَنَزَلَتْ آيَةُ الْفَرَائِضِ» آیۃ الفرائض یہ ہے:

﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَ اِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾

[النساء: 176]

''وہ تجھ سے فتویٰ مانگتے ہیں، کہہ دے اللہ تمھیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے، اگر کوئی آدمی مر جائے، جس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لیے اس کا نصف ہے جو اس نے

چھوڑا اور وہ (خود) اس (بہن) کا وارث ہوگا، اگر اس (بہن) کی
کوئی اولاد نہ ہو۔ پھر اگر وہ دو (بہنیں) ہوں تو ان کے لیے اس
میں سے دو تہائی ہوگا جو اس نے چھوڑا اور اگر وہ کئی بھائی بہن مرد
اور عورتیں ہوں تو مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا۔
اللہ تمھارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر
چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''

اسے آیتِ وراثت بھی کہا گیا ہے۔ فرائض ''فریضۃ'' کی جمع ہے، یہاں اس سے مراد وہ حصے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وارثوں کے لیے مقرر کیا ہے۔[1]

فوائد:

1. رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ کی برکت سے تمام بیماریاں دور ہو گئیں۔
2. بلند درجات والے آدمیوں کا عام لوگوں کی عیادت کرنا فضیلت والا عمل ہے۔
3. مریض کی عیادت کرنے کی فضیلت اور مریض کی طرف چل کر جانا مستحب عمل ہے۔
4. نیک لوگوں کی باقیات اور ان کا بچا ہوا کھانے پینے کا سامان بابرکت ہوتا ہے۔

---

[1] عمدة القاري [416/4]

30- نبی مکرم ﷺ کا پسینہ مبارک بطور خوشبو استعمال کرنا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ہم پر داخل ہوئے یا یہ فرمایا کہ ہمارے پاس آئے:

« فَعَرِقَ، وَجَاءَتْ أُمِّي بِقَارُورَةٍ فَجَعَلَتْ تَسْلِتُ الْعَرَقَ فِيهَا، فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: يَا أُمَّ سُلَيْمٍ! مَا هَذَا الَّذِي تَصْنَعِينَ؟ قَالَتْ: هَذَا عَرَقُكَ نَجْعَلُهُ فِي طِيبِنَا، وَهُوَ مِنْ أَطْيَبِ الطِّيبِ »[1]

"آپ ﷺ کا پسینہ بہہ رہا تھا، میری والدہ ایک برتن لائیں اور اس میں آپ ﷺ کا پسینہ نچوڑنا (ڈالنا) شروع کر دیا، جب آپ ﷺ بیدار ہوئے تو فرمایا: اے ام سلیم رضی اللہ عنہا! تم یہ کیا کر رہی تھی؟ انھوں نے کہا: یہ آپ ﷺ کا پسینہ ہے، ہم اسے اپنی خوشبو میں ڈالتے ہیں اور یہ سب سے بہترین خوشبو ہے۔"

تشریح:

نبی کریم ﷺ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور قیلولہ فرمانے لگے، دوران نیند آپ ﷺ کو پسینہ آ گیا، ام سلیم رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پسینے کو صاف کر کر کے ایک برتن میں جمع کرنے لگیں۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی محرمات میں شامل ہوتی تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محرمات کے گھر جانا، وہاں ٹھہرنا اور سونا جائز ہے۔

نبی مکرم ﷺ کو جب ام سلیم رضی اللہ عنہا کے کام کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [4300] مسند أحمد [11947]

پوچھا: اے ام سلیم رضی اللہ عنہا! یہ کیا کر رہی ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم آپ ﷺ کا پسینہ جمع کر کے گھر میں بطور خوشبو استعمال کریں گے، کیونکہ یہ سب سے بہترین خوشبو ہے۔ یہ اعزاز صرف نبی اکرم ﷺ کو حاصل تھا کہ آپ کے پسینے سے بدبو نہیں آتی تھی، بلکہ آپ ﷺ کے پسینے کی خوشبو کستوری کی طرح تھی، اسی وجہ سے ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اسے بابرکت سمجھتے ہوئے ایک برتن میں جمع کر لیا۔

فوائد:

1. رسول اللہ ﷺ کا پسینہ پاک اور بہترین خوشبو تھی۔
2. صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رسول اللہ ﷺ سے محبت، آپ ﷺ کی تعظیم اور آپ ﷺ کی باقیات سے برکت حاصل کرنے کا بیان۔

31- غزوۂ حنین کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے مشرکین کی شکست کی خبر دی

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ (جنگ) حنین کے دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود تھا۔ میں اور ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چمٹے رہے۔ ہم آپ ﷺ سے بالکل جدا نہ ہوئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار تھے، جو آپ ﷺ کو فروہ بن نفاثہ الجذامی نے ہدیہ دیا تھا۔ جب مسلمانوں اور کافروں میں مڈ بھیڑ ہوئی تو مسلمان واپس بھاگنے لگے، لیکن رسول اللہ ﷺ اپنے خچر کو ایڑی مار کر کافروں کی طرف لے جانا چاہتے تھے۔ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ ﷺ کے خچر کی لگام پکڑ رکھی تھی اور میں اسے روک رہا تھا کہ وہ تیز نہ چلے اور ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی رکاب پکڑ رکھی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عباس! درخت (بیعتِ رضوان) والوں کو آواز دو۔ عباس رضی اللہ عنہ بلند آواز والے آدمی تھے، وہ کہتے ہیں: میں نے بلند آواز سے کہا کہ درخت والے کہاں ہیں؟ اللہ کی قسم وہ میری آواز سن کر اس طرح واپس پلٹے، جیسے گائے اپنے بچوں کے پاس واپس پلٹتی ہے۔ انھوں نے کہا: حاضر ہیں، حاضر ہیں، چنانچہ وہ واپس پلٹ کر کفار سے لڑے۔ اس کے بعد (میں) انصار کو بلانا شروع ہوا: انصار کی جماعت! انصار کی جماعت! عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر

یہ پکار بنو حارث بن خزرج کے اندر محدود ہو گئی، انھوں نے کہا: بنو حارث بن خزرج! بنو حارث بن خزرج! رسول اللہ ﷺ نے اپنے خچر پر موجود رہتے ہوئے (میدان جنگ کی طرف) دیکھا کہ دھواں دھار جنگ شروع ہو رہی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«هَذَا حِينَ حَمِيَ الْوَطِيسُ، قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَصَيَاتٍ فَرَمَىٰ بِهِنَّ وُجُوهَ الْكُفَّارِ، ثُمَّ قَالَ: انْهَزِمُوا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ»

''اب چولہا گرم ہو رہا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے زمین سے چند کنکریاں اٹھائیں اور دشمن کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا: محمد ﷺ کے رب کی قسم! تم ناکام ہو جاؤ۔''

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں دیکھنے گیا تو لڑائی اسی طرح زور وشور سے ہو رہی تھی اور اللہ کی قسم جب آپ ﷺ نے کنکریاں ماریں تو کافروں کا زور ٹوٹ گیا اور ان کا کام الٹ ہو گیا۔[1]

ایک روایت میں ہے: حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست دے دی۔ (عباس رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ گویا میں نبی کریم ﷺ کو دیکھ رہا تھا کہ آپ ﷺ اپنے خچر پر سوار ہو کر ان کا پیچھا کر رہے ہیں۔

تشریح:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں ابو سفیان سے مراد وہ ابو سفیان ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کے چچا کے بیٹے ہیں۔ اکثر علما کا یہی موقف ہے کہ ان کا نام اور کنیت ایک ہی تھی، البتہ بعض علما کے نزدیک ان کا نام مغیرہ تھا۔

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [3324] سنن النسائي [8653]

«وَرَسُوْلُ اللّٰهِ عَلٰی بَغْلَةٍ لَهٗ بَيْضَاءَ» علما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے خچر کا نام ''دُلدُل'' تھا اور اس کے علاوہ آپ ﷺ کے پاس کوئی خچر نہ تھا۔ یہ ''دلدل'' نامی خچر آپ ﷺ کو فروہ بن نفاثہ الجذامی نے تحفہ دیا تھا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فروہ بن نفاثہ کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور بہت لمبی عمر پائی تھی۔ ان کے علاوہ کچھ علما کا خیال ہے کہ انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جس آدمی نے آپ ﷺ کو ہدیہ بھیجا تھا، وہ ایلہ کا بادشاہ تھا اور ابن اسحاق رحمہ اللہ کے مطابق اس کا نام یحنہ بن روبہ تھا۔

علما نے کہا ہے کہ میدانِ جنگ یا کسی مصیبت کے وقت رسول اللہ ﷺ کی سواری خچر ہوتا تھا، کیونکہ اس میں بہادری اور ثابت قدمی زیادہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جنگِ حنین میں سب مسلمان واپس رسول اللہ ﷺ کی طرف آ رہے تھے اور آپ ﷺ کی ثابت قدمی دیکھ کر ان کے دل مطمئن ہو رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے عمداً خچر پر سواری اختیار کی تھی، ورنہ آپ ﷺ کے پاس کئی گھوڑے بھی تھے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی شجاعت و بہادری بھی بیان ہوئی ہے کہ سب لوگوں کے میدان جنگ سے واپس بھاگ جانے کے باوجود آپ ﷺ تن تنہا اپنے خچر کو کافروں کی طرف لے جانے کے لیے ایڑی مار رہے تھے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت میدان میں نکلے، جب ہر طرف دشمنوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فعل سے ثابت قدمی، شجاعت و بہادری اور صبر و استقامت کی اعلیٰ ترین مثال پیش کی۔ ایک

قول یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس فعل سے شکست خوردہ مسلمانوں کو حوصلہ ہوا، ان کے ارادے بلند ہوئے اور انھوں نے تمام ممالک میں آپ ﷺ کے اس فعل کی خبر دی۔

«اَیْ عَبَّاسُ نَادِ أَصْحَابَ السَّمُرَةِ» اس سے مراد بیعتِ رضوان والے لوگ ہیں، یعنی وہ لوگ جنھوں نے حدیبیہ کے دن درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

« فَقَالَ عَبَّاسٌ، وَكَانَ رَجُلًا صَيِّتاً» حازمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عباس رضی اللہ عنہ رات کے وقت ایک چوٹی پر کھڑے ہو کر اپنے غلاموں کو آواز دیتے تھے اور وہ ان کو سنائی دیتی تھی، حالانکہ وہ غابہ مقام پر ہوتے تھے۔ سلع چوٹی اور غابہ کے درمیان آٹھ میل کا فاصلہ تھا۔

« فَوَاللّٰهِ لَكَأَنَّ عَطْفَتَهُمْ حِينَ سَمِعُوا صَوْتِي عَطْفَةُ الْبَقَرِ عَلَى أَوْلَادِهَا، فَقَالُوا: يَا لَبَّيْكَ، يَا لَبَّيْكَ »

''اللہ کی قسم! جب انھوں نے میری آواز سنی تو وہ حاضر ہیں، حاضر ہیں کہتے ہوئے یوں پلٹے، جیسے گائے اپنے بچوں کی طرف پلٹتی ہے۔''

« هٰذَا، حِينَ حَمِيَ الْوَطِيسُ » اکثر علما فرماتے ہیں کہ اس میں تندور سے مشابہت دی گئی ہے، جب کہ اس میں آگ جل رہی ہوتی ہے، یعنی آپ ﷺ نے اس مثال میں لڑائی کی شدت کو آگ کی شدت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

کچھ دوسرے علما کا موقف ہے کہ ''وطیس'' سے مراد بذاتِ خود تندور ہے۔ امام اصمعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وطیس اس دہکتے ہوئے پتھر کو کہتے ہیں، جسے کوئی آدمی چھونے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد

جنگ کی مار کٹائی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ جنگ ہے، جس میں لوگ پتھر پھینکتے ہیں۔ علما فرماتے ہیں: یہ فصیح و بلیغ الفاظ نبی اکرم ﷺ سے پہلے کسی سے نہیں سنے گئے تھے۔

« فَرَمَاهُمْ بِالْحَصَيَاتِ، ثُمَّ قَالَ: انْهَزِمُوا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ »

اس میں رسول اللہ ﷺ کے دو واضح معجزے بیان ہوئے ہیں: ایک فعلیہ اور دوسرا خبریہ، یعنی رسول اللہ ﷺ نے دشمن کے عنقریب شکست خوردہ ہونے کی خبر دی اور ان کی طرف کنکریاں پھینکیں تو وہ الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوئے۔

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

« إِنَّهُ قَبَضَ قَبْضَةً مِنْ تُرَابٍ مِنَ الْأَرْضِ، ثُمَّ اسْتَقْبَلَ بِهَا وُجُوهَهُمْ فَقَالَ: شَاهَتِ الْوُجُوهُ، فَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْهُمْ إِنْسَاناً إِلَّا مَلَأَ عَيْنَيْهِ تُرَاباً مِنْ تِلْكَ الْقَبْضَةِ »

''رسول اللہ ﷺ نے زمین سے مٹی کی ایک مٹھی بھری، پھر ان کے چہروں پر پھینک دی اور فرمایا: چہرے تباہ و برباد ہو گئے، پس اس ایک مٹھی سے ان میں سے ہر آدمی کی آنکھیں مٹی سے بھر گئیں۔''

پہلی کی طرح اس حدیث میں بھی دو معجزے فعلیہ اور خبریہ بیان ہوئے ہیں۔

یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مٹھی مٹی سے لی ہو اور ایک کنکریوں سے اور ایک دفعہ ایک مٹھی سے پھینکا ہو اور دوسری دفعہ دوسری مٹھی سے، یا یہ بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ نے ایک مٹھی دونوں چیزوں یعنی مٹی اور کنکریوں سے بھری ہو۔

« فَمَا زِلْتُ أَرَى حَدَّهُمْ كَلِيلًا » یعنی میں نے دیکھا کہ لحہ بہ لحہ ان کی قوت کا زور ٹوٹ رہا تھا اور وہ کمزور ہوتے چلے جا رہے تھے۔[1]

[1] شرح النووي [116/12]

فوائد:

1. نبی کریم ﷺ کی شجاعت و بہادری کا بیان کہ آپ ﷺ نے اپنے قول اور فعل سے ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ فعل سے اس طرح کہ آپ ﷺ اکیلے اپنے خچر پر سوار ہو کر دشمن کی طرف جانے کی کوشش کر رہے تھے اور قول سے اس طرح کہ آپ ﷺ بغیر کسی دباؤ اور خوف کے بلند آواز سے کہہ رہے تھے کہ میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں ہے اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

2. انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنی قوت، کثرت، اپنے علم، مال، ذہانت اور عقل وغیرہ پر فخر نہ کرے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب انسان فخر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ شکست کھا جاتا ہے۔ اگر اپنی کثرت پر فخر کرے گا تو ناکام ہو جائے گا۔ اگر اپنے علم پر فخر کرے گا تو گمراہ ہو جائے گا اور اگر اپنی عقل پر فخر کرے گا تو بہک جائے گا، لہٰذا اپنے آپ پر بالکل فخر نہ کرو، ورنہ خسارہ پاؤ گے، بلکہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور تمام معاملات اسی کے سپرد کر دو اور وہ جو فیصلہ کر دے اس پر خوش ہو جاؤ۔

3. اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خچر کی سواری کرنا جائز ہے۔ خچر گدھے اور گھوڑی کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے، ان کی جفتی کروانا نجس اور حرام ہے، البتہ خچر بہ ظاہر بلی کی طرح پاک ہے، لیکن اس کا پیشاب اور گوبر نجس ہے۔ اس کا پسینہ اور سواری کی حالت میں اسے چھونا وغیرہ پاک ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی مکرم ﷺ اس پر سوار تھے اور خچر سے بارش کی طرح پسینہ بہہ رہا تھا اور نبی اکرم ﷺ کا ایسی حالت میں اس سے احتراز کرنا ثابت نہیں ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پسینہ پاک ہے اور یہی قول راجح ہے۔

④ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو بلانے اور پکارنے کے لیے ایسے الفاظ اور ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے، جس سے ان میں شجاعت اور بہادری کے جذبات ابھریں، جیسے عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو بلاتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ اے مومنو! اے صحابہ! بلکہ کہا: اے درخت والو! یعنی بیعتِ رضوان کی طرف نسبت کر کے ان کو اس وقت والا جذبہ یاد دلایا۔

⑤ حق پر قائم اگرچہ تھوڑے لوگ ہی کیوں نہ ہوں، اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتے ہیں، خواہ ان کا مقابلہ کرنے والی دشمن کی جماعت کتنی بڑی ہو۔

⑥ انجام اور نجات ہمیشہ متقین کی ہوتی ہے، یہاں تک کہ اگر وقتی طور پر مسلمان اپنی کثرت کے باوجود شکست ہی کیوں نہ کھا جائیں، تب بھی انجام انھی کا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ [هود: 49]

''پس آپ صبر کیجیے، بے شک انجام متقین ہی کے لیے ہے۔''

32- ایک جہنمی آدمی

سیدنا سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مشرکوں کی مڈبھیڑ ہوئی اور انھوں نے جنگ کی، پھر جب رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر (قیام گاہ) کی طرف گئے اور دوسرے بھی اپنے لشکر (قیام گاہ) کی طرف گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کے درمیان ایک ایسا شخص تھا، جو دشمنوں کے کسی بھی تنہا شخص کو دیکھتا تو وہ اس کو نہیں چھوڑتا تھا، بلکہ اس کا پیچھا کرتا تھا اور اپنی تلوار سے اسے ہلاک کر دیتا تھا۔ لوگوں نے کہا: آج یہ شخص جیسا ہمارے کام آیا ہے اور کوئی نہیں آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ» ''سنو! یہ تو جہنمی ہے۔''

لوگوں میں ایک آدمی نے کہا: میں ہر وقت اس کے ساتھ رہوں گا، چنانچہ وہ اس کے ساتھ نکل پڑا، جب وہ کہیں ٹھہرتا تو وہ بھی ٹھہر جاتا اور جب وہ تیز چلتا تو وہ بھی اس کے ساتھ تیز چلتا، اس نے بتایا کہ پھر وہ شخص شدید زخمی ہو گیا اور موت کو جلدی چاہا، اس نے تلوار زمین پر رکھی اور اس کی دھار اپنی چھاتی کے درمیان میں رکھی اور اپنی تلوار پر بوجھ ڈال دیا اور خودکشی کر لی، تب وہ (تعاقب کرنے والا) آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ وہ شخص جس کے بارے میں آپ نے ابھی فرمایا تھا کہ وہ آگ والوں میں سے ہے اور لوگوں کو یہ بات بڑی (عجیب) لگی تھی اور میں نے کہا تھا

کہ میں تمھاری طرف سے اس کے ساتھ رہوں گا تو میں اس کے پیچھے ہو گیا، یہاں تک کہ وہ شدید زخمی ہو گیا اور اس نے جلدی موت چاہی اور اپنی تلوار زمین پر رکھی اور اس کی دھار کو اپنے سینے کے درمیان رکھا، پھر اپنا بوجھ اس پر ڈال دیا اور خودکشی کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر فرمایا:

«إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيمَا يَبْدُوْ لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ فِيمَا يَبْدُوْ لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ» [1]

''ایک شخص لوگوں کی نگاہ میں اہلِ جنت کے اعمال کرتا ہے، حالانکہ وہ جہنمی ہوتا ہے اور ایک شخص لوگوں کی نگاہ میں آگ والوں کے سے اعمال کرتا ہے، حالانکہ وہ اہلِ جنت میں سے ہوتا ہے۔''

تشریح:

غیبی امور کی خبریں دینا نبی مکرم ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ آپ ﷺ نے اس آدمی کے بارے میں خبر دی کہ اس کی زندگی کا خاتمہ برے عمل پر ہوگا اور وہ جہنمی ہے، حالانکہ لوگ اسے بڑا اچھا اور جنتی سمجھ رہے تھے۔

ہوا یہ کہ جنگِ خیبر کے موقع پر ایک آدمی مسلمانوں کے لشکر میں تھا۔ وہ بڑی جوانمردی سے لڑائی کر رہا تھا اور جس آدمی کو بھی دشمنوں کی صف سے جدا ہونے والے اکیلے شخص کو دیکھتا تو وہ تلوار لے کر اس کے پیچھے چل پڑتا اور اس کی گردن اتار دیتا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ آدمی اعمال تو جنت والے کر رہا ہے، لیکن جہنم میں کیوں داخل ہوگا؟ انھی لوگوں میں سے ایک آدمی اس کا پیچھا

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2683] صحيح مسلم، رقم الحديث [163]

کرنے کے لیے تیار ہوا، اس نے دیکھا کہ اس آدمی کو شدید زخم پہنچا اور وہ موت کی تمنا کرنے لگا، بالآخر اس نے اپنے آپ کو اپنی تلوار سے قتل کر لیا، یعنی خودکشی کر لی۔ یہ سارا منظر دیکھنے والا آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے مخاطب ہوا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے آپ ﷺ کو وہ سارا واقعہ سنا دیا، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی بہ ظاہر جنتیوں والے اعمال کرتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ جہنمی ہوتا ہے اور اسی طرح کوئی آدمی بہ ظاہر جہنمیوں والے اعمال کرتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ جنتی ہوتا ہے۔[1]

فوائد:

1. حسنِ نیت اور حسنِ خاتمہ کی اہمیت۔
2. بسا اوقات اللہ تعالیٰ فاسق و فاجر آدمی سے بھی اپنے دین کا کام لے لیتے ہیں۔
3. رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی خبر کا سچ ثابت ہونا آپ ﷺ کی نبوت کی واضح دلیل تھا۔
4. صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب آپ ﷺ کی دی ہوئی خبر کو سچ ثابت ہوتے دیکھا تو ان کے دل مزید مطمئن ہو گئے، اسی لیے تو تعاقب کرنے والے صحابی نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

[1] السيرة النبوية للصلابي [489/3]

33- سوال کرنے سے پہلے ہی جواب دے دیا

سیدنا وابصہ اسدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں چاہتا تھا کہ میں آپ ﷺ سے ہر اچھے اور برے کام کے بارے میں سوال کروں۔ میں آپ ﷺ کے قریب ہوا، جب کہ اس وقت مسلمانوں کی ایک جماعت آپ ﷺ کے اردگرد بیٹھی آپ ﷺ سے سوال پوچھ رہی تھی۔ میں ان کی گردنیں پھلانگتا ہوا آگے بڑھا، تاکہ رسول اللہ ﷺ کے قریب ہو جاؤں۔ ان میں سے بعض لوگوں نے مجھے ڈانٹا اور کہا کہ اے وابصہ! اللہ کے رسول ﷺ کے پاس کچھ خیال کرو۔ میں نے کہا: مجھے چھوڑ دو، اللہ کی قسم! بے شک لوگوں میں سے سب سے پسندیدہ بات میرے لیے یہ ہے کہ میں ان سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے قریب ہو جاؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وابصہ کو چھوڑ دو۔ پھر کہا: وابصہ کو بلاؤ، پھر کہا: وابصہ کو قریب کرو۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنے اتنا قریب کر لیا کہ میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

« سَلْ أَوْ أُخْبِرُكَ » سوال کرو یا میں تمھیں کچھ خبر دوں؟

میں نے کہا: نہیں، بلکہ آپ ﷺ مجھے خبر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

« جِئْتَ تَسْأَلُ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ »

”تو نیکی اور گناہ کے بارے میں سوال کرنے آیا ہے۔“

میں نے جواب دیا: ہاں، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ اپنے ہاتھ میرے سینے پر مارنے لگے اور فرمانے لگے: اے وابصہ! اپنے دل سے سوال کرو (کہ نیکی اور گناہ کیا ہے؟) آپ ﷺ نے یہ بات تین بار ارشاد فرمائی:

«اَلْبِرُّ مَا اطْمَأَنَّتْ إِلَيْهِ النَّفْسُ، وَاطْمَأَنَّ إِلَيْهِ الْقَلْبُ، وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ وَأَفْتَوْكَ» [1]

"نیکی وہ ہے جس سے تیرا نفس اور تیرا دل مطمئن ہو جائے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکا پیدا کرے اور تیرے سینے میں تردد پیدا کرے، اگرچہ لوگ تجھے ہزار فتویٰ دیں۔"

تشریح:

سیدنا وابصہ رضی اللہ عنہ نو ہجری میں عام الوفود کے سال نبی اکرم ﷺ کے پاس کچھ سوالات پوچھنے آئے۔ یہ آگے بڑھتے ہوئے نبی کریم ﷺ کے بالکل قریب آ کر بیٹھ گئے۔ یہ روایت اس روایت سے ملتی جلتی ہے، جس کا تذکرہ حج کے ضمن میں بھی ملتا ہے کہ نبی مکرم ﷺ مسجدِ خیف میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے کہا کہ ان دونوں کو آگے آنے دو، کیونکہ یہ دونوں مسافر ہیں۔ ثقفی آدمی نے انصاری سے کہا: سوال کرو اور انصاری نے ثقفی سے کہا کہ تم سوال کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہتے ہو تو سوال کر لو، ورنہ اگر تم چاہتے ہو تو میں تمھیں بتا دیتا ہوں کہ تم دونوں کون سے سوال پوچھنے آئے ہو۔ انصاری نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ہمیں بتا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے حج کے بارے میں سوال پوچھنے آئے ہو کہ تمھارے لیے اس میں کیا (اجر) ہے؟ اپنے گھر سے نکلنے اور بیت اللہ کا قصد کرنے کا کیا اجر ہے؟

[1] مسند أحمد [17313] سنن الدارمي [2536] حسنه الألباني

بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی، عرفہ کے دن ٹھہرنا، بال منڈوانا، رمی کرنا، قربانی کرنا، ان سب میں کیا اجر ہے؟ اس آدمی نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ ﷺ سے یہی پوچھنے آئے تھے۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے ان کو تمام مناسکِ حج کا اجر بتایا اور بیت اللہ کے طواف کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے آخر پر فرمایا:

> ”تم بیت اللہ کا طواف کرنا، ایک فرشتہ تیرے پاس آئے گا، وہ اپنی ہتھیلی تیرے کندھے پر رکھے گا اور کہے گا: مزید نئے اعمال کر، تیرا صحیفہ (نامۂ اعمال) صاف ستھرا ہو جائے گا۔“

ان احادیث سے آپ ﷺ کے معجزات کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس اسلوب سے سائل یا حاضرینِ مجلس کو بات کا یقین ہو جاتا ہے اور جس آدمی کے دل میں کوئی شک و شبہہ ہو، وہ دور ہو جاتا ہے اور سامعین کے ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کھانا کھا رہے تھے، اس نے کہا: آپ محمد بن عبداللہ ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ہاں۔ اس نے پوچھا: آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ہاں۔ اس نے کہا: کون آپ کی گواہی دے گا کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ﷺ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ پیالہ جس سے تم کھا رہے ہو۔ آپ ﷺ نے وہ پیالہ اٹھا کر اس کے کان کے قریب کیا، اس نے اللہ کی تسبیح سنی اور وہ دو گواہیاں دے رہا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! یہ تسبیح بیان کر رہا ہے اور ساتھ یہ یہ کہہ رہا ہے۔ دوسرے آدمی نے کہا: اے اللہ کے

رسول ﷺ! مجھے بھی سنایئے، آپ ﷺ نے فرمایا: اسے غور سے سنو، اس نے پیالہ پکڑا اور سنا۔ تیسرے آدمی نے کہا: مجھے بھی سنائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، دو آدمیوں کی گواہی کافی ہے۔ آپ ﷺ نے اسے رکھ دیا۔

سیدنا وابصہ رضی اللہ عنہ وفد کی شکل میں اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، اس وقت رسول اللہ ﷺ کے اردگرد کافی لوگ جمع تھے، لیکن یہ لوگوں کے ہجوم سے گزرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ کر بیٹھ گئے۔

مجلس کے آداب کا تقاضا ہے کہ ہجوم کو توڑ کر آگے نہ نکلا جائے، لیکن کسی آدمی سے محبت اور دینی احکام سیکھنے کا جذبہ آدابِ مجلس پر فوقیت رکھتا ہے، جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں تین آدمی آئے۔ ایک آدمی کو جہاں جگہ نظر آئی، وہ وہاں پہنچ کر بیٹھ گیا۔ دوسرا آدمی لوگوں کے ہجوم میں داخل ہونے سے شرما گیا اور ان کے پیچھے (سب سے آخر میں) بیٹھ گیا اور تیسرا آدمی جگہ نہ دیکھ کر واپس چلا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمھیں (ان) تین آدمیوں کی خبر نہ دوں؟ ان میں سے ایک آدمی نے اللہ کی طرف جگہ حاصل کرنا چاہی تو اللہ تعالیٰ نے اسے جگہ دے دی۔ دوسرا آدمی اللہ تعالیٰ سے شرما گیا تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے شرما گئے اور تیرے آدمی نے اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے اعراض کیا۔

اسی طرح سیدنا وابصہ رضی اللہ عنہ بھی لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ کر بیٹھ گئے۔ بعض روایات میں ہے، وابصہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس اس غرض سے آیا کہ میں کوئی ایسی نیکی اور کوئی ایسا گناہ نہ چھوڑوں جس کے بارے میں آپ سے سوال نہ کروں۔ جب

رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے جلدی سے قریب کیا اور کہا: تم بتاؤ گے یا میں تمھیں بتاؤں؟

رسول اللہ ﷺ کا وابصہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح مخاطب ہونا اور جو بات وہ سوچ کر آئے تھے، اس کی خبر دینا، یہ آپ ﷺ کا ایک اچھوتا اور منفرد معجزہ تھا۔

بعض روایات میں ہے، وابصہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تین انگلیاں جمع کیں۔ راوی کہتے ہیں کہ کسی نے یہ نہیں بتایا کہ انگلیاں جمع کرنے کی کیفیت کیا تھی؟ (وابصہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں میرے سینے پر ماریں اور کہا کہ اپنے دل سے پوچھو۔ نیکی وہ ہے جس پر تیرا دل مطمئن ہو جائے۔

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ان کے دل کو متوجہ کرنے کے لیے سینے پر انگلیاں ماریں۔ ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن آدمی کا دل اس کے ایمان کی مضبوطی کی وجہ سے شفاف، روشن اور معاملہ فہم بن جاتا ہے اور اس فطرت کی طرف راہنمائی کرتا ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے، یعنی اس کے اندر ایسی صلاحیت آ جاتی ہے، جس کی بنا پر وہ صحیح غلط اور اچھے برے میں فرق کر سکتا ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنُ فَإِنَّهُ يَرَى بِنُوْرِ اللّٰهِ»

''مومن کی فہم و فراست سے ڈرو، کیوں کہ وہ اللہ کے نور (روشنی) کے ساتھ دیکھتا ہے۔''

نیکی کا معنی:

آپ ﷺ نے دل کو اچھائی یا برائی پرکھنے کا میزان اور آلہ قرار دیا، یعنی کسی چیز کے اچھا یا حلال ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ اس پر انسان کا دل

مطمئن ہو جائے اور جس کام پر اس کا دل مطمئن نہ ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ گناہ اور غلط ہے۔

بعض آثار میں یہ بھی آیا ہے کہ دل کے دکھ، تکلیف اور سختی سے بچو یا ایسے دل سے بچو جس پر گناہ قابو پا لیں۔

یعنی دل پر اتنے دکھ، درد غالب آ جائیں کہ وہ ان کی تاب نہ لا سکے۔

بعض لوگوں نے وابصہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ اشکال پیدا کیا کہ کیا اچھائی، برائی اور حلال و حرام کے تعین کے لیے ہم نفس اور دل سے راہنمائی لیں گے؟ ایسے نفس کہاں ہیں؟ ان کا کیا معیار ہے؟

علما نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ حلال اور حرام کے معاملات میں اس حدیث کو نہیں بھولنا چاہیے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ، وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا أُمُورٌ مُتَشَابِهَاتٌ»

”بے شک حلال چیزیں واضح ہیں اور حرام چیزیں بھی واضح ہیں اور ان کے درمیان کچھ متشابہ چیزیں ہیں۔“

اس حدیث کی رو سے ہم دل اور نفس سے اس وقت راہنمائی لیں گے جب کسی معاملے کا تعلق حلال اور حرام سے نہ ہو، کیونکہ حلال اشیا اور حرام اشیا واضح ہیں، ان میں کسی شک وشبہے کی کوئی گنجایش نہیں، البتہ درمیان میں کچھ امور ایسے ہیں، جن کا حلال اور حرام ہونا واضح نہیں ہوتا اور نہ ہر آدمی ان میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ»

”ان (متشابہات) کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

ایسے معاملات میں انسان کو مسلمانوں کے اجماع کی طرف رجوع کرنا

چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ کون سی چیز قرآن وسنت کی نص کے زیادہ قریب ہے۔

کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾ [النساء: 65]

''پس نہیں! تیرے رب کی قسم ہے! وہ مومن نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ تجھے اس میں فیصلہ کرنے والا مان لیں جو ان کے درمیان جھگڑا پڑ جائے، پھر اپنے دلوں میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں جو تو فیصلہ کرے اور تسلیم کر لیں، پوری طرح تسلیم کرنا۔''

بے شمار مسائل ایسے ہوتے ہیں جن میں صحیح راستہ تلاش کرنا مشکل ہوتا ہے اور کسی ایک موقف پر مسلمانوں کا دل مطمئن نہیں ہو رہا ہوتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ ﴾ [الأنفال: 7]

''اور تم چاہتے تھے کہ جو کانٹے والا نہیں، وہ تمھارے لیے ہو۔''

یعنی جنگِ بدر کے موقع پر مسلمان لڑائی کی غرض سے نہیں گئے تھے، بلکہ وہ مالِ غنیمت کی خاطر گئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کچھ اور تھا، اسی وجہ سے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے آپ اس کی اتباع کریں، شاید آپ جس ارادے سے نکلے تھے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس سے مختلف ہے، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ اللہ کے ارادے کے مطابق چلیں۔

اسی طرح جاہلیت میں وہ لوگ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو برائی شمار کرتے تھے، لیکن جب نبی کریم ﷺ نے اسے جائز قرار دینے کا ارادہ کیا تو فرمایا:

«مَنْ لَمْ يَسُقِ الْهَدْيَ فَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً»

''جو قربانی ساتھ لے کر نہیں آیا تو اس کو عمرہ بنا لے۔''

آپ کے خیال میں کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کر لی ہو گی؟ نہیں، بلکہ صحابہ کرام ٹھہر گئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ! یعنی عورتوں کے پاس جانا بھی حلال ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ہاں، سب کچھ حلال ہے، انھوں نے کہا: کیا ہم منیٰ کی طرف اس حالت میں جائیں کہ ہمارے اعضا سے منی ٹپک رہی ہو؟

گویا صحابہ کرام کے دل اس نئے حکم کو سن کر مطمئن نہیں ہو رہے تھے اور وہ اس پر تعجب کر رہے تھے، لیکن اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے سینوں کو کھول دیا اور انھوں نے آپ ﷺ کے حکم کی اطاعت کی۔

کون سے معاملات میں دل سے راہنمائی لینی چاہیے؟

جن معاملات کے بارے میں کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ ﷺ سے واضح نص موجود ہو، ان میں اپنی مرضی یا کسی عالم کی رائے کی کوئی گنجایش نہیں ہے، کیونکہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کی نص کا تقاضا ہے کہ اسے من وعن تسلیم کیا جائے، البتہ جب کسی معاملے میں واضح نص موجود نہ ہو یا نص ہو، لیکن مجمل ہو یا کسی دوسری نص کی وجہ سے تعارض آ رہا ہو اور انسان ان میں جمع و تطبیق کی کوئی صورت نہ نکال سکتا ہو یا راجح کا تعین نہ کر پا رہا ہو اور نہ ان علوم کا ماہر کوئی شخص موجود ہو تو ایسی صورت میں انسان کو اپنے دل سے فتویٰ لینا چاہیے اور جس بات پر اس کا دل مطمئن ہو جائے، اس پر عمل کر لینا چاہیے۔ اگر اس وقت وہ اپنے دل میں کوئی ڈر یا لوگوں کی ملامت کا کوئی خوف محسوس کرے تو اسے جان لینا چاہیے کہ یہ گناہ ہے۔

ایسے معاملات میں انسان کا اپنے دل کی طرف رجوع کرنا کسی پیمانے کی بنا پر نہیں، بلکہ یہ خالص ایمان کی بنا پر ہے، کیونکہ ایمان کی حالت میں دل عین فطرت کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور فطرت ہمیشہ خیر کی طرف راہنمائی کرتی ہے، البتہ اگر درمیان میں شیطانی عوارض اور شیطان کا اثر و رسوخ غالب آ جائے تو وہ انسان کو راہِ راست سے ہٹا دیتا ہے، جس کی وجہ سے انسان کا دل غلط کام پر بھی مطمئن ہو جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے اپنے سب بندوں کو مسلمان پیدا کیا ہے، لیکن پھر ان کے پاس شیاطین آئے اور انھوں نے ان کو دین سے دور کر دیا، یعنی ایسی صورت میں انسان شبہات میں پڑ جاتا ہے، حرام کھانا شروع کر دیتا ہے اور اس کے دل سے ایمان کی روشنی ختم ہو جاتی ہے اور وہ دین سے غافل ہو جاتا ہے۔

دل میں ایمان کا موجود ہونا ایسے ہی ہے، جیسے چراغ میں روشنی ہوتی ہے۔ جس طرح چراغ کی روشنی بڑھتی جاتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی زیادہ عبادت کرنے سے دل کا ایمان بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال اس طرح بیان فرمائی ہے:

﴿ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ﴾ [النور: 35]

''اس کے نور کی مثال ایک طاق کی سی ہے، جس میں ایک چراغ ہے، وہ چراغ ایک فانوس میں ہے، وہ فانوس گویا چمکتا ہوا تارا ہے، وہ (چراغ) ایک مبارک درخت زیتون سے روشن کیا جاتا ہے، جو نہ

شرقی ہے اور نہ غربی۔ اس کا تیل قریب ہے کہ روشن ہو جائے، خواہ اسے آگ نے نہ چھوا ہو، نور پر نور ہے۔“

یعنی زیتون کا تیل صاف اور معتدل ہے اور وہ درخت ایسے کھلے میدان اور صحرا میں ہے کہ اس پر سورج کی روشنی صرف سورج طلوع یا غروب ہونے کے وقت ہی نہیں پڑتی، بلکہ سارا دن وہ سورج کی روشنی میں رہتا ہے اور اس کی حرارت ایسی نہیں ہوتی کہ درخت پر اثر انداز ہو سکے اور اس کا پھل بھی بہت عمدہ ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَىٰ نُورٍ﴾

[النور: 35]

”اس کا تیل قریب ہے کہ روشن ہو جائے، خواہ اسے آگ نے نہ چھوا ہو، نور پر نور ہے۔“

یعنی فطرت اور اعمال صالحہ کا نور اس دل کو خوش نما بنا دیتا ہے، لیکن جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس پر سیاہ رنگ کا ایک دھبا لگا دیا جاتا ہے، پھر جب ایک اور گناہ کرتا ہے تو دوسرا سیاہ دھبا لگا دیا جاتا ہے۔ اگر گناہوں کی تعداد بڑھتی چلی جائے تو دل زنگ آلود ہو جاتا ہے، اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾

[المطففين: 14]

”ہرگز نہیں، بلکہ بے شک وہ اس دن یقیناً اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے۔“

دل کا زنگ دور کرنے، سیاہ دھبوں کو دور کرنے اور صاف کرنے کے لیے ندامت، شرمندگی، توبہ اور رجوع الی اللہ کی ضرورت ہوتی ہے اور جب دل اپنی اصلی اور فطری حالت میں ہوتا ہے، اس وقت وہ اتنا حساس ہوتا ہے کہ ہر

چیز کا اثر قبول کرتا ہے، اسی وجہ سے بعض لوگوں نے اسے چھٹی حس کا نام دیا ہے، لیکن ہم اسے ایمان ویقین کی حس کا نام دیں گے۔

دلی اطمینان کی پہچان:

دوسری روایت میں ہے کہ وابصہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے یہ کیسے معلوم ہوگا کہ میرا دل مطمئن ہو گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

« ضَعْ يَدَكَ عَلَى قَلْبِكَ، فَإِنَّ الْقَلْبَ يَطْمَئِنُّ لِلْحَلَالِ، وَلَا يَطْمَئِنُّ لِلْحَرَامِ »

''اپنا ہاتھ اپنے دل پر رکھو، کیوں کہ دل حلال پر مطمئن ہوتا ہے اور حرام پر مطمئن نہیں ہوتا۔''

اب تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ مجرم سے دورانِ تفتیش جب اس کے دل پر ہاتھ رکھ کر اس چیز کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے، جس کا اس پر الزام ہوتا ہے تو اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے اور اس کی نبض تیزی سے چلنے لگتی ہے، جب کہ اس کے برعکس جب اس سے کسی اور موضوع پر سوال پوچھا جاتا ہے تو اس کی نبض معتدل ہو جاتی ہے اور وہ سکون کے ساتھ اس سوال کا جواب دیتا ہے، یعنی سوالات کا سلسلہ بدلتے ہی اس کی نبض میں بھی تبدیلی آجاتی ہے۔ جب اس کے جرم سے متعلق سوال پوچھے جاتے ہیں تو اس کی دلی کیفیت اور ہوتی ہے اور جب جرم کے علاوہ کوئی اور سوالات پوچھے جاتے ہیں تو اس کی دلی کیفیت بدل جاتی ہے۔ حدود وتعزیرات کے ضمن میں اس چیز کو تفصیل کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔

یہاں پر ہم اپنے ان طالب علم بھائیوں اور دوستوں سے مخاطب ہونا چاہتے ہیں جو اپنے اندر اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہیں، لیکن وہ اسلاف کے فہم سے اعراض کرتے ہیں اور ان کی آرا سے دور رہتے ہیں، خاص طور پر جب کسی

مسئلے میں کوئی واضح نص موجود نہ ہو یا بہت زیادہ اختلاف ہو تو وہ اسلاف کی باتوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔

ہماری ان لوگوں سے گزارش ہے کہ تمھارا یہ رویہ مستحسن نہیں ہے، کیونکہ اگر چاروں ائمہ، ان کے معتقدین اور آپ سب سے کوئی ایک مسئلہ پوچھا جائے، جس کے بارے میں قرآن و سنت کی کوئی واضح نص موجود نہ ہو اور بالآخر طے یہ پائے کہ اس مسئلے میں اس چیز پر عمل کیا جائے گا، جس پر دل مطمئن ہو، اب اگر ان کے موقف اور تمھارے موقف، ان کی رائے اور تمھاری رائے میں اختلاف ہو تو سوال یہ ہے کہ ہم کن لوگوں کے دلوں کا اطمینان تسلیم کریں؟ ہم کس کے موقف کو ترجیح دیں؟ آپ کے موقف کو یا اسلاف کی بات کو؟

یقیناً ہم اسلاف کی بات کو ترجیح دیں گے، ان کے دلوں کا اطمینان ہمارے لیے قابل قبول ہوگا۔ ہم اسی چیز کو حتمی سمجھیں گے، جس پر ان کا فتویٰ ہوگا، کیونکہ وہ اخیارِ امت ہیں اور ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے گواہی دی ہے کہ وہ سب سے بہتر ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی علمی بصیرت، فقہی بصیرت، ان کی آرا اور ان کے فتاویٰ کا کوئی ثانی نہیں ہوسکتا۔ ہم میں سے ہر شخص ان کے علم، عمل، ورع، تقویٰ اور زہد کے بارے میں خوب جانتا ہے۔ اگر ہم اپنا موازنہ ان کے ساتھ کریں تو ہم ان کے علم اور تقوے کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

پھر ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم نے ان کی علمی خدمات، ان کے اقوال، ان کے فتاویٰ اور ان کی آرا سے راہنمائی نہیں لینی تو کیا ان کے علمی ذخیرے کو کسی کنویں میں پھینک دیں؟

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ان کی آرا کو اس لیے چھوڑ رہا ہوں کہ میرا دل ان سے مختلف رائے پر مطمئن ہے، تو ہم اس سے گزارش کریں گے کہ تم اپنے

آپ کو اسلاف سے حقیر سمجھو اور اپنے نفس کی پیروی کے بجائے ان بزرگوں کی بات پر کان دھرو، کیونکہ وہ ہم میں سے سب سے بہتر ہیں۔ مختصراً ہماری صرف اتنی سی گزارش ہے کہ اسلاف کے اقوال سے فائدہ اٹھاؤ اور ان کی راہنمائی میں چلو۔

بعض لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جانور بھی اچھے برے میں تمیز کر سکتے ہیں۔ مجھے میرے ایک قابلِ احترام بزرگ نے کہا کہ بکریاں حلال اور حرام میں فرق کر سکتی ہیں۔ میں نے پوچھا: کیسے؟ تو انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تمھارے گھر میں بکریاں ہیں؟ میں نے جواب دیا: ہاں۔ انھوں نے کہا: تم ایک تجربہ کرنا کہ سڑک پر گھاس رکھنا، پھر اپنی اور اپنے ہمسائیوں کی بکریوں کو ایک ساتھ اس طرف چھوڑ دینا، تم دیکھو گے کہ ہمسائے کی بکریاں وہ چارہ کھاتے ہوئے آگے گزر جائیں گی اور تمھاری بکریاں ادھر ہی کھڑی رہیں گی، اس لیے کہ وہ جانتی ہیں کہ گھاس تم نے رکھی ہوئی ہے اور ہمسائیوں کی بکریاں جانتی ہیں کہ گھاس ان کے مالک نے نہیں رکھی اور اس پر ان کا حق نہیں ہے۔

انھوں نے کہا کہ اگر تم روٹی کھا رہے ہو اور اس دوران میں بکری تمھارے پاس آ جائے اور تم اسے روٹی دے دو تو وہ ادھر تمھارے پاس کھڑی ہو کر ہی کھا لے گی، لیکن اگر وہ تم سے جھپٹ مار کر چھین لیتی ہے تو پھر ادھر تمھارے پاس کھڑے ہو کر نہیں کھائے گی، بلکہ تم سے دور بھاگ جائے گی اور وہاں جا کر کھائے گی، کیوں کہ وہ جانتی ہے کہ اس پر اس کا حق نہیں تھا، اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جانوروں میں بھی حلال اور حرام کی تمیز کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ کا حکم یہ ہے:

«دَعْ مَا یُرِیْبُكَ إِلَی مَا لَا یُرِیْبُكَ»

''اس چیز کو چھوڑ دو جو تمھیں شک میں مبتلا کرے، اس چیز کے

بدلے میں جو تمھیں شک میں نہ ڈالے۔‘‘

لہٰذا جب کسی معاملے میں خوف، گھبراہٹ کا کھٹکا اور عدمِ اطمینان پیدا ہو جائے تو اسے فوراً چھوڑ دو اور جب تم ایسی چیز کو چھوڑ دو گے تو یقیناً تم اطمینان اور سکون محسوس کرو گے اور تمھارا خوف ختم ہو جائے گا۔

﴿ وَكَرِهْتَ أَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ ﴾ انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کوئی اچھا کام کرتا ہے تو اسے اس چیز کی قطعا پروا نہیں ہوتی کہ اسے کون دیکھ رہا ہے یا کون نہیں؟ لیکن جب وہ کوئی مکروہ یا غلط کام کرتا ہے تو اسے مسلسل فکر رہتی ہے کہ کہیں مجھے کوئی دیکھ نہ لے اور کسی کو میری حرکت کا علم نہ ہو جائے۔ یہ حدیث اللہ اور بندے کے درمیان تعلق میں دل کے کردار کو واضح کرتی ہے۔[1]

فوائد:

1. نیکی اور گناہ کا ضابطہ بیان ہوا ہے۔
2. حسنِ اخلاق کی ترغیب دی گئی ہے۔
3. سچے مومن پر حق اور باطل متشابہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنے ایمان کی روشنی سے حق کو پہچان لیتا اور باطل سے راہِ فرار اختیار کر لیتا ہے۔
4. نبی مکرم ﷺ کا عظیم الشان معجزہ کہ آپ ﷺ نے وابصہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کی خبر دی، جو وہ آپ ﷺ سے پوچھنا چاہتے تھے۔
5. فتوے سے شبہہ زائل نہیں ہوتا، اگرچہ فتویٰ پوچھنے والا ان لوگوں میں سے ہو، جن کا اللہ تعالیٰ نے سینہ کھول دیا ہو۔

---

[1] شرح الأربعين النووية [60/2]

34- رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو خبر دی وہ سچ ثابت ہوئی

سیدنا عامر بن سعد اپنے والد محترم سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں (سعد رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے سال میری عیادت کے لیے تشریف لائے۔ میں سخت بیمار تھا۔ میں نے عرض کی: میرا مرض شدت اختیار کر چکا ہے۔ میرے پاس مال بہت زیادہ ہے اور میری وارث بننے والی صرف ایک لڑکی ہے، تو کیا میں اپنے دو تہائی مال کو صدقہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ میں نے عرض کی: آدھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلثُّلُثَ وَالثُّلُثُ كَبِيرٌ، أَوْ: كَثِيرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ، وَإِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أُخَلَّفُ بَعْدَ أَصْحَابِي؟ قَالَ: إِنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ فَتَعْمَلَ عَمَلًا صَالِحًا إِلَّا ازْدَدْتَ بِهِ دَرَجَةً وَّرِفْعَةً، ثُمَّ لَعَلَّكَ أَنْ تُخَلَّفَ حَتَّى يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ، وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُونَ، اَللّٰهُمَّ أَمْضِ لِأَصْحَابِي هِجْرَتَهُمْ وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلَى أَعْقَابِهِمْ» لٰكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ يَرْثِي لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ.[1]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1213] صحيح مسلم، رقم الحديث [1628]

’’ایک تہائی کر دو اور ایک تہائی بھی زیادہ ہے، (فرمایا) اگر تو اپنے وارثوں کو اپنے پیچھے مال دار چھوڑ جائے تو یہ اس سے بہتر ہو گا کہ انھیں محتاجی میں اس طرح چھوڑ کر جائے کہ وہ لوگوں سے مانگتے پھریں اور بے شک جو خرچ تم اللہ کی رضا کی خاطر کرو گے، اس پر بھی تمھیں اجر ملے گا، حتی کہ اس لقمے پر بھی جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے، پھر میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے چھوڑ دیا جاؤں گا؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم اگر یہاں رہ کر نیک عمل کرو گے کہ اس سے تمھارے درجات بلند ہوں گے، پھر شاید تمھارے پیچھے رہنے کی وجہ سے لوگوں کو بھی تم سے فائدہ ہو گا اور کچھ لوگوں (کافروں) کو تم سے نقصان پہنچے گا (پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی) اے اللہ! میرے ساتھیوں کی ہجرت ثابت قدمی فرما دے اور ان کے قدم پیچھے کی طرف نہ لوٹیں۔ لیکن مصیبت زدہ سعد بن خولہ کہ مکے میں وفات پا جانے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان پر غم کا اظہار کیا تھا۔‘‘

تشریح:

اس حدیث میں بیان ہوا ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ شدید بیمار ہو گئے، تو نبی اکرم ﷺ ان کی عیادت کرنے آئے۔ یہ واقعہ مکے میں اس وقت پیش آیا، جب آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حج کی غرض سے مدینے سے مکے آئے ہوئے تھے۔ سعد رضی اللہ عنہ اصلاً مکے کے رہنے والے تھے، لیکن ہجرت کر کے مدینے چلے گئے تھے۔ اب حجۃ الوداع کے موقع پر مکے آئے تو ادھر بیمار ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ بیمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عیادت

کیا کرتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ سب سے زیادہ عمدہ اخلاق، نرم خو اور اپنے ساتھیوں سے انتہا درجے کی محبت کرنے والے تھے۔

رسول اللہ ﷺ جب سعد رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنے آئے تو سعد رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں بہت بڑی بیماری میں مبتلا ہو گیا ہوں اور میں کافی مال دار بھی ہوں، لیکن پریشانی یہ ہے کہ میرے ورثا میں میری صرف ایک بیٹی ہے یعنی اس کے علاوہ میرا کوئی وارث نہیں ہے، تو کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ پھر میں نے عرض کی: نصف مال صدقہ کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک تہائی کر دو، لیکن یاد رکھو، یہ بھی بہت زیادہ ہے۔

چونکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیمار تھے اور ان کو اس بیماری میں موت کا خدشہ تھا، جس کی وجہ سے انھوں نے آپ ﷺ سے اپنا مال اللہ کے راستے میں صدقہ کرنے کی اجازت چاہی، لیکن آپ ﷺ نے ان کو اتنا زیادہ مال صدقہ کرنے سے منع کر دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماری کی حالت میں اور خاص طور پر جب موت کا خدشہ ہو تو ایک تہائی سے زائد کی وصیت کرنا جائز نہیں، کیونکہ مال میں صرف اسی کا حق نہیں ہوتا، بلکہ اس کے ورثا کا بھی حق ہوتا ہے۔ البتہ جب آدمی تندرست ہو یا معمولی بیماری ہو تو اس وقت وہ جتنا چاہے اپنے مال سے صدقہ کر سکتا ہے۔ نصف، دو تہائی یا اگر سارا بھی کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن بہتر اور عمدہ بات یہ ہے کہ اپنا سارا مال صدقہ نہ کرے، بلکہ اپنے پاس اتنا ضرور رکھے جس سے وہ دوسرے لوگوں کی محتاجی سے بچا رہے۔

سب سے اہم نقطہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک تہائی بھی زیادہ ہے، اس کا مطلب ہے کہ اگر ایک تہائی سے کم کی وصیت کی جائے تو یہ زیادہ

بہتر اور اچھا ہوگا، اسی لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ کاش لوگ ایک تہائی چھوڑ کر ایک ربع وصیت کیا کریں، کیونکہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ایک تہائی کی وصیت کرو اور ایک تہائی بھی زیادہ ہے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس پر راضی ہوں، جس پر اللہ تعالیٰ اپنے نفس کے لیے راضی ہے۔ یعنی خمس، چنانچہ انھوں نے خمس کی وصیت کی۔

آج کل ہم لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایک تہائی کی وصیت کرتے ہیں، جو خلافِ اولیٰ ہے۔ یہ اگرچہ جائز تو ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ ایک تہائی سے کم کی وصیت کی جائے، خواہ ربع کی ہو یا خمس کی۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم مالدار ہو، تمھیں سارا مال صدقہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ تمھارا اپنے ورثا کو مالدار اور غنی چھوڑ کر جانا ان کو بدحال اور مفلس چھوڑ کر جانے سے بہتر ہے۔

«يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ» کا معنی ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرتے پھریں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کا اپنے ورثا کو مالدار چھوڑ کر جانا بہ ذاتِ خود اس کے لیے بھی نفع مند ہوتا ہے۔

«إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً» یعنی مال، درہم و دینار خرچ کرنا، اسے کپڑے پہنانا اور کھانا کھلانا وغیرہ۔

«تَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهِ» یعنی اگر تو ایک لقمہ بھی اللہ کی رضا کی خاطر اپنی بیوی کو کھلائے گا تو اس کا تجھے اجر دیا جائے گا، حالانکہ اپنی بیوی پر خرچ کرنا لازمی امر ہے، اگر وہ اسے نہ کھلائے پلائے گا تو وہ طلاق کا مطالبہ کر دے گی، یعنی وہ کام جو ہر حال میں کرنا ہے، اس میں اگر اللہ کی رضا کی نیت کر لی جائے تو اس پر بھی اجر ہے۔

اسی طرح جب آدمی اپنی اولاد، اپنے والدین اور خود اپنے اوپر خرچ کرتا

ہے اور اس کی نیت اللہ کو راضی کرنے کی ہو تو اس کو اس کا بھی اجر ملے گا۔

« أُخَلَّفُ بَعْدَ أَصْحَابِي؟ » سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کیا میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ جاؤں گا اور مکے میں فوت ہو جاؤں گا؟ نبی اکرم ﷺ نے ان کو تسلی دی کہ تم پیچھے نہیں رہو گے، بلکہ اگر تم ادھر رہ کر بھی نیکیاں کرو گے اور اللہ کی رضا کی خاطر نیک اعمال کرو گے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھارے درجات میں اضافہ ہوگا، یعنی بالفرض اگر تم بیماری کی وجہ ہمارے ساتھ مدینے نہ جا سکے اور ادھر مکہ ہی میں رہ گئے تو پھر بھی تمھارے لیے گھاٹے کا سودا نہیں، بلکہ تم ادھر رہ کر نیک اعمال کرنا، اللہ تعالیٰ تمھارے درجات بلند کریں گے، تمھارا مقام و مرتبہ بڑھا دیں گے اور تمھیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں گے۔

« لَعَلَّكَ أَنْ تُخَلَّفَ » یعنی دنیا میں تمھیں لمبی عمر نصیب ہوگی اور یہی ہوا حضرت سعد رضی اللہ عنہ لمبے عرصے تک زندہ رہے۔

علما نے بیان کیا ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ اپنے پیچھے سترہ بیٹے اور بارہ بیٹیاں چھوڑ کر فوت ہوئے تھے، حالاں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ان کی صرف ایک بیٹی تھی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو لمبی عمر، وافر مقدار میں رزق اور بہت زیادہ اولاد عطا فرمائی۔

« حَتّٰى يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ وَيَضُرُّ بِكَ آخَرُوْنَ » رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی اس طرح ظاہر ہوئی کہ سعد رضی اللہ عنہ نے بے شمار جنگیں لڑیں اور فتوحات حاصل کیں، جس سے مسلمانوں کو نفع ہوا اور کافروں کا نقصان ہوا۔[1]

فوائد:

(1) مریضوں کی عیادت کرنا رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں سے ہے۔

[1] شرح رياض الصالحين [8/1]

مریض کی عیادت کرنے میں عیادت کرنے والے اور جس کی عیادت کی جائے، دونوں کے لیے بے شمار فوائد ہیں۔ کوئی آدمی جب کسی کی عیادت کرتا ہے تو دراصل وہ اپنے مسلمان بھائی کا حق ادا کرتا ہے، کیونکہ مریض کی عیادت کرنا مسلمان کے حقوق میں شامل ہے۔

۲ انسان جب کسی مریض کی عیادت کرتا ہے تو وہ مسلسل جنت کے باغوں میں رہتا ہے۔

۳ اس سے عیادت کرنے والے کو صحت و تندرستی کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوتا ہے، وہ بیمار آدمی سے عبرت حاصل کرتا ہے، وہ اپنے آپ کو تندرست دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔

۴ اس میں محبت کا عنصر بھی ہے۔ مریض ہمیشہ ایسے آدمی کو یاد رکھتا ہے، جس نے بیماری میں اس کا حال پوچھا ہوتا ہے۔ جب بھی اسے ایسے آدمی کی یاد آتی ہے تو وہ محبت بھرے جذبات کا اظہار کرتا ہے، خاص طور پر جب وہ صحت یاب ہو جاتا ہے تو ایسے آدمی کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

۵ عیادت کرنے سے مریض کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے غم، پریشانی اور مشکل میں کمی ہوتی ہے۔ بسا اوقات عیادت کرنے والا اس کو ایسی نصیحت کر جاتا ہے، جو مریض کے لیے فائدہ مند ہوتی ہے، مثلاً توبہ، رجوع الی اللہ اور ادائے قرض وغیرہ کی نصیحت کرنا۔

۶ نبی کریم ﷺ کے حسنِ اخلاق کا بیان۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی مکرم ﷺ سب سے عمدہ اخلاق کے مالک تھے، اسی وجہ سے آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عیادت کرتے تھے، ان سے ملنے جاتے تھے، ان کو سلام کیا کرتے تھے، حتی کہ چھوٹے بچوں کے پاس سے گزرتے ہوئے آپ ﷺ

ان کو بھی سلام کیا کرتے تھے۔

⑦ انسان کو اپنے معاملات کے بارے میں اہلِ علم سے مشورہ لینا چاہیے، جیسے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے مشورہ لیا کہ کیا میں اپنے مال سے دو تہائی کی وصیت کر سکتا ہوں۔

⑧ آدمی کو چاہیے کہ جس سے مشورہ لے رہا ہے ساری حقیقت اس کے سامنے رکھے، جیسے سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں مال دار ہوں اور میرے ورثا میں صرف میری ایک بیٹی ہے۔

⑨ کلمہ ''نہیں'' استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ استعمال کیا کرتے تھے۔

⑩ مریض کو اپنی بیماری یا موت کے خوف کی وجہ سے ایک تہائی سے زائد کی وصیت نہیں کرنی چاہیے، البتہ اگر اس کے ورثا ایک تہائی سے زیادہ کی اجازت دے دیں تو یہ علاحدہ بات ہے۔

⑪ بہتر یہ ہے کہ ایک تہائی سے بھی کم کی وصیت کی جائے، جیسا کہ وضاحت پیچھے گزری ہے۔

⑫ جب انسان کے پاس مال تھوڑا ہو اور اس کے ورثا تنگدست ہوں تو اسے ہی تھوڑے مال کی وصیت نہیں کرنی چاہیے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ وصیت کرنا ہر حالت میں لازمی ہے، حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جانا ان کو تنگدست چھوڑ کر جانے سے بہتر ہے۔

⑬ مہاجر صحابہ کو خوف تھا کہ کہیں مکے میں ان کو موت نہ آ جائے اور ان کی ہجرت پر کوئی اثر نہ پڑ جائے، اسی لیے سعد رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ کیا میں پیچھے چھوڑ دیا جاؤں گا؟

⑭ رسول اللہ ﷺ کا عظیم الشان معجزہ کہ سعد رضی اللہ عنہ کے حق میں آپ ﷺ کی پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی اور وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے۔

⑮ انسان جہاں رہ کر بھی اللہ کی رضا کی خاطر نیک اعمال کرے، اسے ان کا فائدہ ہو گا، خواہ وہ ایسی جگہ میں ہو، جہاں اس نے مستقل نہ رہنا ہو، اسی لیے اہلِ علم کا راجح قول یہی ہے کہ غصب شدہ زمین پر نماز ادا کرنا درست ہے، کیونکہ ممانعت نماز کی نہیں، بلکہ ممانعت غصب شدہ زمین کی ہے۔

⑯ انسان جب اللہ کی رضا کی خاطر کچھ خرچ کرتا ہے تو اسے اس کا اجر دیا جاتا ہے، حتیٰ کہ اپنے بیوی بچوں پر بھی اللہ کی رضا کی خاطر خرچ کرنے کا اسے اجر و ثواب ملے گا۔

⑰ انسان کو ترغیب دی گئی ہے کہ اسے ہر معاملے میں اللہ کی رضا و خوشنودی اور تقرب کی نیت رکھنی چاہیے، حتیٰ کہ وہ کام جو واجبات میں شامل اور ہر حالت میں کرنے ہیں، ان میں بھی اگر نیت درست ہو تو اجر و ثواب ملتا ہے۔

⑱ قرآن و سنت میں مذکور وصیت کے عمومی حکم کو ایک خاص پس منظر میں رکھنا جائز ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔

35- جب رسول اللہ ﷺ نے تین سپہ سالاروں کی شہادت کی خبر دی

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا:

«أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَهَا جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَهَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَهَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ عَنْ غَيْرِ إِمْرَةٍ فَفُتِحَ لَهُ، وَقَالَ: مَا يَسُرُّنَا أَنَّهُمْ عِنْدَنَا»

"فوج کا جھنڈا اب زید نے پکڑا ہے اور وہ شہید کر دیے گئے، پھر جعفر رضی اللہ عنہ نے پکڑا اور وہ بھی شہید کر دیے گئے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پکڑا اور وہ بھی شہید کر دیے گئے۔ اب کسی امر کے بغیر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ لیا ہے اور ان کے ہاتھ پر فتح ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہمیں اس بات کی خوشی نہیں تھی کہ وہ (جو شہید ہو گئے) ہمارے درمیان زندہ رہتے۔"

ایوب راوی بیان کرتے ہیں: یا فرمایا:

«مَا يَسُرُّهُمْ أَنَّهُمْ عِنْدَنَا، وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ»[1]

"ان کو اس بات کی خوشی نہ تھی کہ وہ ہمارے ساتھ زندہ رہتے اور اس بات کے وقت آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔"

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2589]

تشریح:

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے ایک عظیم معجزے اور کرامت کی خبر دی گئی ہے، جو آپ ﷺ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی تھی اور وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے شام کے علاقے میں یکے بعد دیگرے شہید ہونے والے تین اسلامی جرنیلوں کی خبر دی۔ یہ جنگِ موتہ کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جمع ہونا شروع کر دیا اور اتنی کثیر تعداد میں لوگ جمع ہو گئے کہ اس سے پہلے کبھی اتنی تعداد نہ ہوئی تھی۔ یہ تین ہزار کا لشکر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے علی الترتیب زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کو اس کا امیر مقرر فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ تم اس جگہ پر پہنچو، جہاں حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا ہے، وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ٹھیک، ورنہ دوسری صورت میں تم ان سے لڑائی کرنا اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس لشکر کو روانہ کرتے ہوئے آدابِ جنگ کے حوالے سے بے شمار ایسی نصیحتیں فرمائیں، جو اس سے پہلے کسی جنگ پر روانہ کرتے ہوئے نہ فرمائی تھیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمھیں اللہ سے ڈرنے اور تمھارے ساتھ جو مسلمان ہیں، ان سے خیر خواہی کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے نام سے، اللہ کی راہ میں، اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے جنگ کرو، ان کے ساتھ بد عہدی اور خیانت نہ کرنا۔ کسی بچے، عورت، عمر رسیدہ بوڑھے اور کسی گرجے میں پناہ لیے ہوئے آدمی کو قتل نہ کرنا، ان کی

کھجوروں کے قریب نہ جانا، ان کے درختوں کو کاٹنا اور نہ ان کی عمارتوں کو منہدم کرنا اور جب تم اپنے مشرک دشمن سے ملو تو ان کو تین باتوں کی دعوت دینا: وہ اسلام قبول کر لیں، جزیہ دے دیں یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔

میدانِ جنگ میں پہنچ کر محبوبِ رسول ﷺ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا پکڑا اور اتنی ہمت و بہادری سے لڑے کہ اسلامی جانبازوں کے علاوہ کسی اور جگہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ وہ اتنا لڑے کہ دشمن کے نیزوں میں کود گئے اور شہید ہو کر زمین پر آ گرے۔ اس کے بعد جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جھنڈا پکڑا اور بے مثال جنگ لڑی۔ جب لڑائی اپنی شدت کو پہنچی تو وہ اپنے سرخ و سیاہ گھوڑے کی پشت سے کود پڑے، اس کی کوچیں کاٹ دیں اور وار پر وار کرتے رہے، یہاں تک کہ دشمن کے وار سے دایاں ہاتھ کٹ گیا۔

پھر انھوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا اور اسے مسلسل بلند رکھا، یہاں تک کہ بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا، پھر دونوں باقی ماندہ بازوؤں سے جھنڈا اپنی آغوش میں لے لیا اور اس وقت تک بلند رکھا، جب تک شہید نہ ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک آدمی نے ان کو ایسی تلوار ماری کہ ان کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے دونوں بازوؤں کے عوض جنت میں دو بازو عطا کیے، جن کے ذریعے وہ جہاں چاہتے ہیں اڑتے ہیں، اسی لیے ان کا لقب جعفر طیار اور جعفر ذوالجناحین پڑ گیا۔ اس طرح کی شجاعت و بسالت سے بھرپور جنگ کے بعد جب جعفر رضی اللہ عنہ بھی شہید کر دیے گئے تو اب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پرچم اٹھایا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھے اور اپنے آپ کو مقابلے کے لیے آمادہ کرنے لگے، لیکن انھیں تھوڑی سی ہچکچاہٹ ہوئی، یہاں تک کہ تھوڑا سا گریز بھی کیا، لیکن اس کے بعد کہنے لگے: اے جان! قسم ہے کہ تو ضرور مدمقابل پر

اتر، خواہ ناگواری کے ساتھ خواہ خوشی خوشی، اگر لوگوں نے جنگ برپا کر رکھی ہے اور نیزے تان رکھے ہیں تو میں تجھے کیوں جنت سے گریزاں دیکھ رہا ہوں؟!

اس کے بعد وہ مقابلے میں اتر آئے، اسی دوران میں ان کا چچیرا بھائی ایک گوشت بھری ہڈی لے آیا اور بولا: اس کے ذریعے اپنی پیٹھ مضبوط کرلو، کیونکہ ان دنوں تمھیں سخت حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے، انھوں نے ہڈی لے کر ایک بار نوچی، پھر پھینک کر تلوار تھام لی اور آگے بڑھ کر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔[1]

یہ واقعہ پڑھنے کے بعد ذہن میں سوال آتا ہے کہ کون ہے جس نے نبی اکرم ﷺ کو ان سب سپہ سالاروں کی شہادت کی خبر دی؟ حالانکہ اس وقت کسی کو وہاں ان کی خبر نہ تھی۔

فوائد:

1. نبی کریم ﷺ نے ان تین سپہ سالاروں کی وفات کا اعلان فرمایا اور یہ اعلان ان کی نمازِ جنازہ کی غرض سے نہیں تھا، بلکہ محض مسلمانوں کو اطلاع دینے کی غرض سے تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی وفات کا اعلان کرنا اور لوگوں کو خبر دینا جائز ہے۔

2. بسا اوقات اچھے ارادے، صبر و استقامت اور انتھک محنت کے لیے حالات سازگار نہیں ہوتے۔ شریعت نے ایسے مواقع کے لیے قواعد وضوابط میں نرمی رکھی ہے، مندرجہ بالا حدیث میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بھی اسی حکمت سے کام لیا تھا۔

[1] الرحیق المختوم [365/1]

36- جب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے خط کی خبر دی

سیدنا عبید اللہ بن ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرما رہے تھے کہ مجھے، زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ نے بھیجا اور فرمایا:

«اِنْطَلِقُوْا حَتّٰی تَأْتُوْا رَوْضَةَ خَاخٍ فَإِنَّ بِهَا ظَعِيْنَةً مَعَهَا كِتَابٌ فَخُذُوْا مِنْهَا»

"چلتے جانا، جب تم مقامِ روضہ خاخ پر پہنچو تو وہاں تمھیں ہودج میں سوار ایک عورت ملے گی، اس کے پاس ایک خط ہے، تم وہ اس سے لے لینا۔"

علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم روانہ ہوئے۔ ہمارے گھوڑے ہمیں تیزی کے ساتھ لے جا رہے تھے۔ جب ہم روضہ خاخ مقام پر پہنچے تو واقعی وہاں ہمیں ایک عورت ہودج میں سوار ملی۔ ہم نے اس سے کہا کہ خط نکال دو۔ وہ کہنے لگی: میرے پاس کوئی خط نہیں، ہم نے اسے کہا کہ اگر تم نے خود خط نکال کر ہمیں نہ دیا تو ہم تیری جامہ کی تلاشی لیں گے، تب اس نے اپنی چٹیا میں سے وہ خط نکالا، ہم وہ خط لے کر نبی مکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس میں یہ لکھا تھا کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے چند مشرکین مکہ کے نام، انھوں نے ان (مشرکین مکہ) کو رسول اللہ ﷺ کے کچھ معاملات کی خبر دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے (حاطب رضی اللہ عنہ سے) دریافت فرمایا کہ حاطب! یہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض

کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے بارے میں فیصلہ کرنے میں آپ جلدی نہ فرمائیں، میں اس کی وجہ بیان کرتا ہوں۔ میں دوسرے مہاجرین کی طرح قریش کے خاندان سے نہیں ہوں۔ صرف ان کا حلیف بن کر ان سے جڑ گیا ہوں۔ دوسرے مہاجرین کے وہاں رشتے دار اور اقربا ہیں، جو ان کے گھروں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ جب میں خاندان کی رو سے ان کا شریک نہیں ہوں تو ان پر کوئی ایسا احسان کر دوں، جس کی وجہ سے وہ میرے قبیلے والوں کو نہ ستائیں۔ میں نے یہ کام اپنے دین سے پھر کر نہیں کیا اور نہ اسلام لانے کے بعد میرے دل میں کفر کی حمایت کا جذبہ ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكُمْ، فَقَالَ عُمَرُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! دَعْنِي أَضْرِبُ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ. فَقَالَ: إِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْراً، وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللّٰهَ اطَّلَعَ عَلَى مَنْ شَهِدَ بَدْراً فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ، فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ. فَأَنْزَلَ اللّٰهُ السُّورَةَ»

”واقعی حاطب نے تمھارے سامنے سچی بات کہہ دی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اجازت دیں، میں اس منافق کی گردن اتار دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ غزوہ بدر میں شریک ہوئے ہیں اور تمھیں کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ غزوہ بدر میں شریک ہونے والوں سے واقف ہے اور اس نے کہا ہے: تم جو چاہو کرو، میں نے تمھارے گناہوں کو معاف فرما دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ عَدُوِّى وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَآءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِٱلْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا۟ بِمَا جَآءَكُم مِّنَ ٱلْحَقِّ

يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ [الممتحنة: 1]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ یقیناً انھوں نے اس حق سے انکار کیا جو تمھارے پاس آیا ہے۔ وہ رسول کو اور خود تمھیں اس لیے نکالتے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہو، جو تمھارا رب ہے، اگر تم میرے راستے میں جہاد کے لیے اور میری رضا تلاش کرنے کے لیے نکلے ہو۔ تم ان کی طرف چھپا کر دوستی کے پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ میں زیادہ جاننے والا ہوں، جو کچھ تم نے چھپایا اور جو تم نے ظاہر کیا اور تم میں سے جو کوئی ایسا کرے تو یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔''[1]

تشریح:

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ کو بے شمار ایسے غیبی امور کی خبر دی، جن کو آپ ﷺ نہیں جانتے تھے اور اگر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ان کی خبر نہ دیتا تو آپ ﷺ کو ان کا علم نہ ہوتا، انھی خبروں میں سے ایک خبر حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے خط کی تھی، جو انھوں نے ایک عورت کے ذریعے قریش کی طرف بھیجا تھا، اس میں قریش کو خبر دی گئی تھی کہ نبی کریم ﷺ عنقریب مکے کی طرف چڑھائی کرنے والے ہیں۔

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3939] صحيح مسلم، رقم الحديث [4550]

اللہ تعالیٰ نے جب نبی اکرم ﷺ کو اس حقیقت سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ نے علی، زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا اور کہا کہ تم روضہ خاخ جگہ پر پہنچو، وہاں پر ہودج میں سوار ایک عورت تمھیں ملے گی، اس کے پاس ایک خط ہے، تم وہ خط اس سے لے لینا۔ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب ہم اس مقام پر پہنچے تو واقعی وہاں پر ایک عورت ہودج میں بیٹھی تھی۔ ہم نے اس سے کہا کہ تمھارے پاس جو خط ہے وہ ہمیں دے دو۔

علامہ واحدی فرماتے ہیں کہ جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴾ [الممتحنة: 1]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ یقیناً انھوں نے اس حق سے انکار کیا جو تمھارے پاس آیا ہے، وہ رسول کو اور خود تمھیں اس لیے نکالتے ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہو، جو تمھارا رب ہے، اگر تم میرے راستے میں جہاد کے لیے اور میری رضا تلاش کرنے کے لیے نکلے ہو۔ تم ان کی طرف چھپا کر دوستی کے پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ میں زیادہ جاننے والا ہوں جو کچھ تم نے چھپایا اور جو تم نے ظاہر کیا اور تم میں سے جو کوئی ایسا کرے تو یقیناً وہ

سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔"

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ابو عمرو بن صیفی بن ہاشم کی لونڈی سارۃ مکہ سے چل کر مدینے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس وقت آپ ﷺ مکے کی طرف روانگی کی تیاری فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اس لونڈی سے پوچھا کہ تم کیسے آئی ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں تنگدست ہوں، میں اپنی ایک ضرورت لے کر آئی ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تیرے وہ مکے کے نوجوان کہاں ہیں؟ یہ عورت گانے گانے والی تھی، اس نے جواب دیا کہ جنگ بدر کے بعد مجھ سے کسی طرح کی خدمت نہیں لی گئی۔ آپ ﷺ نے اسے کپڑے وغیرہ پہنچائے اور اس کی کچھ خدمت کی۔ اس کے بعد حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے اور اس کو ایک خط دیا کہ وہ یہ مکہ والوں کو پہنچا دے۔ اس خط میں لکھا تھا کہ نبی کریم ﷺ تمھاری طرف آنے کی تیاری کر رہے ہیں، لہٰذا تم اپنے بچاؤ کے لیے ہتھیار وغیرہ تیار رکھنا۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ ﷺ کو یہ ساری خبر دے دی۔

دوسری روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے علی، عمار، عمر، زبیر، طلحہ، مقداد بن اسود اور ابو مرثد رضی اللہ عنہم کو اس عورت کی طرف روانہ کیا۔ یہ سب گھڑ سوار تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ روضہ خاخ مقام پر پہنچو، وہاں پر ایک عورت ہوگی، اس کے پاس مشرکین کے نام ایک خط ہوگا، تم اس سے وہ خط لے لینا اور اس عورت کو کچھ نہ کہنا، بلکہ اس کا راستہ چھوڑ دینا۔ اگر وہ خط دینے سے انکار کرے تو تم اس کو قتل کر دینا۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خط لے کر نبی مکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوئے تو آپ ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اوران سے ان کے اس فعل کا سبب دریافت کیا۔ حاطب رضی اللہ عنہ نے جواب میں معافی مانگی اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے یہ کام خیانت اور اسلام سے پھر کرنہیں کیا، بلکہ میں چاہتا تھا کہ میں مکہ والوں پرکوئی ایسا احسان کردوں، جس کی وجہ سے وہ وہاں پر موجود میرے خاندان کی حفاظت کریں، کیونکہ وہاں میرے خاندان کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی اس بات کو تسلیم کرلیا، البتہ عمر رضی اللہ عنہ نے حاطب رضی اللہ عنہ کو منافق کا نام اس لیے دیا، کیونکہ ان کے خیال میں حاطب رضی اللہ عنہ نے کفار کی مدد کی تھی اور بہ ظاہر رسول اللہ ﷺ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی نیت سے آگاہ تھے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو نقصان پہنچانے کی غرض سے ایسا نہیں کیا، اسی وجہ سے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو اس سے بَری کردیا۔[1]

فوائد:

1. کسی مصلحت کی وجہ سے جاسوس مرد یا عورت کے راز کو فاش کرنا جائز ہے، خصوصاً جب اس معاملے کو خفیہ رکھنے میں خرابی ہو۔
2. جب امام یا حکمران کو معلوم ہو کہ کسی آدمی نے دشمن کو مسلمانوں کا کوئی راز دیا ہے، لیکن اس آدمی کا مقصد اسلام اور اہلِ اسلام کو نقصان پہنچانے کا نہیں تھا تو ایسے آدمی کو معاف کرنا جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا جرم معاف کردیا تھا۔
3. نبوت کی ایک واضح علامت کا بیان کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو وحی کے ذریعے اس خط کی خبر دی، جو حاطب رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کے ہاتھ

[1] عمدة القاري شرح صحيح البخاري [44/22]

قریشِ مکہ کی طرف روانہ کیا تھا۔

④ جاسوس کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا جا سکتا ہے۔

⑤ جاسوس اپنے عمل کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

⑥ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے، وہ جس کی چاہے سزا معاف کرسکتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کے بارے میں فرمایا کہ تم جو چاہو عمل کرو، میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے، ان میں حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

⑦ امام ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضرورت کے وقت عورت کا ستر ننگا کیا جا سکتا ہے۔

⑧ موخر گناہ کو اس کے وقوع سے پہلے معاف کر دینا جائز ہے۔

⑨ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ممنوع چیز کی اباحت میں تاویل کرنے والے کا حکم اس شخص کے حکم سے مختلف ہے، جو بغیر تاویل عمداً اسے حلال کرنا چاہتا ہے۔

⑩ جس نے کوئی ممنوع کام کیا اور اس کے بارے میں ایسا دعویٰ کیا، جو تاویل کا احتمال رکھتا ہو، تو اس کی بات ہی معتبر سمجھی جائے گی، اگرچہ غالب گمان اس کے برخلاف ہو۔

37- سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی سردی دور ہوگئی

ابراہیم تیمی رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے اپنے باپ سے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہم حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پاس تھے۔ ایک شخص نے کہا: اگر میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں ہوتا تو جہاد کرتا اور آپ ﷺ کے ساتھ مل کر لڑائی میں بہت کوشش کرتا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو ایسا کرتا؟ میں نے دیکھا کہ جنگِ احزاب کی رات ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، ہوا بہت تیز چل رہی تھی اور سردی بھی بہت شدید تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا رَجُلٌ يَأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ جَعَلَهُ اللّٰهُ مَعِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَسَكَتْنَا فَلَمْ يُجِبْهُ مِنَّا أَحَدٌ، ثُمَّ قَالَ: أَلَا رَجُلٌ يَأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ جَعَلَهُ اللّٰهُ مَعِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَسَكَتْنَا فَلَمْ يُجِبْهُ مِنَّا أَحَدٌ، ثُمَّ قَالَ: أَلَا رَجُلٌ يَأْتِينِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ جَعَلَهُ اللّٰهُ مَعِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ فَسَكَتْنَا فَلَمْ يُجِبْهُ مِنَّا أَحَدٌ، فَقَالَ: قُمْ يَا حُذَيْفَةُ! فَأْتِنَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ»

''کیا کوئی شخص ہے جو ہمیں کافروں کی خبر لا کر دے؟ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن میرے ساتھ رکھے گا (یہ سن کر) ہم خاموش رہے اور ہم میں سے کسی نے جواب نہ دیا۔ آپ ﷺ نے پھر یہی بات ارشاد فرمائی: کیا کوئی شخص ہے جو ہمیں کافروں کی خبر لا کر دے؟ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن میرے ساتھ رکھے گا، ہم

خاموش رہے اور ہم میں سے کسی نے جواب نہ دیا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: کیا کوئی شخص ہے جو ہمیں کافروں کی خبر لا کر دے؟ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو میرے ساتھ رکھے گا (لیکن) ہم خاموش رہے اور ہم میں سے کسی نے جواب نہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: حذیفہ! اٹھو اور کافروں کی خبر لاؤ۔"

حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اب میرے پاس اٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، کیونکہ آپ ﷺ نے میرا نام لے کر کہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِذْهَبْ فَأْتِنِي بِخَبَرِ الْقَوْمِ وَلَا تَذْعَرْهُمْ عَلَيَّ»

"جاؤ اور مجھے ان کی خبر لا کر دو اور ان کو میرے اوپر مت اکسانا (یعنی ان کو اشتعال دلانے والا کوئی کام نہ کرنا)۔"

جب میں آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر چلا تو ایسے معلوم ہوا جیسے کسی حمام کے اندر چل رہا ہوں، یہاں تک کہ میں ان کافروں کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا کہ ابو سفیان اپنی کمر آگ سے تاپ رہا تھا۔ میں نے تیر کمان پر چڑھایا اور اسے مارنے کا ارادہ کیا، لیکن مجھے رسول اللہ ﷺ کا فرمان یاد آ گیا کہ ان کو میرے اوپر مت اکسانا اور اگر میں تیر چلا دیتا تو یقیناً وہ ابو سفیان کو لگ جاتا۔ جب میں واپس آیا تو تب بھی مجھے لگا کہ میں حمام میں چل کر آ رہا ہوں۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اور آپ ﷺ کو کافروں کی خبر دی۔ جب میں اپنی بات سے فارغ ہوا، تب مجھے سردی محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنی عبا کا کچھ حصہ اوڑھا دیا، جس میں آپ ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے، میں (اس کو اوڑھ کر) سویا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی، جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُمْ يَا نَوْمَانُ»[1] "بہت سونے والے اب اٹھ جاؤ۔"

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [3343] صحيح ابن حبان، رقم الحديث [7125]

تشریح:

رسول اللہ ﷺ حالتِ جنگ میں مسلسل دشمن پر نظر رکھتے تھے اور اس کی نقل و حرکت سے آگاہ رہتے تھے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے جنگِ احزاب کے موقع پر رات کے وقت ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے دشمن کی خبر لا کر دے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو میرا ساتھ نصیب فرمائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے ترغیب اور شوق دلانے کا اسلوب اختیار کیا۔ آپ ﷺ نے تین دفعہ اس اسلوب میں بات کی، لیکن جب کسی صحابی نے آپ ﷺ کی بات کا جواب نہ دیا تو پھر آپ ﷺ نے حاکمانہ اسلوب اختیار کرتے ہوئے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم جاؤ اور دشمن کی نقل و حرکت کی خبر لے کر آؤ اور یاد رکھو کوئی ایسا کام نہ کرنا جس کی وجہ سے دشمن بھڑک اٹھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کامیاب قائد اپنے اہداف حاصل کرنے کے لیے اپنے لشکر کو ترغیب کے ذریعے حرکت میں لاتا ہے اور نہایت ضرورت کے وقت وہ شدت اور سختی کی طرف مائل ہوتا ہے اور جارحانہ اسلوب اختیار کرتا ہے۔[1]

فوائد:

1. لشکر کے امیر اور امام کو چاہیے کہ دشمن کی نقل و حرکت سے آگاہ رہنے کے لیے اپنے جاسوس روانہ کرے جو خبریں لا کر دیں۔
2. کامیاب قائد اپنے ہدف تک پہنچنے کے لیے اپنے لشکر کو ترغیب اور شوق دلا کر اس سے کام لیتا ہے اور سختی اس وقت کرتا ہے جب انتہائی مجبوری اور

[1] السيرة النبوية للصلابي [81/7]

ضرورت ہو۔

❸ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کی صلاحیتوں سے واقف تھے، اسی لیے آپ ﷺ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ جیسے بہادر اور جرأت مند آدمی کو جنگِ احزاب کے موقع پر دشمن کی جاسوسی کے لیے منتخب کیا، یہ ایسی مہم تھی جس پر حذیفہ رضی اللہ عنہ جیسے کسی بہادر آدمی ہی کو منتخب کیا جا سکتا تھا۔

❹ حذیفہ رضی اللہ عنہ کا عسکری ضابطہ اخلاق کی پاسداری کرنا، حالانکہ ان کے پاس کافروں کے سردار کو قتل کرنے کا بہترین موقع تھا اور انھوں نے اسے قتل کرنے کا ارادہ بھی کر لیا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی ہدایت کی وجہ سے انھوں نے اپنا ارادہ بدل لیا اور اپنا تیر واپس کر لیا۔

❺ کراماتِ اولیا: حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک کرامت کا بیان کہ سخت سردی، بارش اور تیز ہوا کے باوجود ان کو دشمن کی طرف جاتے اور واپس آتے ہوئے ذرا بھی سردی محسوس نہ ہوئی، بلکہ جیسے وہ کسی حمام یا گرم فضا میں چل کر گئے اور واپس آئے، یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان اور اس کی مہربانی تھی۔

❻ نبی مکرم ﷺ کا حذیفہ کے ساتھ انتہائی شفقت اور نرمی سے پیش آنا۔ آپ ﷺ اپنے تمام صحابہ کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ جب حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو دشمن کی خبر دی تو آپ ﷺ جس میں نماز پڑھ رہے تھے، آپ ﷺ نے اسی کا زائد حصہ حذیفہ رضی اللہ عنہ پر اوڑھ دیا، جس میں وہ سو گئے۔ صبح جب فرض نماز کا وقت ہوا، تب آپ ﷺ نے ان کو جگایا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دل میں صحابہ کے لیے کتنی شفقت اور مہربانی پائی جاتی تھی۔

38- رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ جنگِ خندق کے بعد مشرکین مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں پہل نہیں کریں گے

سیدنا سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«اَلْآنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا، نَحْنُ نَسِيْرُ إِلَيْهِمْ»[1]

"جب جنگِ احزاب ختم ہوئی تو اس وقت آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ اب ہم ان سے جنگ لڑنے جائیں گے، وہ ہم سے جنگ لڑنے نہیں آئیں گے۔"

تشریح:

جب جنگ احزاب ختم ہوگئی، کافروں کے گروہ راتوں رات بھاگ گئے، ان کے بھاگنے کے آثار ابھی باقی تھے، گرد وغبار اڑ رہا تھا، اس وقت آپ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی کہ اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے، وہ ہم پر چڑھائی نہیں کریں گے، بلکہ اب ہم ان سے لڑنے جائیں گے۔

وقت نے ثابت کیا کہ پھر یہی ہوا، اس کے بعد قریش کو آپ ﷺ سے لڑنے اور جنگ کرنے کی ہمت نہ ہوئی، بلکہ اس کے بعد جب بھی چڑھائی کی تو رسول اللہ ﷺ ہی نے کی، جیسے اللہ تعالیٰ کی مدد اور قدرت سے فتح مکہ کے موقع

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3801]

پر ہوا، اس میں پہل مسلمانوں کی طرف سے ہوئی تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس وقت ہزاروں کا لشکر مدینے پر حملہ آور ہوا تھا، اس وقت کس ذات نے نبی کریم ﷺ کو یہ خبر دی کہ اس ناکامی کے بعد کبھی یہ آپ کی طرف پلٹ کر نہ دیکھیں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اللہ رب العالمین ہے، جس نے آپ ﷺ کو یہ خبر دی تھی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کا یہ پیشین گوئی فرمانا کہ اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے، وہ ہم پر چڑھائی نہیں کریں گے، اس میں نبوت کی واضح نشانی موجود ہے۔ اس کے بعد آیندہ سال نبی اکرم ﷺ عمرے کی غرض سے مکہ گئے تو پہلے کافروں نے آپ ﷺ کو روکنے کی کوشش کی، لیکن پھر خود ہی صلح پر آمادہ ہو گئے۔ بعد میں انھوں نے اس صلح نامے کی پامالی کی تو یہ فتح مکہ کا سبب بنی۔

فوائد:

نبی کریم ﷺ کا ایک عظیم معجزہ کہ آپ ﷺ نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی، وہ سچ ثابت ہوئی۔

39- وہ دوبارہ آئے گا

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے رمضان کی زکات (صدقہ فطر) کی حفاظت پر مقرر کیا۔ اچانک ایک شخص میرے پاس آیا اور غلے میں سے لپ بھر کر اٹھانے لگا، میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ اللہ کی قسم! میں تجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر جاؤں گا۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں بہت محتاج ہوں۔ میرے بال بچے ہیں اور میں سخت ضرورت مند ہوں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے (اس کا عذر سن کر) اسے چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی تو نبی مکرم ﷺ نے پوچھا:

«يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ الْبَارِحَةَ؟»

''ابو ہریرہ! گزشتہ رات تمھارے قیدی نے کیا کیا تھا؟''

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس نے سخت ضرورت اور بال بچوں کی تنگ دستی کی شکایت کی تھی تو مجھے اس پر رحم آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُودُ»

''وہ تم سے جھوٹ بول کر گیا ہے اور وہ دوبارہ آئے گا۔''

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے مجھے یقین تھا کہ وہ دوبارہ ضرور آئے گا، چنانچہ میں اس کی تاک میں رہا۔ دوسری رات وہ پھر آیا اور لپ بھر کر غلہ اٹھانے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ تجھے رسول اللہ ﷺ کے

پاس لے کر جاؤں گا، اس نے پھر وہی التجا کی کہ مجھے چھوڑ دے، میں محتاج ہوں اور بال بچوں کی وجہ سے تنگدست ہوں، اب میں کبھی نہیں آؤں گا (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) مجھے اس پر رحم آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا، صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ الْبَارِحَةَ؟»

''ابو ہریرہ! گزشتہ رات تمھارے قیدی کا کیا بنا؟''

میں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! اس نے پھر اسی سخت ضرورت اور بال بچوں کی پریشانی ظاہر کی تو مجھے اس پر رحم آ گیا، جس کی وجہ سے میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُودُ»

''وہ جھوٹ بول گیا ہے اور اب وہ پھر آئے گا۔''

چنانچہ اب پھر میں اس کا انتظار کرنے لگا، وہ (تیسری دفعہ پھر) آیا اور اس نے غلہ اٹھانا شروع کر دیا، میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ اب تمھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس ضرور پہنچاؤں گا۔ یہ تیسری بار ہے۔ تم ہر مرتبہ یقین دلاتے رہے ہو کہ اب نہیں آؤ گے، لیکن پھر آ جاتے ہو، اس نے کہا مجھے چھوڑ دے، میں تمھیں چند ایسے کلمات سکھا دیتا ہوں، جن سے اللہ تعالیٰ تمھیں نفع پہنچائے گا۔ میں نے پوچھا: وہ کلمات کیا ہیں؟ اس نے کہا: جب تم اپنے بستر پر آؤ تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نگران (فرشتہ) مسلسل تمھاری حفاظت کرتا رہے گا اور صبح تک شیطان تمھارے قریب نہیں آ سکے گا، چنانچہ (اس دفعہ بھی) میں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ الْبَارِحَةَ؟»

”گذشتہ رات تمھارے قیدی نے تمھارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟“

میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس نے مجھے چند کلمات سکھائے اور یقین دلایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان سے فائدہ پہنچائے گا، اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا: وہ کلمات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی: اس نے مجھے کہا کہ جب تم بستر پر آؤ تو شروع سے آخر تک آیۃ الکرسی پڑھ لو۔ اس نے مجھے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر ایک نگران مقرر رہے گا اور صبح تک شیطان تمھارے قریب نہیں آ سکے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ، تَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُنْذُ ثَلَاثِ لَيَالٍ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! قَالَ: لَا. قَالَ: ذَاكَ شَيْطَانٌ» [1]

”اگرچہ وہ جھوٹا تھا، لیکن تمھیں یہ سچ بات بتا گیا ہے۔ ابو ہریرہ! کیا تمھیں معلوم ہے کہ تین راتوں سے تو کس سے مخاطب تھا؟ میں نے عرض کی: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شیطان تھا۔“

تشریح:

یہ قصہ اس اعتبار سے بڑا منفرد ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو صدقہ فطر کے سامان کی حفاظت پر نگران مقرر کیا، جسے صحابہ کرام نے عید سے ایک یا دو دن قبل جمع کیا تھا۔ جن دنوں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کی نگرانی کر رہے تھے، اسی دوران میں ایک رات ایک آدمی آیا اور اس نے وہاں سے غلہ اٹھانا چاہا تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑ لیا اور کہا کہ میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر جاؤں گا، وہ آدمی ڈر گیا اور اس نے اپنی تنگدستی کا عذر پیش کیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس پر ترس آ گیا اور اسے چھوڑ دیا۔ صبح جب وہ رسول اللہ ﷺ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4624]

کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے پوچھا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ! رات تمھارے قیدی نے تمھارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ حالانکہ نبی مکرم ﷺ وہاں موجود نہیں تھے اور نہ آپ ﷺ کو صحابہ میں سے کسی نے بتایا تھا، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے آپ ﷺ کو بتایا تھا، جو آپ ﷺ کا ایک معجزہ اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس نے اپنی تنگدستی اور غربت بیان کی تو مجھے اس پر رحم آ گیا، چنانچہ میں نے اسے چھوڑ دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس نے تیرے ساتھ جھوٹ بولا ہے اور عنقریب وہ دوبارہ آئے گا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے یقین ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ نے کہہ دیا ہے، لہٰذا اب وہ ضرور آئے گا۔ چونکہ صحابہ کرام نبی مکرم ﷺ کی دی ہوئی خبروں پر اس طرح ایمان لاتے تھے، جیسے انھوں نے خود اس کا مشاہدہ کیا ہو اور اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو، اسی وجہ سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ اب وہ ضرور دوبارہ آئے گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اس کا انتظار کرنے لگا، پھر دوبارہ وہ آدمی آیا اور اس نے غلہ اٹھانا چاہا، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ لیا، لیکن اس کی آہ و زاری اور پریشانی سن کر پھر اسے چھوڑ دیا۔

چونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ کی شفقت، نرمی اور حلم سے بہ خوبی واقف تھے اس وجہ سے انھوں نے دوبارہ اس پر ترس کھایا اور اسے چھوڑ دیا، جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اسی انداز سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا اور پھر کہا کہ وہ تم سے جھوٹ بول کر گیا ہے اور اب وہ پھر آئے گا۔ جب وہ تیسری دفعہ آیا تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسے کہا کہ اب میں تیرا کوئی عذر قبول

نہیں کروں گا، بلکہ ہر صورت تمھیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے لے کر جاؤں گا، کیونکہ تم تین بار وعدہ خلافی کر چکے ہو۔ اس مرتبہ اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو اور میں تمھیں چند ایسے کلمات سکھا دیتا ہوں، اگر تم رات کے وقت وہ پڑھ کر سویا کرو گے تو ساری رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے اوپر ایک نگران پہرہ دے گا اور صبح تک شیطان تمھارے قریب نہیں آ سکے گا۔

دوسری روایت میں آتا ہے: اس نے کہا: اگر تم ایک سو چوکیدار بھی بٹھا لو تو وہ شیطان کو آنے سے نہیں روک سکیں گے، لیکن ان کلمات میں اتنی طاقت ہے کہ یہ شیطان کو تمھارے قریب نہیں آنے دیں گے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کون سے کلمات ہیں؟ اس نے جواب دیا: آیۃ الکرسی شروع سے آخر تک پڑھ کر سویا کرو، یہ تمھیں شیطان سے حفاظت میں رکھے گی۔

جب صبح ہوئی تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کو یہ ساری خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگرچہ وہ جھوٹا آدمی تھا، لیکن اس نے تم سے سچی بات کہی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ وہ کون تھا؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شیطان تھا اور انسان کی صورت میں تمھارے پاس آیا تھا۔[1]

فوائد:

1. چور کا فوراً ہاتھ نہیں کاٹ دینا چاہیے، بلکہ قاضی اور حاکم کے پاس لے جانے سے پہلے اسے معاف کیا جاسکتا ہے۔

---

[1] شرح ریاض الصالحین [169/1]

② شیطان کو معلوم تھا کہ سچ بولنا اسے فائدہ دے سکتا ہے۔
③ جھوٹا آدمی بھی کبھی کبھار سچ بول دیتا ہے۔
④ اس حدیث میں نبوت کی ایک واضح نشانی بیان ہوئی ہے۔
⑤ چور کا عذر قبول کرنا جائز ہے۔
⑥ شیطان دھوکے باز ہے۔
⑦ عذر قبول کرنے کی حد تین دفعہ تک ہے۔
⑧ آیۃ الکرسی کی فضیلت۔
⑨ جو شخص سوتے وقت اللہ کا ذکر چھوڑ دیتا ہے تو شیطان اس کے مال میں حصے دار بن جاتا ہے۔ جنات بھی چوری کرتے اور دھوکا دیتے ہیں۔
⑩ جس آدمی کو کسی چیز کی حفاظت پر مامور کیا جائے تو اسے وکیل یعنی ذمے دار کہا جا سکتا ہے۔
⑪ صدقہ فطر عید الفطر سے ایک یا دو دن قبل جمع کیا جا سکتا ہے اور اس کی حفاظت کے لیے نگران مقرر کیا جا سکتا ہے۔
⑫ جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرتا ہو، اس سے علم حاصل کرنا جائز ہے۔

40- رسول اللہ ﷺ نے اشعری قبیلے کے لوگوں کے آنے کی خبر دی

سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم مکے کے راستے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَطْلُعُ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ كَأَنَّهُمُ السَّحَابُ، هُمْ خِيَارُ مَنْ فِي الْأَرْضِ. فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: وَلَا نَحْنُ يَا رَسُولَ اللهِ! فَسَكَتَ، قَالَ: وَلَا نَحْنُ يَا رَسُولَ اللهِ! فَسَكَتَ قَالَ: وَلَا نَحْنُ يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ كَلِمَةً ضَعِيفَةً: إِلَّا أَنْتُمْ»[1]

"تمھارے پاس بادلوں کی طرح اہلِ یمن آئیں گے، وہ زمین والوں میں سے بہترین لوگ ہیں۔ انصار کے ایک آدمی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! اور ہم نہیں ہیں؟ آپ ﷺ خاموش رہے، اس نے پھر کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اور ہم نہیں ہیں؟ آپ ﷺ پھر خاموش رہے، اس نے (تیسری دفعہ) پھر عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! اور ہم نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے اس کے تیسری دفعہ پوچھنے پر آہستہ سی آواز میں فرمایا: مگر تم بھی۔"

دوسری روایت میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] مسند أحمد، رقم الحديث [17235] السلسلة الصحيحة، رقم الحديث [3437]

« أَتَاكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ هُمْ أَرَقُّ أَفْئِدَةً، وَأَلْيَنُ قُلُوبًا، الْإِيمَانُ يَمَانٍ، وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ، وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي أَصْحَابِ الْإِبِلِ، وَالسَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ »[1]

''تمھارے پاس یمن والے آگئے ہیں، وہ رقیق القلب اور نرم دل ہیں۔ ایمان یمن والوں کا ہے اور حکمت بھی یمن والوں میں ہے۔ فخر و تکبر اونٹوں والوں میں ہوتا ہے اور اطمینان و سکینت بکری والوں میں ہوتی ہے۔''

تشریح:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں جن باتوں کا ذکر ہوا ہے، ان میں اختلاف ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ان کو جمع کیا۔ ان کے بعد ابوعمرو بن صلاح نے اس کی تنقیح کر کے اپنے الفاظ میں اس کا خلاصہ یہ بیان کیا ہے کہ علما نے یمن کی طرف ایمان کی نسبت والی حدیث کو اس کے ظاہری معنی پر محمول نہیں کیا، کیونکہ ایمان کی ابتدا پہلے مکے سے ہوئی، اس کے بعد مدینے سے، انھی دونوں شہروں کو اللہ تعالیٰ نے ایمان کے لیے ایک نگران کی حیثیت دی ہے۔

امام المغرب امام ابو عبید رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں مندرجہ ذیل تین اقوال بیان فرمائے ہیں:

① اس سے مراد مکہ ہے، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ مکے کا تعلق تہامہ سے ہے اور تہامہ یمن کی سرزمین میں داخل ہے۔

② اس سے مراد مکہ اور مدینہ دونوں ہیں، کیوں کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ بات جنگ تبوک کے موقع پر ارشاد فرمائی تھی، اس وقت مکہ اور مدینہ آپ ﷺ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4037]

کے اور یمن کے درمیان پڑتا تھا، آپ ﷺ نے یمن کی طرف اشارہ کیا، جس سے مراد مکہ اور مدینہ تھا، کیونکہ اس وقت مکہ اور مدینہ یمن کی جانب تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رکن یمانی مکہ میں واقع ہے اور اس کو یمانی اس لیے کہتے ہیں، کیونکہ وہ یمن کی جانب ہے۔

③ اہلِ یمن سے مراد انصار کے لوگ ہیں، اس لیے کہ انصار اصل میں یمن کے رہنے والے تھے۔ ایمان کو انصار کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا، کیونکہ وہ ایمان کے مدد گار تھے۔ یہ قول بہت سے لوگوں کا ہے اور یہی قول امام ابو عبید کے نزدیک اچھا ہے۔ شیخ ابو عمرو نے کہا کہ اگر امام ابو عبید اور ان کے ہم خیال اس حدیث کے تمام طرق پر غور کرتے اور تمام الفاظ کو دیکھتے تو یہ تاویل نہ کرتے اور حدیث کے ظاہر کو نہ چھوڑتے اور یہی موقف اختیار کرتے کہ اس سے مراد یمن کے لوگ ہی ہیں، اس لیے کہ ایک روایت کے الفاظ ہیں: تمھارے پاس یمن کے لوگ آئے۔ یقیناً اس سے مراد انصار کے علاوہ اور لوگ ہوں گے۔

اسی طرح ایک اور روایت جس میں صراحت کے ساتھ ''جَاءَ'' کا لفظ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت انصار نہیں آئے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلے ان کی عمدہ صفات بیان فرمائیں کہ وہ نرم دل ہیں، پھر اس کے بعد فرمایا کہ ایمان یمن والوں کا ہے تو یہ انھی لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو یمن سے آئے تھے نہ کہ مکہ اور مدینے کی طرف سے اور یہاں حدیث کو ظاہر پر محمول کرنے سے کوئی امر مانع نہیں ہے۔

اس لیے کہ جو شخص کسی وصف سے موصوف ہوتا ہے اور اچھی طرح اس پر قائم ہوتا ہے، اس کو اسی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ایمان میں یمن والوں کا

اس وقت یہی حال تھا۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں یمن کی طرف سے آئے تھے یا آپ کے بعد، سب کے سب ایمان میں کامل اور ان صفات سے متصف تھے، جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی تھیں، جیسے اویس قرنی رحمہ اللہ اور ابو مسلم خولانی رحمہ اللہ ہیں اور انھیں جیسے دیگر لوگ جن کے دل خلوص سے بھرے ہوئے اور ایمان مضبوط تھا۔ انھی صفات کی وجہ سے ایمان کی نسبت ان کی طرف کی گئی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے علاوہ اور لوگ مومن نہیں ہیں اور وہ حدیث جس میں ہے کہ ایمان اہلِ حجاز میں ہے، وہ بھی اس کے منافی نہیں ہے۔

ایک اور قابل بیان نکتہ یہ ہے کہ یمن والوں سے مراد وہی لوگ ہیں، جو اس وقت موجود تھے نہ کہ ہر زمانے کے لوگ۔ نیز تمام اہلِ یمن مراد تھے، اس لیے کہ حدیث کے الفاظ سے یہ معنی نہیں نکلتے اور یہی بات حق ہے۔ ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں سیدھی راہ دکھائی۔

«أَلْيَنُ قُلُوباً وَّأَرَقُّ أَفْئِدَةً» مشہور یہی ہے کہ فواد اور قلب دونوں ایک ہی چیز ہیں اور تکرار کی بنا پر دو لفظ آئے ہیں کیونکہ ان میں ایک کی نسبت دوسرے میں زیادہ وزن پایا جاتا ہے۔ "فؤاد" کے بارے میں علما کے مندرجہ ذیل اقوال ہیں:

① فواد قلب کے علاوہ ہے۔ ② عین دل ہے۔

③ دل کا باطن ہے۔ ④ دل کا پردہ ہے۔

دل کے نرم، رقت آمیز اور ضعیف ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں اللہ کا ڈر اور عاجزی و انکساری ہے، جس کی وجہ سے وہ نصیحت پانے کے قابل ہے اور سختی اور شدت سے محفوظ ہے۔[1]

«فِي أَهْلِ الْإِبِلِ الْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ» یعنی وہ لوگ اپنی آسودہ حالی

[1] شرح النووي على صحيح مسلم [30/2]

اور مالی فراوانی کی وجہ سے تکبر کرتے ہیں، جب کہ اس کے برعکس بکریوں والوں میں سکون اور اطمینان ہے۔[1]

فوائد:

① اہلِ یمن پر ایمان اور حکمت غالب ہے، اونٹ والوں پر فخر و تکبر غالب ہے اور بکریوں والوں پر سکون و اطمینان غالب ہے۔

② اہلِ یمن کی قلت کے باوجود وہاں دیگر علاقوں کی نسبت زیادہ اولیا اور نیکوکار لوگ پائے جاتے ہیں۔ نبی مکرم ﷺ کا اس حقیقت سے آگاہ کرنا آپ ﷺ کا معجزہ تھا۔

③ یمن اور اس میں شامل تمام علاقوں کی فضیلت کا بیان، یہاں تک کہ مدینہ بھی یمن میں شامل ہے، کیونکہ مدینہ والے بھی اصلاً یمنی ہیں، اسی طرح رکن یمانی اگرچہ مکہ میں ہے، لیکن یمن کی طرف ہونے کی وجہ سے یمنی کہلاتا ہے، اس سے مراد صرف جغرافیائی اعتبار سے خاص یمن نہیں، بلکہ جو بھی علاقے یمن میں شامل ہوتے ہیں، وہ سب مراد ہیں۔

---

① شرح النووي [30/1]

41- ربیعہ اور مضر قبیلے کے دل سخت ہوں گے

سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

« اَلْإِيْمَانُ هَاهُنَا، وَ أَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى الْيَمَنِ، وَالْجَفَاءُ وَغِلَظُ الْقُلُوْبِ فِي الْفَدَّادِيْنَ عِنْدَ أُصُوْلِ أَذْنَابِ الْإِبِلِ مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطَانِ رَبِيْعَةَ وَ مُضَرَ » [1]

''ایمان تو ادھر ہے اور آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے یمن کی طرف اشارہ کیا اور بے رحمی اور دل کی سختی اونٹ کی دم کے پیچھے پیچھے چلنے والوں میں ہے، جس طرف شیطان کے دونوں سینگ نکلتے ہیں (یعنی) قبیلہ ربیعہ اور مضر میں۔''

تشریح:

جب نبی کریم ﷺ تبوک میں تھے تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے یمن کی طرف اشارہ کیا اور یہ بات ارشاد فرمائی، اس سے آپ ﷺ کی مراد مکہ تھی، کیونکہ اس وقت مدینہ آپ ﷺ کے اور یمن کے درمیان پڑتا تھا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات مدینے میں کہی تھی، کیونکہ غالب گمان یہی ہے اور اسی پس منظر میں آپ ﷺ نے یمن کی طرف اشارہ کیا تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یمن کی طرف اشارہ کر کے بات کرنے سے آپ ﷺ کی مراد مکہ اور مدینہ تھی، چونکہ یہ دونوں یمن کی جانب تھے، اس

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4036]

لیے ان کو اسی کی طرف منسوب کیا۔

«اَلْإِیْمَانُ یَمَانٍ» آپ ﷺ نے یہ بات اس لیے ارشاد فرمائی، کیونکہ ایمان کی ابتدا مکہ سے ہوئی تھی اور مکہ کا تعلق تہامہ سے ہے اور تہامہ یمن کی سرزمین میں داخل ہے، اسی لیے کعبہ یمانیہ کہا جاتا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات انصار کے بارے میں کہی تھی، کیونکہ وہ یمنی تھے اور انھوں نے ایمان اور مسلمانوں کی مدد کی تھی اور ان کو اپنے پاس ٹھہرایا تھا، اسی وجہ سے ایمان کو ان کی طرف منسوب کیا گیا، لیکن یہ قول کمزور دلائل پر مبنی ہے اور اس سے بھی زیادہ غریب قول یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اویس قرنی رحمہ اللہ کی طرف اشارہ کر کے یہ بات ارشاد فرمائی تھی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہلِ یمن کی تعریف کا سبب ان کا ایمان کی طرف جلدی راغب ہونا ہے، جب کہ ابھی تک بنو تمیم نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

«أَتَاكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ أَلْيَنُ قُلُوباً وَّأَرَقُّ أَفْئِدَةً»

''تمھارے پاس اہلِ یمن آئے ہیں، ان کے دل نرم ہیں۔''

نرم دلی سے مراد یہ ہے کہ ان کے دل ایمان کی طرف بہت جلدی مائل ہو گئے ہیں اور وہ خلوص سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فواد دل کے پردے کو کہتے ہیں اور جب پردہ ہی باریک ہو تو اس پر کوئی چیز بہت جلد اثر انداز ہوتی ہے۔

امام ابوعبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایمان کی ابتدا مکہ سے ہوئی تھی، کیونکہ مکے رسول اللہ ﷺ کی پیدائش اور بعثت والا شہر ہے، پھر آپ ﷺ نے مدینے کی طرف ہجرت کی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ تہامہ سے ہے اور تہامہ یمن کی

سرزمین میں شامل ہے، اس اعتبار سے مکے کو یمن کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

«أَلَا إِنَّ الْقَسْوَةَ وَغِلَظَ الْقُلُوْبِ» امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قسوہ اور غلظ دونوں ایک ہی چیز ہیں، جیسے یہ آیتِ مبارکہ ہے:

﴿قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ [یوسف: 86]

''اس نے کہا: میں تو اپنی ظاہر ہو جانے والی بے قراری اور اپنے غم کی شکایت صرف اللہ کے جناب میں کرتا ہوں۔''

''بث'' حزن ہی کا دوسرا نام ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قسوہ سے مراد ایسا دل ہے جو نرم ہو اور نہ وعظ و نصیحت کے لیے ساز گار ہو اور اس میں فہم کا فقدان ہو۔

«اَلْجَفَاءُ وَغِلْظَةُ الْقَلْبِ فِي الْفَدَّادِيْنَ» اس جملے میں ان کی جہالت بیان ہوئی ہے۔

«حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطٰنِ» یعنی اس کے سر کے دو کنارے۔ امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرن الشیطان ایک ضرب المثل ہے جو ایسے امور پر بولی جاتی ہے جو قابلِ تعریف نہ ہوں، اس سے مراد یہ ہے کہ اہلِ مشرق پر خاص طور پر شیطان اور کفر کا غلبہ اور تسلط ہے۔

«فِيْ رَبِيْعَةَ وَمُضَرَ» اس کا تعلق فدادین (جاہل لوگوں) سے ہے، یعنی اونٹوں کے پیچھے پیچھے رہنے والے، ربیعہ اور مضر دونوں قبیلے مشرق کی جانب آباد تھے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے ان کی طرف نسبت کی تھی۔

کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ بھی احتمال ہے کہ ربیعہ اور مضر فدادین کا بدل ہیں۔''

«حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطٰنِ» یعنی جب سورج طلوع ہوتا ہے تو

شیطان اپنے آپ کو سورج کے طلوع ہونے کی جگہ کے سامنے کر لیتا ہے اور جب سورج طلوع ہوتا تو وہ اس کے سر کے دو کناروں کے درمیان آ جاتا ہے اور جب سورج کے پجاری اسے سجدہ کرتے ہیں تو وہ اس (شیطان) کو سجدہ ہوتا ہے۔[1]

فوائد:

① رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی نشانی کہ آپ ﷺ نے اہلِ یمن، ربیعہ اور مضر کے حالات اور اوصاف کی خبر دی۔

② رسول اللہ ﷺ کا فتنوں والے مقامات کے بارے میں خبر دینا۔

[1] عمدة القاري [91/23]

42- سید البشر ﷺ کے حکم سے پہاڑ تھم گیا

سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان کو بیان کیا، بے شک نبی مکرم ﷺ سیدنا ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اُحد پہاڑ پر چڑھے، پس وہ ان کو حرکت دینے لگا، آپ ﷺ نے فرمایا:

«اُثْبُتْ أُحُدُ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَشَهِيدَانِ»[1]

"احد! ٹھہر جا، بے شک تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔"

تشریح:

نبی اکرم ﷺ سے حسّی طور پر بعض ایسے معجزات ظاہر ہوئے جو بالکل خلافِ عادت تھے، انھی میں سے ایک معجزہ یہ تھا کہ پہاڑوں کی صورت میں جمادات وغیرہ پر آپ ﷺ کا اثر تھا، حالانکہ جمادات میں عقل ہوتی ہے اور نہ وہ بولتے ہیں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قابل بنا دیا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی بات کا اثر لیتے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی مکرم ﷺ سے کتنے راضی تھے۔

مندرجہ بالا حدیث میں بیان ہوا ہے کہ نبی اکرم ﷺ احد پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ یہ مدینے کا ایک معروف پہاڑ تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے، پہاڑ حرکت کرنے لگا تو نبی کریم ﷺ نے اسے اپنا پاؤں مارا اور فرمایا: احد! ٹھہر جا، بے شک تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3399] سنن الترمذي، رقم الحديث [3630]

گویا نبی مکرم ﷺ نے یہ پیشین گوئی فرمائی کہ عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا جائے گا، چنانچہ ابو لولو مجوسی نے عمر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور عثمان رضی اللہ عنہ ایک مشہور و معروف فتنے میں شہید ہوئے۔

فوائد:

① نبی اکرم ﷺ کا معجزہ کہ آپ ﷺ نے عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کی شہادت کی پیشین گوئی فرمائی۔

② وقت سے پہلے خوشخبری دینا مستحب عمل ہے۔

③ اس حدیث سے مندرجہ بالا تینوں صحابہ کرام کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

43- ایک صحابی کے جنتی ہونے کی خوشخبری

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بسیہ نامی ایک شخص کو جاسوس بنا کر بھیجا کہ وہ ابوسفیان کے قافلے کی خبر لا کر دے، وہ واپس آیا تو اس وقت گھر میں میرے اور رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی نہ تھا۔ راوی کہتے ہیں: مجھے یاد نہیں کہ انس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی کس زوجہ محترمہ کا نام لیا، پھر انھوں نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ باہر نکلے، کچھ بات کی اور فرمایا:

«إِنَّ لَنَا طَلِبَةً فَمَنْ كَانَ ظَهْرُهُ حَاضِراً فَلْيَرْكَبْ مَعَنَا»

''ہمیں کچھ کام ہے، لہٰذا جس کے پاس سواری ہو، وہ ہمارے ساتھ سوار ہو جائے۔''

یہ سن کر چند آدمی اپنی ان سواریوں پر جانے کی آپ سے اجازت مانگنے لگے، جو مدینہ منورہ کی بلندی پر تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا إِلَّا مَنْ كَانَ ظَهْرُهُ حَاضِراً»

''نہیں، صرف وہ لوگ جائیں جن کی سواریاں موجود ہوں۔''

آخر آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ نکلے، یہاں تک کہ مشرکین سے پہلے بدر میں پہنچ گئے اور مشرک بھی آ گئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُقَدِّمَنَّ أَحَدٌ مِنْكُمْ إِلَى شَيْءٍ حَتّٰى أَكُونَ أَنَا دُونَهُ»

''تم میں سے کوئی کسی چیز کی طرف نہ بڑھے، جب تک میں اس سے آگے نہ ہوں۔''

پھر مشرک قریب آ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« قُومُوا إِلَى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ »

''اٹھو! جنت میں جانے کے لیے جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔''

عمیر بن حمام انصاری نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! جنت کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، انھوں نے کہا: سبحان اللہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمھیں یہ بات کہنے پر کس چیز نے ابھارا؟ انھوں نے کہا: نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے اس امید سے کہا، تا کہ میں بھی جنتیوں میں سے ہو جاؤں، آپ ﷺ نے فرمایا:

« فَإِنَّكَ مِنْ أَهْلِهَا » ''تم انھی میں سے ہو۔''

(اس کے بعد) انھوں نے اپنے ترکش میں سے کچھ کھجوریں نکالیں اور انھیں کھانے لگے، پھر کہا: اگر میں اپنی کھجوریں کھانے تک زندہ رہوں تو زندگی بڑی لمبی ہو جائے گی، چنانچہ باقی کھجوریں پھینک دیں اور کافروں سے لڑائی شروع کر دی، یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔[1]

تشریح:

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو میدانِ جنگ میں ثابت قدم رکھنے کے لیے ان کی تربیت کیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ ان میں پختہ ارادہ، مضبوط ایمان، دشمن سے لڑنے اور دین کی مدد کا جذبہ پیدا کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [3520]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ صلاحیت پیدا کرنے کے لیے آپ ﷺ ترغیب و ترہیب کا اسلوب اختیار کرتے تھے، یعنی میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہنے والوں اور جرأت و بہادری سے لڑنے والوں کے لیے کیا اجر و ثواب اور انعامات ہیں اور راہ فرار اختیار کرنے والوں کے لیے کیا سزا ہے؟

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسے عوامل اور اسباب بھی بتایا کرتے تھے، جو میدانِ جنگ میں ان کے لیے مددگار ثابت ہوتے تھے، اسی طرح شکست کا باعث بننے والے عوامل و اسباب سے ان کو ڈرایا کرتے تھے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سختی کے ساتھ آپ ﷺ کی دی ہوئی ہدایات کی پیروی کرتے تھے اور نقصان اور شکست کا باعث بننے والی چیزوں سے قطعی دور رہتے تھے۔

غزوۂ بدر کبریٰ میں رسول اللہ ﷺ ترغیب کا اسلوب اختیار کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہوئے کہ میرے صحابہ! اس جنت کی طرف اٹھ کھڑے ہو جاؤ، جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے۔ عمیر بن حمام انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! کیا واقعی جنت کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ہاں۔ انھوں نے کہا، واہ! یہ تو بہت عمدہ سودا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: تمھیں یہ بات کہنے پر کس چیز نے ابھارا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: اللہ کے رسول ﷺ! اس امید نے کہ میں بھی جنتیوں میں سے ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے انھیں خوشخبری دی کہ تم انھی میں سے ہو۔

اس کے بعد انھوں نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور کھانا شروع کر دیں۔ پھر کہنے لگے: اگر میں کھجوریں کھاتا رہا تو میری زندگی بہت لمبی ہو جائے گی، چنانچہ انھوں نے کھجوریں پھینک دیں اور کافروں سے لڑائی شروع کر دی، یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔

فوائد:

1. شہادت کی تڑپ لے کر کافروں میں کود جانا جمہور علما کے نزدیک جائز ہے۔
2. ایمان کی قوت اور جنت کے حصول کا شوق انسان کو دنیا سے بے رغبت کر دیتا ہے۔
3. رسول اللہ ﷺ کا معجزہ کہ آپ ﷺ نے عمیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں خبر دی کہ وہ جنتی ہیں، چنانچہ سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شہید ہو گئے اور شہید جنتی ہوتا ہے۔

44- خیبر تباہ و برباد ہو جائے گا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جنگ کے لیے خیبر کی طرف گئے۔ (انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ) ہم نے خیبر کے قریب جا کر اندھیرے میں فجر کی نماز پڑھی۔ پھر نبی اکرم ﷺ اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سوار ہوئے۔ میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، نبی کریم ﷺ نے اپنی سواری کا رخ خیبر کی گلیوں کی طرف کر دیا اور بے شک میرا گھٹنا نبی مکرم ﷺ کی ران سے چھو جاتا تھا۔ اللہ کے نبی اکرم ﷺ کی ران مبارک سے کپڑا ہٹ گیا۔ مجھے نبی مکرم ﷺ کی ران کی سفیدی نظر آتی تھی، پھر جب آپ ﷺ (خیبر کی) بستی میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« اَللّٰهُ أَكْبَرُ، خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ قَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ »

اللہ اکبر، خیبر ویران ہو گیا، یقیناً جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو پہلے سے ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بہت بری ہوتی ہے آپ ﷺ نے تین بار یہ بات ارشاد فرمائی۔ (راوی کہتے ہیں) لوگ (یہودی) اپنے کاموں پر نکلے تو انھوں نے دیکھ کر کہا: اللہ کی قسم! محمد اور لشکر۔ راوی فرماتے ہیں: ہم نے خیبر کی فتح قوت کے ذریعے حاصل کی تھی۔ جب قیدی جمع کیے گئے تو دحیہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اللہ کے رسول ﷺ! قیدیوں میں سے ایک لڑکی مجھے عنایت فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ اور ایک لڑکی لے لو، انھوں نے

صفیہ بنت حیی کو لے لیا، اس پر ایک شخص نبی مکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اللہ کے نبی ﷺ! آپ ﷺ نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کے سردار کی بیٹی صفیہ، دحیہ کو دے دی ہے؟ حالانکہ وہ صرف آپ ﷺ کے شایان شان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے (دحیہ کو) اس (صفیہ) کے ساتھ بلاؤ (راوی کہتے ہیں) وہ اسے لے کر آئے، پھر نبی اکرم ﷺ نے اسے دیکھ کر فرمایا: تم قیدیوں میں سے اس کے علاوہ کوئی لڑکی لے لو۔ راوی فرماتے ہیں: آپ ﷺ نے اس (صفیہ) کو آزاد کیا اور اس سے شادی کی۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ آپ ﷺ نے ان (صفیہ) کو کیا حق مہر دیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: ان کا نفس، آپ ﷺ نے انھیں آزاد کیا اور ان سے شادی کی۔ جب آپ ﷺ راستے میں تھے تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اسے آپ ﷺ کے لیے تیار کیا اور انھیں رات کے وقت آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، اس طرح آپ ﷺ دولہا بن گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَلْيَجِيءْ بِهِ»

''جس کے پاس جو کچھ ہو وہ لے آئے۔''

راوی کہتے ہیں: آپ ﷺ نے دستر خوان بچھایا، پھر کوئی شخص پنیر لے کر آ گیا اور کوئی کھجور لے کر آیا اور کوئی شخص گھی لے کر آ گیا۔ لوگوں نے اسے ملا کر ایک میٹھا کھانا تیار کیا اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کا ولیمہ ہوا۔[1]

تشریح:

خیبر یہود کا علاقہ تھا اور وہاں پر ان کے قلعے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے بنی اسرائیل کا ایک آدمی یہاں پر آباد ہوا تھا، جس کا نام خیبر تھا

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [358] صحيح مسلم، رقم الحديث [2561]

اور اسی کے نام پر اس جگہ کا نام خیبر پڑ گیا۔ یہ مدینے سے شمال مشرق کی جانب چھ مراحل پر واقع تھا، وہاں پر کثیر تعداد میں گھنے باغات تھے۔ شروع اسلام میں یہاں پر یہود کے دو قبائل بنو قریظہ اور بنو نضیر آباد تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ غزوہ خیبر ہجرت کے ساتویں سال جمادی الاولی میں پیش آیا۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ سے واپس آ کر ذوالحجہ اور محرم کے کچھ ایام مدینے میں قیام فرمایا، اس کے بعد چھٹے سال کا ایک مہینہ اور کچھ ایام ابھی باقی تھے، جب آپ ﷺ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔

آپ ﷺ نے خیبر میں رات کے آخری وقت میں قدم رکھا اور یہ اس وجہ سے تھا، تاکہ آپ ﷺ کا یہاں آنا دشمن سے پوشیدہ رہے۔

«وَرَكِبَ أَبُوْ طَلْحَةَ وَأَنَا رَدِيْفُهُ... الخ»

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سوار ہوئے تو میں ان کے پیچھے سوار ہوا، نبی مکرم ﷺ خیبر کی گلیوں میں اپنی سواری کو چلایا، میرا گھٹنا نبی کریم ﷺ کی ران کو چھو رہا تھا، نبی اکرم ﷺ کی ران مبارک سے کپڑا ہٹ گیا تو میں نبی مکرم ﷺ کی ران کی سفیدی دیکھنے لگا۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کی عظمت اور مقام کا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کی طرف یہ بات منسوب نہ کی جائے کہ آپ ﷺ نے قصداً اپنی ران سے کپڑ ہٹایا ہوگا، کیونکہ آپ ﷺ ہی کا قول ہے: «اَلْفَخِذُ عَوْرَةٌ» یعنی ران پردہ (چھپانے والی چیز) ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ آپ ﷺ نے قصداً اپنی ران سے کپڑا نہیں ہٹایا تھا، بلکہ لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے از خود کپڑا ہٹ گیا تھا۔

«خَرِبَتْ خَيْبَرُ» یعنی خیبر تباہ و برباد ہو گیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے

کہ کیا یہ بات آپ ﷺ نے بطور خبر کہی تھی؟ اگر بطور خبر تھی تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو غیب کا علم تھا؟ یا آپ ﷺ نے محض دعائیہ جملے کے طور پر یہ بات کہی تھی؟ یا آپ ﷺ نے ان کے حالات کی عکاسی کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا؟ یعنی جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ لوگ صبح صبح اپنے کام کاج کو نکلے تو آپ ﷺ اور اسلامی لشکر کو دیکھ کر فوراً گھبرا گئے اور تعجب سے ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے کہ کیا یہ محمد ﷺ ہیں؟

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ تینوں باتوں میں سے کیا درست ہے۔

« بِسَاحَةِ قَوْمٍ » یعنی گھروں کے درمیان کھلی جگہ۔ "ساحة" کا لفظ طرف، کنارے اور سمت پر بھی بولا جاتا ہے۔

« وَخَرَجَ الْقَوْمُ إِلٰی أَعْمَالِهِمْ » یعنی ان کے روز مرہ کے جو معمولات تھے، وہ ان میں مشغول ہونے کے لیے گھروں سے نکلے۔

« فَقَالُوْا: مُحَمَّدٌ » یعنی محمد ﷺ آ گئے ہیں۔

« وَالْخَمِيْسُ » یعنی لشکر، لشکر کو خمیس کا نام اس لیے دیا گیا ہے، کیونکہ لشکر بھی پانچ اقسام پر مشتمل ہوتا ہے، آگے، پیچھے، درمیان، دائیں، بائیں۔

ابن سیدہ فرماتے ہیں: چونکہ اہلِ خیبر نے اسلامی لشکر کو پانچ اقسام میں دیکھا تو یہ لفظ بولا۔

« عَنْوَةٌ » زبردستی، زور اور سختی کے معنی میں ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ "أَخَذْتُهُ عَنْوَةً أَيْ قَهْرًا" میں نے اسے زور اور زبردستی سے پکڑا۔ یہ ایسا لفظ ہے جو کسی چیز اور اس کی ضد دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

جیسے امام ثعلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے "أَخَذْتُ الشَّيْءَ عَنْوَةً" "میں نے کوئی چیز زبردستی حاصل کی" یا

"أَخَذْتُهُ عَنْوَةً" "میں نے وہ صلح صفائی سے حاصل کی۔"

اسی بات کا سہارا لیتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ اہلِ خیبر نے بغیر لڑائی کے مسلمانوں کی بالا دستی تسلیم کر لی ہو۔

امام ابوعمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ خیبر کی ساری زمین زبردستی اور قوت کے ساتھ فتح کی گئی تھی۔

امام منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علما کا اختلاف ہے کہ کیا خیبر لڑائی سے فتح ہوا تھا یا بغیر لڑائی کے؟ صلح صفائی کے ساتھ یا بغیر لڑائی کے اس کے رہنے والوں کو جلا وطن کر دیا گیا؟ تمام آثار کو مدنظر رکھتے ہوئے صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ بعض حصہ لڑائی سے فتح ہوا تھا اور بعض حصہ صلح سے اور بعض کے رہنے والوں کو جلا وطن کر دیا گیا تھا۔

« فَجَاءَ دِحْيَةُ » یعنی دحیہ بن خلیفہ بن فروۃ الکلبی رضی اللہ عنہ، یہ سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔ جبریل علیہ السلام انھی کی شکل میں رسول اللہ ﷺ کے پاس وحی لایا کرتے تھے۔

« فَقَالَ: اذْهَبْ فَخُذْ جَارِيَةً » کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر آپ یہ سوال اٹھائیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت تقسیم کرنے سے قبل دحیہ کو لونڈی کیوں دی؟ اس کا کیا جواز ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مالِ غنیمت کے اس حصے میں سے دحیہ کو لونڈی دی تھی، جو آپ ﷺ نے اپنے لیے منتخب کیا تھا، آپ ﷺ کو اس خاص حصے میں اختیار ہوتا تھا کہ اسے جہاں مرضی صرف کریں۔

اگر آپ یہ کہیں کہ یہ دلیل ناقابل اطمینان ہے تو میں کہوں گا کہ اس اعتراض کو رفع کرنے کے لیے بے شمار جوابات موجود ہیں، مثلاً:

١ آپ ﷺ کے لیے جائز تھا کہ آپ ﷺ دحیہ رضی اللہ عنہ کو زائد حصہ میں لونڈی دے سکتے تھے، خواہ آپ ﷺ سارے مالِ غنیمت سے دیتے یا خمس سے یا تقسیم سے پہلے دیتے یا تقسیم کے بعد، اس میں رسول اللہ کو مکمل اختیار تھا۔

٢ آپ ﷺ کے لیے یہ بھی جائز تھا کہ آپ مالِ غنیمت میں سے خمس الگ کر کے اس سے لونڈی دے دیتے۔

٣ آپ ﷺ کے لیے یہ بھی جائز تھا کہ آپ ﷺ دحیہ رضی اللہ عنہ کو ان کا اصل حصہ مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے ہی دے سکتے تھے۔

« فَأَخَذَ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ » یعنی دحیہ رضی اللہ عنہ نے صفیہ بنت حیی بن اخطب بن سعیہ بن سفلہ بن ثعلبہ کو لے لیا۔ یہ ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں اور ان کی والدہ کا نام برہ بنت سموٴل تھا۔

واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ پچاس ہجری میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوئیں۔ واقدی رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر لوگوں کا خیال ہے کہ وہ چھتیس ہجری میں علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوئی تھیں اور ان کو مقبرۃ البقیع میں دفن کیا گیا۔

یہ پہلے کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں تھیں، جو جنگِ خیبر میں قتل ہو گیا تھا۔

« فَجَاءَ رَجُلٌ » اس آدمی کا نام معلوم نہیں ہے۔

« قُرَيْظَة وَ النَّضِير » یہ خیبر میں آباد یہود کے دو بڑے قبیلے تھے، یہ ہارون علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے عرب میں داخل ہوئے تھے۔

« خُذْ جَارِيَةً مِّنَ السَّبْيِ غَيْرَهَا » یعنی صفیہ کے علاوہ کوئی اور لونڈی لے لو۔

رسول اللہ ﷺ کے صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حصے میں رکھنے کی وجہ:

اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ وہ نبوت کے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، یعنی ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے، اسی طرح یہ دو بڑے خاندانوں یعنی بنو قریظہ اور بنو نضیر کے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں، آپ ﷺ نے اپنے نفس کی خواہش پوری کرنے کے لیے شادی نہیں کی تھی، بلکہ ان کے خاندانی حسب ونسب اور زیادہ اولاد جننے کی وجہ سے کی تھی۔

علامہ مازری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے دو وجوہات کی بنا پر صفیہ رضی اللہ عنہا کو دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے واپس لیا تھا:

1. دحیہ رضی اللہ عنہ کی رضا مندی سے اور ان کو اس کے بدلے میں اور لونڈی دی تھی۔
2. آپ ﷺ نے دحیہ رضی اللہ عنہ کو قیدیوں میں کوئی عام لونڈی لینے کی اجازت دی تھی نہ کہ اس لونڈی کی جو حسب ونسب کے اعتبار سے افضل تھی۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ دحیہ رضی اللہ عنہ نے قیدیوں میں سے سب سے زیادہ خوبصورت، بہتر اور حسب ونسب میں اعلیٰ لونڈی لے لی ہے تو آپ ﷺ نے فوراً واپس لوٹانے کا حکم دیا، تاکہ دحیہ رضی اللہ عنہ باقی لشکر والوں میں سے ممتاز نہ ہو جائیں، کیونکہ لشکر میں ایسے لوگ بھی موجود تھے، جو بہر حال دحیہ رضی اللہ عنہ سے افضل تھے۔

واقدی رحمہ اللہ کی سیر میں ہے کہ آپ ﷺ نے دحیہ رضی اللہ عنہ کو کنانہ بن ربیع کی بہن دے دی تھی، جب کہ صفیہ رضی اللہ عنہا کنانہ بن ربیع کی زوجہ تھیں، آپ ﷺ نے دحیہ کو صفیہ کے شوہر کی بہن اس لیے دی، تاکہ ان کے دل میں کوئی تنگی اور بدگمانی نہ پیدا ہو۔[1]

---

[1] عمدة القاري شرح صحيح البخاري [227/6]

فوائد:

① فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا جائز ہے اور یہ حدیث ان لوگوں کے خلاف دلیل ہے، جو اندھیرے میں فجر کی نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں، جیسے شافعی وغیرہ۔

② اگر سواری میں طاقت ہو تو اس پر دو آدمیوں کا سوار ہونا جائز ہے۔

③ جنگ کے وقت ذکر اور تکبیرات پڑھنا مستحب ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [الأنفال: 45]

”اے ایمان والو! جب تمھاری کسی جماعت سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر بہت زیادہ کرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“

④ تین دفعہ تکبیرات پڑھنا مستحب ہے۔

⑤ گھڑسواری جائز ہے اور اس سے بڑے مرتبے والے آدمی کی شان میں کمی واقع نہیں ہوتی، خاص طور پر جب ضرورت ہو یا سواری کو تیار کرنا مقصود ہو یا لڑائی کی تیاری کے لیے اپنے آپ کو ٹریننگ دینا مقصود ہو۔

⑥ امیر اور سردار کا اپنی لونڈی کو آزاد کرنا اور پھر اس سے شادی کرنا مستحب عمل ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ ایسے آدمی کے لیے دوگنا اجر ہے۔

⑦ اس میں دلیل ہے کہ شادی کے بعد ولیمہ کرنا چاہیے اور ولیمہ عورت سے ہم بستری کے بعد ہوتا ہے۔ امام ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم بستری سے پہلے اور بعد دونوں صورتوں میں ولیمہ کرنا جائز ہے۔

8. ہم بستری رات کے وقت ہے، لیکن بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ ﷺ نے دن کے وقت صفیہ سے ہم بستری کی تھی، لہٰذا دونوں اوقات میں جائز ہے۔

9. شادی کرنے والے آدمی کے دوست واحباب اور رشتے داروں کو مل جل کر اس کے ولیمے کا اہتمام کرنا چاہیے، اگر وہ کچھ کھلانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ان سب کو مل کر اس کے ولیمے کے لیے کھانے وغیرہ کا بندوبست کرنا چاہیے۔

10. ولیمہ کسی بھی طرح کے کھانے سے ہو سکتا ہے، ضروری نہیں کہ گوشت ہی ہو، بلکہ گوشت کے علاوہ کسی اور چیز سے بھی ضیافت ہو سکتی ہے۔

45- فلاں غلام نے خیانت کی تھی

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی مکرم ﷺ کے ساتھ خیبر کی لڑائی کے لیے نکلے، اس لڑائی میں ہمیں سونا، چاندی غنیمت میں نہیں ملا تھا، بلکہ دوسرے اموال، کپڑے اور سامان ملا تھا۔ پھر بنو ضبیب کے ایک شخص رفاعۃ بن زید نے نبی مکرم ﷺ کو ایک غلام ہدیے میں دیا، جس کا نام مدعم تھا۔ پھر نبی اکرم ﷺ وادی قریٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور جب آپ ﷺ وادی قریٰ میں پہنچ گئے تو مدعم کو، جب کہ وہ آپ ﷺ کا کجاوہ درست کر رہا تھا، ایک انجان تیر آ کر لگا، جس نے اسے قتل کر دیا، لوگوں نے کہا کہ اسے جنت مبارک ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«كَلَّا! وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي أَخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَاراً، فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِكَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكٍ أَوْ شِرَاكَيْنِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: شِرَاكٌ مِنْ نَارٍ، أَوْ شِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ»[1]

''ہرگز نہیں! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ چادر جو اس نے تقسیم سے پہلے خیبر کے مال غنیمت میں سے چرائی تھی، وہ اس پر آگ کا انگارہ بن کر بھڑک رہی ہے۔ جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ایک شخص چپل کا ایک تسمہ یا دو تسمے نبی کریم ﷺ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [6213]

کے پاس لایا، آپ ﷺ نے فرمایا: ایک تسمہ آگ کا ہے یا دو تسمے آگ کے ہیں۔"

تشریح:

«اِفْتَتَحْنَا خَیْبَرَ» موطا امام مالک میں عبیداللہ بن یحییٰ اپنے والد یحییٰ سے اور یحییٰ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ وہ خیبر کا دن نہیں تھا، بلکہ حنین کا دن تھا۔

دارقطنی میں موسیٰ بن ہارون رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اس حدیث کے راوی ثور وہم کا شکار ہو گئے ہیں، کیونکہ جب نبی مکرم ﷺ خیبر کی طرف روانہ ہوئے تھے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ نہیں تھے، بلکہ وہ آپ ﷺ کے جانے کے بعد مدینہ آئے تھے اور جب خیبر فتح ہو چکا تھا، اس وقت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے پیچھے خیبر میں پہنچے تھے۔

ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس بات کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں خیبر میں نبی کریم ﷺ کے پاس اس وقت پہنچا جب انھوں نے خیبر فتح کر لیا تھا۔

یہی روایت جب محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے بیان فرمائی تو انھوں نے خیبر کے الفاظ بیان نہیں کیے، کیونکہ وہ سمجھ چکے تھے کہ ثور بن زید وہم کا شکار ہو چکے ہیں۔

«وَلَمْ نَغْنَمْ ذَهَباً [إِلٰی قَوْلِهٖ] وَالْحَوَائِطِ» حائط کی جمع "حوائط" ہے، اس سے مراد کھجوروں کا باغ ہے۔ "القریٰ" قریہ کی جمع ہے اور یہ مدینے کے نزدیک ایک بستی کا نام ہے۔ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کا غلام مدعم تھا، جو آپ ﷺ کو بنو خبیب کے ایک آدمی رفاعۃ بن زید نے تحفے میں دیا تھا۔

واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رفاعۃ بن زید رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد اور جنگ خیبر سے پہلے اپنی قوم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور

انھوں نے اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے ان کی قوم سے عہد لیا، اس موقع پر رفاعۃ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو غلام تحفے میں دیا۔

«إِذْ جَاءَهُ سَهْمٌ عَائِرٌ» یعنی اس کو ایسا تیر لگا جو کسی نامعلوم مقام سے آیا تھا۔

«لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَاراً» احتمال ہے کہ اس سے مراد جہنم کا حقیقی عذاب ہے، جو اس شخص کو قیامت کے دن ملے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ وہ کمبل اس کے لیے جہنم کے عذاب کا سبب بن جائے گا۔ یہی معاملہ تسمے کا ہے۔[1]

فوائد:

① اس حدیث میں خیانت کرنے سے ڈرایا گیا ہے اور جو شخص کسی چیز میں خیانت کرے گا، قیامت کے دن وہی چیز اس کے لیے جہنم کا انگارہ بن کر سامنے آئے گی، کیونکہ اس چیز پر اس کا حق نہیں تھا اور اس نے ناجائز اس پر قبضہ کیا۔

② جلد بازی میں کسی کے بارے میں کوئی حکم صادر نہیں کرنا چاہیے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی؟ کیونکہ ان چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

③ رسول اللہ ﷺ کے ایک معجزے کا بیان کہ آپ ﷺ نے ایک غیبی چیز کی خبر دی، جو صرف ایک نبی ہی دے سکتا ہے۔

---

[1] عمدة القاري [86/26]

46- آج رات آندھی آئے گی

سیدنا ابوحمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لیے نکلے تو وادی قریٰ میں ایک باغ کے پاس پہنچے، جو ایک عورت کا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اندازہ لگاؤ کہ اس باغ میں کتنا پھل ہے؟ ہم نے اندازہ لگایا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا اندازہ دس وسق لگایا تھا۔ آپ ﷺ نے (اس عورت کو) کہا:

«أَحْصِيهَا حَتّٰى نَرْجِعَ إِلَيْكِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''تم یہ گنتی یاد رکھنا، یہاں تک کہ ہم واپس آجائیں اگر اللہ نے چاہا۔''

(راوی کا بیان ہے) پھر ہم لوگ آگے چلے، یہاں تک کہ تبوک میں پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«سَتَهُبُّ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَةَ رِيحٌ شَدِيدَةٌ فَلَا يَقُمْ فِيهَا أَحَدٌ مِّنْكُمْ فَمَنْ كَانَ لَهُ بَعِيرٌ فَلْيَشُدَّ عِقَالَهُ»

''آج کی رات زور سے آندھی چلے گی، لہٰذا تم میں سے کوئی شخص اس میں کھڑا نہ ہو اور جس کے پاس اونٹ ہو وہ اسے مضبوطی سے باندھ دے۔''

پھر ایسے ہی ہوا، تیز آندھی آئی۔ ایک شخص کھڑا ہوا تو تیز ہوا اس کو اڑا کر لے گئی اور طی کے دو پہاڑوں میں پھینک دیا۔ اس کے بعد ''عَلْمَاء'' کے بیٹے کا قاصد، جو ایلہ کا حاکم تھا، ایک خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور

رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک خچر تحفہ بھی لایا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو جواب لکھا اور ایک چادر تحفے میں بھیجی۔ پھر ہم واپس آئے، یہاں تک کہ وادی قریٰ میں پہنچے۔ آپ ﷺ نے اس عورت سے باغ کے پھل کے بارے میں پوچھا کہ کتنا پھل نکلا ہے؟ اس عورت نے جواب دیا: دس وسق، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي مُسْرِعٌ فَمَنْ شَاءَ مِنكُمْ فَلْيُسْرِعْ مَعِي وَمَنْ شَاءَ فَلْيَمْكُثْ»

''میں جلدی جانے والا ہوں، لہٰذا تم میں سے جس کا جی چاہے وہ میرے ساتھ جلدی چلے اور جس کا جی چاہے وہ ٹھہر جائے۔''

ہم نکلے، یہاں تک کہ مدینہ نظر آنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ طابہ ہے اور یہ احد پہاڑ ہے، جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: انصار کے گھروں میں سے بنو نجار کے گھر سب سے بہتر ہیں۔ پھر بنو عبدالاشہل کا گھر، پھر بنو حارث بن خزرج کا گھر، پھر بنو ساعدہ کا گھر اور انصار کے سب گھروں ہی میں بہتری ہے۔

پھر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہم سے ملے۔ ابو اسید رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: کیا تم نے نہیں سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار کے گھروں کی بہتری بیان فرمائی ہے اور ہم کو سب سے آخر میں رکھا ہے؟ (یہ سن کر) سعد رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے ملے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے انصار کی فضیلت بیان کی ہے اور ہم کو سب سے آخر میں رکھا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَوَلَيْسَ بِحَسْبِكُمْ أَنْ تَكُونُوا مِنَ الْخِيَارِ؟» [1]

''کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تم اچھے لوگوں میں شمار رہو؟''

تشریح:

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے ایک معجزے کا ذکر ہوا ہے کہ

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [4230]

آپ ﷺ نے ایک غیبی چیز کی خبر دی۔ آپ ﷺ نے تیز آندھی میں کھڑے ہونے سے ڈرایا۔ آپ ﷺ کے اس حکم میں امت کے لیے آپ ﷺ کی شفقت و مہربانی کا بھی بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ کو اپنی امت کے دینی و دنیاوی تمام معاملات کی کتنی فکر ہوتی تھی۔

آپ ﷺ ہر لمحہ اپنی امت کی بھلائی کے بارے میں سوچا کرتے تھے اور لوگوں کو ہر اس چیز سے ڈرایا کرتے تھے، جو ان کے لیے نقصان اور تکلیف کا سبب بننے والی ہوتی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو پیشگی اطلاع دے دی کہ تبوک میں تیز آندھی آئے گی، جو تمھیں اڑا کر لے جائے گی، لہٰذا اس وقت احتیاط سے رہنا، اپنی سواریوں کو مضبوطی سے باندھ کر رکھنا، اپنے سامان کی حفاظت کرنا، کوئی بھی آندھی کی طرف نہ جائے، تاکہ اسے کوئی تکلیف اور اذیت نہ پہنچ سکے، پھر وقت نے ثابت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطلاع درست تھی۔[1]

چنانچہ تیز ہوا چلی، آندھی آئی اور اس نے ایک چیز کو ایک جگہ سے اٹھا کر دور دوسری جگہ پھینک دیا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ایک واضح معجزہ بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک غیبی چیز کی خبر دی اور تیز ہوا کے وقت اس میں کھڑے ہونے سے ڈرایا۔''[2]

---

(1) السيرة النبوية للصلابي [470/2]

(2) شرح النووي [42/15]

فوائد:

① رسول اللہ ﷺ کے ایک واضح معجزے کا بیان۔

② رسول اللہ ﷺ کے دل میں اپنی امت کے لیے جو شفقت، مہربانی اور رحمت پائی جاتی تھی اس کا بیان۔

③ نبی مکرم ﷺ کے حکم کی مخالفت کرنے کا انجام بیان ہوا ہے۔

47- تم ابوخیثمہ ہو

جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو بعض لوگ بغیر کسی شک وشبے، مجبوری اور عذر کے پیچھے رہ گئے تھے، ان میں ایک ابوخیثمہ السالمی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے روانہ ہونے کے چند دن بعد سخت گرمی کے وقت اپنے گھر میں گئے اور اپنی دونوں بیویوں کو دیکھا کہ وہ باغ میں اپنے اپنے چھپر میں ہیں۔ ہر ایک نے پانی چھڑک کر اپنے چھپر کو ٹھنڈا کیا ہوا تھا اور ابوخیثمہ کے لیے اس میں ٹھنڈا پانی اور بہترین کھانا تیار کر رکھا تھا۔ ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ باغ میں داخل ہوئے اور چھپر کے دروازے میں کھڑے ہو کر اپنی دونوں بیویوں اور اس انتظام کی طرف دیکھنے لگے، جو انھوں نے ان کے لیے کر رکھا تھا، پھر کہا: رسول اللہ ﷺ گرمی، تیز آندھی اور سخت دھوپ کا سامنا کر رہے ہوں اور ابوخیثمہ ٹھنڈے سایوں، عمدہ کھانوں اور اپنی خوبصورت بیویوں کے ساتھ اپنے مال ومتاع میں مزے لوٹ رہا ہو! یہ کیسا انصاف ہے؟

پھر کہا: اللہ کی قسم! میں تم دونوں کے چھپر میں داخل نہیں ہوں گا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ مل جاؤں، تم دونوں میرے لیے سامانِ سفر تیار کرو، ان دونوں نے ایسا ہی کیا، پھر وہ اپنی اونٹنی کے پاس آئے اور اس پر سوار ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکل پڑے، یہاں تک کہ یہ عین اس وقت آپ ﷺ کے پاس پہنچ گئے جب آپ ﷺ تبوک کی سرزمین پر اتر رہے تھے۔ ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ راستے میں عمیر بن وہب جمحی سے ملے، وہ بھی رسول اللہ ﷺ

کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے، چنانچہ یہ دونوں رفیقِ سفر بن گئے۔ جب دونوں تبوک کی سرزمین کے قریب پہنچے تو ابوخیثمہ نے عمیر بن وہب سے کہا کہ میرا ایک جرم ہے، لہٰذا تم نے میرے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچنے تک میرے پیچھے رہنا ہے، انھوں نے ایسا ہی کیا، یہاں تک کہ جب رسول اللہ ﷺ تبوک کی سرزمین میں اتر رہے تھے تو یہ دونوں بھی آپ ﷺ کے قریب پہنچ گئے۔ لوگوں نے کہا راستے میں سوار آ رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُنْ أَبَا خَيْثَمَةَ» ”ابوخیثمہ ہونا چاہیے۔“

انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کی قسم! وہ ابوخیثمہ ہی ہیں۔ جب ابوخیثمہ وہاں پہنچے، سواری بٹھائی اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر السلام علیکم کہا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا:

«أَوْلَىٰ لَكَ يَا أَبَا خَيْثَمَةَ» ”اے ابوخیثمہ! تیرے لیے کتنا اچھا ہے۔“

اس کے بعد ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو ساری بات بتائی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے خیر کے کلمات کہے اور خیر کی دعا فرمائی۔

ابن ہشام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس موقع پر ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ جن کا نام مالک بن قیس تھا، نے یہ اشعار کہے:

لما رأيت الناس في الدين نافقوا
أتيت التي كانت أعف و أكرما
وبايعت باليمنىٰ يدي لمحمد
فلم أكتسب إثما ولم أغش محرما
تركت خضيبا في العريش و صرمة
صفايا كراما بسرها قد تحمما

وكنت إذا شك المنافق أسمحت
إلى الدين نفسي شطره حيث مما

''جب میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ دین میں نفاق اختیار کر رہے ہیں تو میں اس ہستی کے پاس آیا جو سب سے زیادہ درگزر کرنے والی اور معزز تھی۔ میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے محمد ﷺ سے بیعت کی، میں نے کبھی گناہ نہیں کیا اور نہ کسی حرام کام میں واقع ہوا ہوں۔ میں نے خوبصورت عورتوں کو خوبصورت باغوں میں چھوڑا، جب کہ پھل اور تازہ خوشے سیاہ ہو رہے تھے۔ جب کوئی منافق شک میں مبتلا ہوتا تھا تو میں اپنے آپ کو دین کی طرف کر لیتا تھا، جتنا کوئی شک میں مبتلا ہوتا تھا۔[1]''

تشریح:

جنگِ تبوک کے موقع پر بنو سالم کے ایک آدمی ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے۔ جنگ سے پیچھے رہنا کوئی معمولی جرم نہ تھا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ﴾ [التوبة: 120]

''مدینہ والوں کا اور ان کے ارد گرد جو بدوی ہیں، ان کا حق نہ تھا کہ وہ رسول اللہ سے پیچھے رہتے۔''

یعنی کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ میدانِ جنگ میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہے اور ایسے موقع پر اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ سے جدا کر لے۔

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [4973] الروض الانف [295/4] البدایۃ النہایۃ [8/5]

کائنات کے سب سے افضل و اعلیٰ انسان تو دھوپ، گرمی اور میدانِ جنگ کی سختیاں جھیل رہے ہوں اور یہ شخص اپنے اہل وعیال، مال اور گھنے سایوں میں مزے لوٹ رہا ہو۔ یہی وہ احساسِ شرمندگی تھا، جو ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ میں اُجاگر ہوا۔ چنانچہ وہ اپنے گھر میں آئے، انھوں نے دیکھا کہ ان کی دونوں بیویاں ٹھنڈے اور سایہ دار چھپروں میں بیٹھی ہیں اور دونوں نے ان کے لیے ٹھنڈا پانی اور بہترین کھانا تیار کر رکھا ہے۔ ان کے زمانے میں بیوی، آرام دہ کمرہ، ٹھنڈے مشروبات اور عمدہ کھانے؛ یہ سب چیزیں دل گرفتہ سمجھی جاتی تھیں، جو انسان کو دیگر کاموں سے روک دیتی تھیں۔

جب ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ نے یہ سب چیزیں ایک ساتھ اکٹھی دیکھیں تو فوراً پکار اٹھے کہ رسول اللہ ﷺ سخت دھوپ، گرمی، تیز ہواؤں، سفر کی تکالیف اور جنگ کی مشکلات میں گھرے ہوئے ہوں اور ابوخیثمہ ان دنیاوی لذتوں کے مزے لوٹ رہا ہو! یہ کیسا انصاف اور عقل مندی ہے؟ یعنی کسی انسان کو زیب نہیں دیتا کہ اس کے پیشوا، ہمدرد اور راہبر و راہنما مصائب میں ہوں اور وہ آرام کی زندگی گزار رہا ہو۔ یہ بات عدل وانصاف کے تقاضوں کے بھی منافی ہے۔ ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے جدا اور پیچھے رہنے کو بالکل اچھا نہ سمجھا اور اپنی بیویوں سے مخاطب ہوئے کہ اللہ کی قسم! میں اس وقت تک تمھارے پاس نہیں بیٹھوں گا، جب تک رسول اللہ ﷺ سے مل نہ لوں اور آپ ﷺ کے ساتھ جنگ میں شامل نہ ہو جاؤں۔

پھر ان دونوں کو حکم دیا کہ میرے لیے سفر کا زادِ راہ، سواری اور دیگر سامان تیار کرو۔ جب سفر کی تیاری مکمل ہوگئی تو فوراً اونٹنی پر سوار ہوئے اور تبوک کی سرزمین کی طرف چل پڑے۔ جب رسول اللہ ﷺ تبوک کی سرزمین میں

داخل ہو رہے تھے تو اس وقت ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دور سے آتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ ہونا چاہیے، جب قریب پہنچے تو وہ واقعی ابو خیثمہ ہی تھے۔ انھوں نے پاس آ کر رسول اللہ ﷺ کو ساری بات بتائی، آپ ﷺ نے ان کے لیے بھلائی اور خیر کے کلمات کہے اور دعا بھی فرمائی۔

اگر ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ شروع ہی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکل پڑتے تو ان کے دل میں ایمان، اللہ کا خوف، جہاد کا شوق اور نیکی کی وہ رغبت پیدا نہ ہوتی جو پیچھے رہ جانے کی وجہ سے بعد میں پیدا ہوئی تھی، یعنی ایک طرح سے یہ چیز ان کے لیے فائدہ مند ثابت ہوئی۔ اسی طرح اگر ایک آدمی لوگوں کے ساتھ لمبا سفر کرتا ہے اور دوسرا اکیلا سفر کرتا ہے تو دونوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ پہلے آدمی کو اتنا ڈر اور خوف نہیں ہوتا، جتنا دوسرے کو ہوتا ہے۔ پھر اس دور میں سفر کی جو نوعیت ہوتی تھی، اسے ذہن میں لائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اتنا لمبا، دشوار اور سخت گرمی کے موسم میں اکیلے آدمی کا سفر کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ صرف اس لیے برداشت کیا، تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل جائیں، یعنی اس اعتبار سے ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ ایک جراَت مند اور باہمت شخص ثابت ہوئے۔

فوائد:

۱. مسلمان کا ضمیر ہمیشہ زندہ ہوتا ہے۔
۲. رسول اللہ ﷺ کا اپنے صحابہ کرام اور ان کے انساب کو پہچاننا۔
۳. ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ کا سفر کی تکالیف پر صبر کرنا اور پرعزم رہنا۔
۴. قائد کا اپنے لشکر میں شامل لوگوں کی اصلاح کرنا اور لوگوں میں اس کا اثر و رسوخ ہونا۔

48- عن قریب تمھارے پاس قالین ہوں گے

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: کیا تمھارے پاس قالین ہیں؟ میں نے عرض کی: ہمارے پاس قالین کہاں؟ (ہم غریب لوگ ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا إِنَّهُ سَيَكُونُ لَكُمُ الْأَنْمَاطُ، فَأَنَا أَقُولُ لَهَا -يَعْنِي امْرَأَتَهُ- أَخِّرِي عَنِّي أَنْمَاطَكِ، فَتَقُولُ: أَلَمْ يَقُلِ النَّبِيُّ ﷺ إِنَّهَا سَتَكُونُ لَكُمُ الْأَنْمَاطُ، فَأَدَعُهَا»[1]

''ایک وقت آئے گا جب تمھارے پاس عمدہ قالین ہوں گے۔ (اب) میں اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ مجھ سے اپنے یہ قالین ہٹا لے تو وہ کہتی ہے کہ کیا نبی اکرم ﷺ نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب تمھارے پاس قالین ہوں گے، چنانچہ میں اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہوں۔''

تشریح:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے جب شادی کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو کہا کہ تم نے قالین رکھے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: اللہ کے رسول ﷺ! ہم غریب لوگ ہیں، ہمارے پاس قالین خریدنے کی سکت کہاں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک وقت آئے گا کہ تمھارے پاس عمدہ قالین ہوں گے۔

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3359] صحيح مسلم، رقم الحديث [3884]

أنماط سے کیا مراد ہے؟

أنماط ''نمط'' کی جمع ہے، اس سے مراد وہ غالیچا چادر، پردہ یا چٹائی ہے، جس کے ساتھ فرش یا بستر کو ڈھانپا جائے۔

یہی لفظ صحیح مسلم کی روایت میں بھی آیا ہے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«فَأَخَذْتُ نَمَطاً فَسَتَرْتُهُ عَلَى الْبَابِ»

''میں نے ایک چادر لی اور اسے دروازے پر ڈال کر پردے کا کام لیا۔''

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میری بیوی کے پاس ایک قالین تھا، میں اپنی بیوی سے کہتا تھا کہ اسے مجھ سے دور کر دو، یعنی میرے گھر سے نکال دو، لیکن میری بیوی مجھے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث یاد کروا دیتی تھیں کہ عن قریب تمھارے پاس یہ قالین ہوں گے، جس وجہ سے میں خاموش ہو جاتا تھا اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ گھر میں زیادہ قالینوں کو پسند نہیں کرتے تھے، کیونکہ یہ دنیاوی زیب و آرایش میں شمار ہوتے ہیں۔[1]

فوائد:

1. قالین استعمال کرنا جائز ہے، جب وہ ریشمی کپڑے سے بنا ہوا نہ ہو۔
2. رسول اللہ ﷺ کا معجزہ کہ آپ ﷺ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کو پیشگی اطلاع دے دی تھی۔

---

[1] شرح النووي [58/14]

49- سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت مختصر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت لمبی ہونے کی طرف اشارہ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي عَلَى قَلِيبٍ عَلَيْهَا دَلْوٌ فَنَزَعْتُ مِنْهَا مَا شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ أَخَذَهَا ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ فَنَزَعَ بِهَا ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ، وَاللّٰهُ يَغْفِرُ لَهُ ضَعْفَهُ، ثُمَّ اسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَأَخَذَهَا ابْنُ الْخَطَّابِ، فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِنَ النَّاسِ يَنْزِعُ نَزْعَ عُمَرَ، حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ»[1]

''میں سو رہا تھا، میں نے خواب میں اپنے آپ کو ایک کنویں پر دیکھا۔ وہاں ایک ڈول تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جتنا چاہا میں نے اس ڈول سے پانی باہر نکالا، پھر وہ ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے پکڑ لیا اور انھوں نے ایک یا دو ڈول پانی نکالا، ان کے پانی نکالنے میں کمزوری تھی، اللہ تعالیٰ ان کی کمزوری معاف فرمائے، پھر اس ڈول نے ایک بہت بڑے ڈول کی صورت اختیار کر لی اور اسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پکڑ لیا، میں نے ایسا طاقتور آدمی نہیں دیکھا جو عمر رضی اللہ عنہ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3391] صحيح مسلم، رقم الحديث [4405]

کی طرح پانی کا ڈول نکال سکتا، انھوں نے اتنا پانی نکالا کہ لوگوں نے اپنے اونٹوں کو حوض سے سیراب کیا۔“

تشریح:

اس حدیث سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں جس بات کی پیشین گوئی فرمائی تھی، وہ پوری ہوگئی۔ دراصل اس حدیث میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ تھا۔

«وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ» علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”علما نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ان کی مدتِ خلافت لمبی نہ تھی، جس کی وجہ سے ان کے دورِ خلافت میں اتنی ترقی نہ ہوسکی، جتنی ترقی عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی، کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ کی مدتِ خلافت کافی لمبی تھی اور ان کے دور میں بہت زیادہ فتوحات ہوئی تھیں، اسی لیے نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: ڈول بہت بڑا ہوگیا، یعنی جو ڈول پہلے چھوٹا تھا، اب بہت بڑا ہوگیا۔“

”دَلْوٌ“ اس ڈول کو کہتے ہیں، جسے ایک آدمی بھی کنویں سے نکال سکتا ہے، لیکن ”غرب“ اس ڈول کو کہتے ہیں، جسے دو یا دو سے زائد آدمی مل کر نکالیں یا اونٹ اور بچھڑے وغیرہ ہی سے اسے نکالنا ممکن ہو۔

«فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِنَ النَّاسِ» یعنی جس قوت سے عمر رضی اللہ عنہ نے کنویں سے ڈول نکالے، میں نے آج تک اتنی قوت سے کسی کو ڈول نکالتے نہیں دیکھا۔

«فَغَفَرَ اللّٰهُ لَهُ» یہ دعا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے تھی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کمزوری قابلِ نقصان نہ تھی۔[1]

[1] شرح صحيح البخاري [458/9]

فوائد:

1. انبیا کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔
2. اس خواب میں آپ ﷺ کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ تھا۔
3. ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت تھوڑی مدت کے لیے اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت زیادہ مدت کی ہوگی۔
4. نبی اکرم ﷺ کے ایک عظیم الشان معجزے کا بیان۔

50- مصر فتح ہو جائے گا

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّكُمْ سَتَفْتَحُونَ مِصْرَ، وَهِيَ أَرْضٌ يُسَمَّى فِيهَا الْقِيرَاطُ، فَإِذَا فَتَحْتُمُوهَا فَأَحْسِنُوا إِلَى أَهْلِهَا، فَإِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَرَحِماً. أَوْ قَالَ: ذِمَّةً وَّ صِهْراً، فَإِذَا رَأَيْتَ رَجُلَيْنِ يَخْتَصِمَانِ فِيهَا فِي مَوْضِعِ لَبِنَةٍ فَاخْرُجْ مِنْهَا، قَالَ: فَرَأَيْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ شُرَحْبِيلَ بْنِ حَسَنَةَ وَأَخَاهُ رَبِيعَةَ يَخْتَصِمَانِ فِي مَوْضِعِ لَبِنَةٍ فَخَرَجْتُ مِنْهَا))[1]

''تم مصر کو فتح کرو گے، وہ ایسی زمین ہے جس میں رائج سکے کا نام قیراط ہے۔ جب تم اسے فتح کرو تو اس کے رہنے والوں سے احسان کرنا، کیونکہ ان کا تم پر حق ہے اور رحم کا رشتہ بھی ہے، یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کا تم سے دامادی رشتہ ہے۔ جب تم دیکھو کہ وہاں دو آدمی ایک اینٹ کی جگہ پر لڑ رہے ہیں تو وہاں سے نکل جانا۔ راوی فرماتے ہیں: میں نے عبدالرحمٰن بن شرحبیل بن حسنہ اور ان کے بھائی ربیعہ کو دیکھا کہ وہ دونوں ایک اینٹ کی جگہ کی وجہ سے لڑ رہے تھے، تو میں وہاں سے نکل گیا۔''

تشریح:

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے عظیم الشان معجزات میں سے ایک معجزہ

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [4614-4615]

بیان ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک پیشین گوئی فرمائی کہ عنقریب تم مصر فتح کر لوگے اور یاد رکھنا مصر والوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا، کیونکہ تمھارا ان کے ساتھ رحم اور دامادی کا رشتہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ہاجرہ علیہا السلام مصر کی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کا تم پر حق ہے، یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ماموؤں کی اولاد تمھاری طرف سے حسنِ سلوک کی حق دار ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رحم کا رشتہ برقرار رہتا ہے، اگرچہ وہ دور ہی کا کیوں نہ ہو۔ جب تک اس قبیلے اور خاندان کی پہچان باقی رہے گی، اس وقت تک ان کے ساتھ رحم کا رشتہ بھی باقی رہے گے، خواہ یہ رشتہ قائم ہوئے ایک عرصہ ہی کیوں نہ گزر چکا ہو۔

خلفائے راشدین کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور ابو ذر رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں شریک تھے، جنھوں نے مصر فتح کیا اور اس کے بعد انھوں نے وہیں رہایش اختیار کی۔[1]

ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مصر میں رہایش کے دوران میں نے عبدالرحمن بن شرجیل کو اپنے بھائی ربیعہ کے ساتھ ایک اینٹ کی جگہ کی وجہ سے جھگڑتے دیکھا تو میں رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کی وجہ سے وہاں سے نکل آیا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ نبی مکرم ﷺ کا ایک معجزہ تھا کہ آپ ﷺ نے خبر دی کہ میرے بعد میری امت میں اتنی قوت آ جائے گی کہ وہ عجم کے لوگوں کو شکست دے کر ان کے ملکوں کو فتح کر لیں گے، اسی طرح آپ ﷺ نے ایک خبر یہ بھی دی کہ مصر میں دو آدمی ایک اینٹ کی جگہ کی وجہ سے جھگڑا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نبی اکرم ﷺ کی یہ تمام باتیں سچ ثابت ہوئیں۔

[1] شرح ریاض الصالحین [383/1]

فوائد:

① نبی کریم ﷺ کے ایک عظیم معجزے کا بیان۔

② ان میں سے ایک یہ معجزہ کہ آپ ﷺ نے خبر دی کہ مسلمان مصر فتح کریں گے۔

③ آپ ﷺ کی یہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی کہ وہاں دو آدمی ایک اینٹ کی جگہ کی وجہ سے لڑائی کریں گے۔

51- کسریٰ کی سلطنت ٹوٹ گئی

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط دے کر کسریٰ کی طرف بھیجا، انھوں (عبداللہ) نے وہ خط بحرین کے امیر کو دیا اور بحرین کے امیر نے وہ خط کسریٰ کو پہنچا دیا۔ جب کسریٰ نے اسے پڑھا تو اسے چاک کر دیا۔

ابن شہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ ابن مسیّب رضی اللہ عنہ نے کہا:

«فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِأَنْ يُمَزَّقُوْا كُلَّ مُمَزَّقٍ»[1]

"رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے بد دعا فرمائی کہ وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔"

تشریح:

نبی مکرم ﷺ نے عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو ایک خط دے کر فارس کے بادشاہ کسریٰ کی طرف روانہ کیا۔ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کا یہ خط بحرین کے امیر کو پہنچا دیا اور بحرین کے امیر نے یہ خط آگے کسریٰ کو پہنچایا۔ جب کسریٰ نے اسے پڑھا تو اسے چاک کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس چیز کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کے لیے بد دعا فرمائی کہ جیسے انھوں نے میرے خط کو چاک کیا ہے، ایسے ہی وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [62]

طبری میں آپ ﷺ کے خط کے مندرجہ ذیل الفاظ نقل کیے گئے ہیں:

"اللہ کے نام کے ساتھ جو مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ یہ خط محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے فارس کے بادشاہ کسریٰ کی طرف ہے۔

سلامتی ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کی پیروی کی، اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا اور اس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں، تا کہ زندوں کو ڈراؤں۔ تم اسلام قبول کر لو، امن میں رہو گے۔ اگر تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو مجوسیوں کا گناہ بھی تم پر ہو گا۔"

کچھ مدت کے بعد رسول اللہ ﷺ کی بد دعا کا نتیجہ نکل آیا اور کسری کی بادشاہت کا تختہ اس کے اپنے بیٹے ہی نے الٹ دیا، اس کے بیٹے کا نام قباذ اور لقب شیرویہ تھا، اس نے 628ء میں اپنے باپ کو نہایت ذلیل و رسوا کر کے قتل کر دیا۔ اس کے قتل ہوتے ہی اس کی بادشاہت ریزہ ریزہ ہو گئی اور اس کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس کی سلطنت اس کے بیٹوں کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گئی۔ چھ مہینے بعد شیرویہ بھی مر گیا اور صرف چار سالوں میں اس کے دس فرمانروا تبدیل ہوئے۔ اس کے بعد تمام لوگ یزدگرد کی بادشاہت پر متفق ہوئے اور یہ بنو ساسان کا آخری بادشاہ تھا۔ اسی کے دورِ اقتدار میں مسلمانوں کے لشکرِ جرار نے ساسان پر حملہ کیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ چار صدیوں تک یہ سلطنت ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہی۔

فوائد:

1. مختلف ملکوں کی طرف خطوط روانہ کرنا جائز ہے۔

② کافر جب دینِ اسلام کی توہین کریں تو ان کے لیے بددعا کرنا جائز ہے۔

③ خبرِ واحد حجت ہے۔

④ نبی کریم ﷺ کا معجزہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسریٰ کو تباہ و برباد کر کے آپ ﷺ کی پیشین گوئی کو سچ ثابت کر دیا۔

52- حیرہ اور کسریٰ کے شہر فتح ہوں گے

سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ میں نبی مکرم ﷺ کے پاس تھا کہ ایک آدمی آیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے فقر وفاقے کی شکایت کی، پھر دوسرا آدمی آیا تو اس نے راستے کی بدامنی کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عدی! کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ میں نے عرض کی: میں نے دیکھا تو نہیں، البتہ اس کا نام سنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتَرَيَنَّ الظَّعِينَةَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِيرَةِ حَتَّى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ لَا تَخَافُ أَحَداً إِلَّا اللّٰهَ»

''اگر تمھاری زندگی لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ہودج میں ایک عورت اکیلی حیرہ سے سفر شروع کرے گی اور کعبہ کا طواف کرنے آئے گی اور اللہ کے سوا اسے کسی کا خوف نہیں ہوگا۔''

(عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں نے اپنے دل میں کہا: اس وقت قبیلہ طے کے ان ڈاکوؤں کا کیا ہوگا، جنھوں نے شہروں کو تباہ کر دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَلَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتُفْتَحَنَّ كُنُوزُ كِسْرَى، قُلْتُ: كِسْرَى بْنُ هُرْمُزَ! قَالَ: كِسْرَى بْنُ هُرْمُزَ، وَلَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتَرَيَنَّ الرَّجُلَ يُخْرِجُ مِلْءَ كَفِّهِ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ يَطْلُبُ مَنْ يَقْبَلُهُ مِنْهُ فَلَا يَجِدُ أَحَداً يَقْبَلُهُ مِنْهُ، وَلَيَلْقَيَنَّ اللّٰهَ أَحَدُكُم يَوْمَ يَلْقَاهُ وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ يُتَرْجِمُ لَهُ، فَلَيَقُولَنَّ لَهُ: أَلَمْ أَبْعَثْ

إِلَيْكَ رَسُولًا فَيُبَلِّغَكَ؟ فَيَقُولُ: بَلَى، فَيَقُولُ: أَلَمْ أُعْطِكَ مَالًا وَ أُفْضِلُ عَلَيْكَ، فَيَقُولُ: بَلَى، فَيَنْظُرُ عَنْ يَمِينِهِ فَلَا يَرَى إِلَّا جَهَنَّمَ، وَيَنْظُرُ عَنْ يَسَارِهِ فَلَا يَرَى إِلَّا جَهَنَّمَ، قَالَ عَدِيٌّ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقَّةِ تَمْرَةٍ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ شِقَّةَ تَمْرَةٍ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ»

''اگر تم کچھ مدت تک اور زندہ رہے تو (دیکھو گے کہ) کسریٰ کے خزانے تم پر کھول دیے جائیں گے۔ میں نے (حیرت سے) کہا: کسریٰ بن ہرمز! آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں کسریٰ بن ہرمز اور اگر تم کچھ دنوں تک اور زندہ رہے تو یہ بھی دیکھو گے کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں سونا چاندی بھر کر نکلے گا، اسے کسی ایسے آدمی کی تلاش ہو گی جو اس (زکات) کو قبول کر لے، لیکن اسے کوئی ایسا آدمی نہیں ملے گا جو اسے قبول کر لے۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا دن جو مقرر ہے، اس وقت تم میں سے ہر کوئی اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ درمیان میں کوئی ترجمان نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے: کیا میں نے تمھارے پاس رسول نہیں بھیجے تھے، جنھوں نے تم تک میرا پیغام پہنچا دیا ہو؟ وہ (بندہ) عرض کرے گا: بے شک تو نے بھیجا تھا۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: کیا میں نے تمھیں مال اور اولاد نہیں دی تھی؟ کیا میں نے تمھیں ان کے ذریعے سے عزت نہیں دی تھی؟ وہ عرض کرے گا: بے شک تو نے دی تھی، پھر وہ اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو اسے جہنم کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا، پھر وہ بائیں طرف دیکھے گا تو ادھر بھی جہنم کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔ عدی رضی اللہ عنہ نے

بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے: جہنم سے بچو، اگر چہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے ہی سے، اگر کسی کو کھجور کا ٹکڑا میسر نہ آسکے تو ایک اچھا کلمہ ہی کہہ کر جہنم سے بچو۔''

عدی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے ہودج میں بیٹھی ہوئی ایک اکیلی عورت کو تو خود دیکھا کہ وہ حیرہ سے سوار ہو کر نکلی، اس نے کعبے کا طواف کیا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ تھا اور میں مجاہدین کی اس جماعت میں خود شریک تھا جس نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کیے اور اگر تم لوگ کچھ مدت اور زندہ رہے تو دیکھ لوگے کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ ایک آدمی اپنا ہاتھ بھر کر نکلے گا۔ (آپ ﷺ کی یہ بات بھی سچ ثابت ہوگی)[1]

تشریح:

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو مندرجہ ذیل چیزوں کی خوشخبری دی:

1. ایک عورت حیرہ مقام سے سفر شروع کرے گی اور مکہ پہنچ کر بلا خوف وخطر بیت اللہ کا طواف کرے گی، اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔
2. اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کسریٰ پر فتح نصیب فرمائیں گے اور مسلمان وہاں کے خزانوں سے مالا مال ہوں گے۔
3. مال و دولت کی فراوانی اتنی زیادہ ہوگی کہ ایک آدمی زکات ادا کرنے کے لیے سونا اور چاندی لے کر گھر سے نکلے گا، تاکہ وہ کسی مستحق کو دے، لیکن وہ کسی ضرورت مند کو تلاش نہ کر پائے گا۔

عدی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کی باتوں پر بڑا تعجب ہوا۔ جب آپ ﷺ نے

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3328]

پہلی خوشخبری دی تو عدی رضی اللہ عنہ اپنے دل میں خیال کرنے لگے کہ اس وقت بنو طے کے ڈاکوؤں کا کیا بنے گا؟ یعنی وہ لوگ جو راستوں میں کھڑے ہو کر مسافروں کو لوٹنے والے ہیں، اس وقت وہ کہاں ہوں گے؟

دوسری خوشخبری پر حیرت زدہ ہو کر بول پڑے کہ کیا کسریٰ بن ہرمز کی سلطنت مسلمانوں کے زیر نگین آ جائے گی؟ لیکن ان کو یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی کہی ہوئی بات جھوٹ نہیں ہو سکتی اور وہ وقت ضرور آئے گا جب آپ ﷺ کی پیشین گویاں سچ ثابت ہوں گی۔

پھر فرماتے ہیں: میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک عورت اونٹ پر سوار ہو کر قادسیہ سے چلی اور بغیر کسی خوف کے وہ بیت اللہ پہنچی۔ عدی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی تیسری پیشین گوئی اپنی زندگی میں پوری ہوتے تو نہ دیکھی، لیکن ان کو یقین تھا کہ وہ بھی پوری ہو کر رہے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانے میں آپ ﷺ کی تیسری پیشین گوئی بھی پوری ہو گئی، ان کے دور میں ایک آدمی گھر سے صدقے کا مال لے کر نکلتا تھا، لیکن اس کو کوئی ضرورت مند نہ ملتا تھا۔

عمر بن اسید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: جب تک عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ فوت نہیں ہو گئے، اس وقت تک لوگ اپنا مال لے کر ہمارے پاس آتے رہے اور وہ کہتے تھے کہ جہاں تم ضرورت محسوس کرتے ہو، وہاں یہ مال صرف کر دو، لیکن کوئی ضرورت مند نہ ہونے کی وجہ سے ان کو اپنے مال سمیت واپس جانا پڑتا تھا۔

غرض کہ نبی مکرم ﷺ نے امن وامان کی جس صورتِ حال کی خوشخبری دی تھی، راویِ حدیث عدی رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھوں سے اس صورتِ حال کا مشاہدہ

کر لیا تھا کہ ایک عورت عراق سے حج کی غرض سے روانہ ہوئی، ویران، بیابان اور دہشت زدہ راستوں سے اکیلی گزرتی ہوئی بیت اللہ پہنچی، لیکن اللہ کے سوا اسے کسی کا ڈر خوف نہ تھا۔

امن و امان کا یہ سنہرا دور جس کی آج پوری دنیا میں مثال نہیں ملتی، یہ خلفائے راشدین کے زمانے میں ایک مثال قائم کر چکا ہے۔

فوائد:

① تین پیشین گوئیاں اور خوشخبریاں کہ جنھیں صرف زبان نبوت ہی بیان کر سکتی تھی اور اس کی تصدیق کرنے والے صرف مومن ہی ہو سکتے تھے، در حقیقت یہ نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی تھی اور وحی کی خبروں میں سے ایک خبر تھی۔

② اسلامی شرائع کی پابندی ہی سے معاشرے میں امن و امان آ سکتا ہے، بلکہ تمام دنیا میں اسلامی شریعت امن و امان کی ضامن ہے۔

53- غزوہ قسطنطنیہ

خالد بن معدان سے روایت ہے، ان کو عمیر بن اسود عنسی نے بیان کیا کہ وہ عبادہ بن صامت کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت وہ حمص کے ساحل پر اپنے مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے، ان کے ساتھ ام حرام رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ عمیر نے کہا کہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے ہمیں بیان کیا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

« أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُوْنَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوْا، قَالَتْ أُمُّ حَرَامٍ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَا فِيهِمْ؟ قَالَ: أَنْتِ فِيهِمْ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُوْنَ مَدِيْنَةَ قَيْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَهُمْ، فَقُلْتُ: أَنَا فِيهِمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: لَا »[1]

''میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو دریا کا سفر کر کے جہاد کے لیے جائے گا، اس نے (رحمت و مغفرت) واجب کر لی۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، تم بھی ان کے ساتھ ہوگی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر چڑھائی کرے گا، اس کو بخش دیا

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2707]

جائے گا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔''

تشریح:

((أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُوْنَ الْبَحْرَ)) اس سے مراد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر ہے۔ امام مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معاویہ رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں، جو غزوہ بحر میں شریک ہوئے تھے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض علما کا خیال ہے کہ یہ غزوہ ستائیس ہجری میں ہوا اور اس کا نام غزوہ قبرص ہے، جو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا تھا۔

واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ اٹھائیس ہجری میں ہوا۔ ابو معشر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ غزوہ 33 ہجری میں لڑا گیا اور ام حرام رضی اللہ عنہا اس میں شامل تھیں۔

ابن جوزی رحمہ اللہ ''جامع المسانید'' میں فرماتے ہیں: ام حرام رضی اللہ عنہا اس غزوے میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوئیں، دورانِ جنگ ان کے خچر نے ان کو زمین پر گرا دیا، جس کی وجہ سے وہ شہید ہو گئیں۔

ہشام بن عمار فرماتے ہیں: میں نے ساحل کے پاس ام حرام رضی اللہ عنہا کی قبر دیکھی ہے اور میں اس پر کھڑا رہا ہوں۔

((قَدْ أَوْجَبُوْا)) بعض علما کا خیال ہے کہ ان پر جنت واجب ہو گئی، لیکن میرا (ملا علی قاری) خیال ہے کہ اس کلام سے جنت واجب ہونے کا مفہوم نہیں نکلتا، اس کا صحیح معنی یہ ہے کہ ان پر جنت کا حق واجب ہو چکا ہے۔

((أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُوْنَ مَدِيْنَةَ قَيْصَرَ)) اس سے مراد قسطنطنیہ ہے۔ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ روم کے علاقے میں لڑتا ہوا قسطنطنیہ تک پہنچ گیا تھا اور

اس کے ساتھ بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تھی، جن میں عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، ابو ایوب انصاری شامل ہیں اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات قسطنطنیہ کی فصیل کے قریب واقع ہوئی تھی اور وہیں ان کی قبر ہے۔ روم کے لوگ جب قحط کا شکار ہوتے ہیں تو ان کی قبر کی وساطت سے پانی مانگتے ہیں۔

صاحب المرآۃ فرماتے ہیں: صحیح قول یہ ہے کہ غزوۂ قسطنطنیہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے 52 ہجری میں لڑا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بھاری بھرکم لشکر سفیان بن عوف کی سرکردگی میں قسطنطنیہ کی طرف روانہ کیا تھا، اس نے روم کے شہروں کو تہس نہس کر دیا تھا، اس لشکر میں ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم شامل تھے اور ابو ایوب رضی اللہ عنہ محاصرے کے دوران میں فوت ہو گئے تھے۔

امام مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان ہوئی ہے، کیونکہ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے غزوہ بحر لڑا۔ اسی طرح اس حدیث میں ان کے بیٹے یزید کی بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے، جس نے غزوہ قیصر لڑا تھا۔

﴿ وَقَيْصَرَ ﴾ یہ روم کے بادشاہ ہرقل کا لقب تھا، جس طرح فارس کے بادشاہ کا لقب کسریٰ تھا اور ترک کے بادشاہ کا لقب خاقان اور حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی تھا۔[1]

---

[1] عمدة القاري [442/21]

فوائد:

① سمندری سفر جائز ہے۔

② دریائی سفر اور جنگ میں شہید ہونے والے کی فضیلت۔

③ نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ آپ ﷺ نے مستقبل کے حالات کی پیشین گوئی فرمائی۔

54- فارس و روم فتح ہوں گے اور مسلمان آپس میں لڑیں گے

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا فُتِحَتْ عَلَيْكُمْ فَارِسُ وَالرُّوْمُ أَيُّ قَوْمٍ أَنْتُمْ؟»

''جب فارس اور روم فتح ہو جائیں گے تو تم کیا ہو گے؟''

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم وہی کہیں گے جو اللہ نے ہم کو حکم دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ؟ تَتَنَافَسُوْنَ، ثُمَّ تَتَحَاسَدُوْنَ، ثُمَّ تَتَدَابَرُوْنَ، ثُمَّ تَتَبَاغَضُوْنَ، أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ، ثُمَّ تَنْطَلِقُوْنَ فِي مَسَاكِيْنِ الْمُهَاجِرِيْنَ فَتَجْعَلُوْنَ بَعْضَهُمْ عَلَى رِقَابِ بَعْضٍ» [1]

''یا اس کے علاوہ کچھ کہو گے؟ تم رشک کرو گے، حسد کرو گے، ایک دوسرے سے دشمنی رکھو گے، ایک دوسرے سے بغض رکھو گے یا اسی طرح کے کچھ الفاظ کہے، پھر تم مسکین مہاجرین کے پاس جاؤ گے اور تم ایک کو دوسرے کا غلام بناؤ گے۔''

تشریح:

نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو خبر دی کہ میری امت فتوحات،

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [5262]

نصرتِ الٰہی اور دنیاوی مقام و مرتبے سے ہمکنار ہوگی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان میں کچھ اخلاقی اور معاشرتی برائیاں بھی دَر آئیں گی۔ میری امت فتنہ وفساد اور مصائب کا شکار ہوجائے گی۔

افسوس کہ امت مسلمہ بالآخر فتنہ وفساد کا شکار ہوگئی، آپس ہی میں ایک دوسرے کا خون بہانا شروع کر دیا، جنگ جمل اور جنگ صفین اس کی زندہ مثالیں ہیں کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے۔

فوائد:

1. رشک کرنے اور دنیا میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے رجحان سے لوگوں میں ایک دوسرے کے خلاف حسد، بغض، کینہ اور دشمنی پیدا ہوتی ہے۔
2. رسول اللہ ﷺ کا معجزہ کہ آپ ﷺ نے فارس و روم کی فتوحات کی خوشخبری سنائی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ چند ان خطرات سے بھی آگاہ کیا، جو مسلمانوں کے لیے پریشانی کا سبب بن سکتے تھے اور یہ خطرات فتنوں کی صورت میں عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری ایام میں ظاہر ہوئے۔

55- سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد فتنے اٹھیں گے

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا: فتنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ تم میں سے کس کو زیادہ یاد ہے، تو میں نے کہا کہ آپ ﷺ نے جس طرح بیان کیا ہے، وہ مجھے سب سے زیادہ یاد ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بیان کرو، آپ بہت جری آدمی ہو (انھوں نے بیان کیا کہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَجَارِهِ تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ، وَالصَّدَقَةُ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ»

''انسان کے لیے ایک فتنہ تو اس کے گھر، مال اور ہمسائے میں ہوتا ہے، جس کا کفارہ نماز، صدقہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسی نیکیاں بن جاتی ہیں۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس کے بارے میں نہیں پوچھ رہا، بلکہ میری مراد اس فتنے سے ہے، جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوگا۔ انھوں نے کہا:

''يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَا بَأْسَ عَلَيْكَ مِنْهَا، إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَاباً مُغْلَقاً، قَالَ: يُفْتَحُ الْبَابُ أَوْ يُكْسَرُ؟ قَالَ: لَا، بَلْ يُكْسَرُ، قَالَ: ذَاكَ أَحْرَى أَنْ لَّا يُغْلَقَ، قُلْنَا: عَلِمَ عُمَرُ الْبَابَ، قَالَ: نَعَمْ، كَمَا أَنَّ دُونَ غَدٍ اللَّيْلَةَ، إِنِّي حَدَّثْتُهُ حَدِيثاً لَيْسَ بِالْأَغَالِيطِ، فَهِبْنَا أَنْ نَّسْأَلَهُ وَأَمَرْنَا مَسْرُوقاً فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: مَنِ الْبَابُ؟ قَالَ: عُمَرُ''[1]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3321]

”اس فتنے کا آپ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، آپ کے اور اس کے درمیان بند دروازہ ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، بلکہ توڑا جائے گا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر تو وہ بند نہیں ہو سکے گا۔ ہم نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: وہ (عمر رضی اللہ عنہ) اس دروازے کو جانتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، اسی طرح جانتے تھے، جس طرح دن کے بعد رات آنے کو ہر شخص جانتا ہے۔ میں نے ان کو ایسی حدیث بیان کی جو غلط نہیں تھی۔ (راوی فرماتے ہیں) ہمیں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہوئے ڈر محسوس ہوا، چنانچہ ہم نے مسروق کو حکم دیا کہ وہ سوال کریں، انھوں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ دروازے سے کون (صاحب) مراد ہیں؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔“

تشریح:

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بہت بڑی بڑی فتوحات ہوئیں اور بہت سے علاقے اسلامی ریاست میں شامل ہوئے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو بڑی بڑی فتوحات ہوئی تھیں، ان میں جنگ قادسیہ، مدائن، جلولا اور نہاوند کی فتوحات بہت اہمیت کی حامل ہیں، اسی طرح شام، مصر اور روم کے بے شمار علاقے عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح ہوئے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت فتنوں کے آگے ایک مضبوط دیوار تھی اور عمر رضی اللہ عنہ بہ ذات خود وہ دروازہ تھے جنھیں توڑا گیا، کیونکہ فتنہ انگیز لوگ ان کی زندگی میں اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے اور نہ فتنوں میں اتنا دم خم تھا کہ وہ آپ کے دورِ خلافت میں سر اٹھا سکتے۔ یہ دراصل عمر رضی اللہ عنہ کی مضبوط منصوبہ بندی تھی، جس کی وجہ سے ایسے

عناصر کو پنپنے کا موقع ہی نہ ملا۔

حدیث میں بیان ہوا ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ فتنوں کے لیے آڑ ایک دروازہ ہے اور وہ دروازہ توڑ دیا جائے گا۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بس اتنا بتایا کہ وہ دروازہ توڑ دیا جائے گا۔ آگے عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی سمجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ پھر قیامت تک فتنوں کا راستہ روکا نہیں جا سکے گا، فتنے اتنے پھیل جائیں گے کہ مسلمان ان کو ختم کرنے کے اہل نہیں ہوں گے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فتنوں کے متعلق جو کچھ بیان کیا، وہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سن رکھا تھا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ تفصیلات سنیں تو وہ جان گئے تھے اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ رکاوٹ ان کی خلافت ہے، جس نے فتنوں کو سر اٹھانے سے روکا ہوا ہے۔

چنانچہ یہی ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں کوئی بھی فتنہ زور نہ پکڑ سکا اور عمر رضی اللہ عنہ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھے کہ ان کو شہید کیا جائے گا، کیونکہ انھوں نے اپنی شہادت کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوا تھا۔[1]

فوائد:

1. علم کی بات سمجھانے کے لیے مثال دینا جائز ہے۔
2. بسا اوقات چھوٹے عالم کے پاس بھی کوئی ایسی علم کی بات ہوتی ہے، جو کسی بڑے کے پاس نہیں ہوتی۔
3. عالم اپنے مخاطب کو بات سمجھانے کے لیے کوئی ایسی خاص رمز اور اصطلاح استعمال کر سکتا ہے جسے دوسرے لوگ نہ سمجھ سکتے ہوں، کیونکہ ہر بات ایسی

[1] عمر بن خطاب للصلابي [116/2]

نہیں ہوتی جس کا جاننا ہر ایک پر لازم ہو۔

④ اندازے سے بات کرنا اس وقت جائز ہے جب اس میں نبوت کا اثر ہو، اس کے علاوہ ممنوع ہے، کیونکہ عام لوگوں کی باتوں میں اندازے لگانا شاذ و نادر ہی سچ ہوتا ہے۔

56- بعض لوگ اپنی تنگ دستی کی وجہ سے مدینے سے چلے جائیں گے

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَدْعُو الرَّجُلُ ابْنَ عَمِّهِ وَقَرِيبَهُ هَلُمَّ إِلَى الرَّخَاءِ، وَالْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَخْرُجُ مِنْهُمْ أَحَدٌ رَغْبَةً عَنْهَا إِلَّا أَخْلَفَ اللّٰهُ فِيهَا خَيْرًا مِنْهُ، أَلَا إِنَّ الْمَدِينَةَ كَالْكِيرِ تُخْرِجُ الْخَبِيثَ، لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَنْفِيَ الْمَدِينَةُ شِرَارَهَا كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ»[1]

”لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا، جب آدمی اپنے چچا زاد اور قریبی کو بلائے گا کہ آؤ آسائش کی طرف، آؤ آسائش کی طرف، حالانکہ مدینہ ان کے لیے سب سے بہتر ہے، اگر وہ جانتے ہوں، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کوئی بھی مدینے سے بے رغبتی کرتے ہوئے نہیں نکلتا، مگر اللہ تعالیٰ اس میں اس سے بہتر قائم مقام بنا تا ہے۔ خبردار! مدینہ بھٹی کی طرح ہے، جو گند کو باہر نکال دیتا ہے۔ قیامت قائم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ مدینہ اپنے شریر لوگوں کو نکال دے گا، جیسے بھٹی لوہے کے میل کچیل کو نکال دیتی ہے۔“

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [2451]

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَأْكُلُ الْقُرَىٰ، يَقُولُونَ: يَثْرِبُ، وَهِيَ الْمَدِينَةُ، تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ»[1]

''مجھے ایسی بستی کا حکم دیا گیا ہے، جو ساری بستیوں کو کھا جاتی ہے، لوگ اسے یثرب کہتے ہیں اور وہ مدینہ ہے۔ وہ (گندے) لوگوں کو نکالتا ہے، جیسے بھٹی لوہے کے گند کو نکالتی ہے۔''

تشریح:

«أُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ» یعنی مجھے اس بستی کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا ہے۔

اگر آپ ﷺ نے یہ بات مکے میں ارشاد فرمائی تھی تو پھر اس سے مراد اس بستی کی طرف ہجرت کرنا ہے اور اگر آپ ﷺ نے یہ بات مدینے میں کہی تھی تو پھر اس سے مراد اس بستی میں رہایش اختیار کرنا ہے۔

«تَأْكُلُ الْقُرَىٰ» یعنی وہاں کے رہنے والے ساری دنیا پر غالب آ جائیں گے، کیونکہ کھانا کھانے والا شخص جو چیز کھائی جا رہی ہوتی ہے، اس پر غالب آ جاتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کھانے سے مراد یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ بستی اسلامی لشکروں کا مرکز ہوگی اور وہاں سے دیگر ملکوں کو فتح کرنے کی ابتدا ہوگی اور مالِ غنیمت وہاں پر اکٹھا کیا جائے گا۔

موطا ابن وہب میں ہے کہ میں نے مالک سے پوچھا کہ بستیوں کو کھانے سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے جواب دیا: یعنی بستیوں کو فتح کیا جائے گا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مدینے کو دیگر بستیوں پر

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1772]

فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

میں کہتا ہوں: اس کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مدینے کو مکے پر ترجیح دیتے ہیں۔

« يَقُولُونَ يَثْرِبَ » بعض منافقین مدینے کو اس کے اصل نام سے پکارنے کے بجائے اس کے پرانے نام یعنی یثرب کہہ کر پکارتے تھے۔ بعض علما کے نزدیک مدینے کو یثرب کہہ کر پکارنا مکروہ ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جو یثرب کہہ کر پکارا ہے، وہ دراصل مومنوں کے علاوہ دیگر لوگوں کا قول نقل کیا گیا ہے۔

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینے کو یثرب کہنے سے منع فرمایا ہے، اسی لیے عیسیٰ بن دینار مالکی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ جو شخص مدینے کو یثرب کا نام دیتا ہے، یہ اس کی غلطی لکھی جائے گی۔

یثرب نام سے پکارنا کیوں مکروہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یثرب کے معنی ڈانٹ، ملامت اور فساد وغیرہ کے ہیں، جو قبیح ہیں، جب کہ رسول اللہ ﷺ اچھے ناموں کو پسند کرتے تھے اور قبیح ناموں کو ناپسند کرتے تھے۔

« تَنْفِي النَّاسَ » ابو عمر فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ وہ برے لوگوں کو نکال دے گا۔ اس کو لوہے کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی، کیونکہ بھٹی لوہے کے زنگ اور گندگی وغیرہ کو ختم کر دیتی ہے اور عمدہ لوہے کو باقی رکھتی ہے، اسی طرح مدینہ برے لوگوں کو باہر نکال دے گا اور اچھے لوگوں کو اندر رکھے گا۔

ابو عمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایسا ہی تھا کہ لوگ آپ ﷺ کی رفاقت اور قربت کی وجہ سے مدینے سے باہر نہ جاتے تھے، البتہ جن لوگوں کو خیر کی تمنا نہ ہوتی تھی وہ مدینہ چھوڑ کر چلے جاتے تھے، لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد علما، فضلا اور نیک لوگ وہاں سے نکل گئے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے ساتھ خاص تھا، کیونکہ اس وقت وہی شخص ہجرت اور آپ ﷺ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دیتا تھا، جس کا ایمان مضبوط ہوتا تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کو ظاہری معنی پر محمول نہیں کریں گے، کیونکہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

« لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتَّى تَنْفِيَ الْمَدِيْنَةُ شِرَارَهَا كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيْدَ »

''اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی، جب تک مدینہ اپنے آپ کو برے لوگوں سے صاف نہیں کر لے گا، جس طرح بھٹی لوہے سے اس کے گند وغیرہ کو صاف کر دیتی ہے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد دجال کا زمانہ ہے۔

« كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ » ''الکیر'' اس گھر کو کہتے ہیں، جہاں لوہے کی صفائی کی جاتی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ مدینے میں ایسے لوگ نہیں رہیں گے، جن کے دلوں میں ایمان کے بارے میں کوئی شک وشبہہ ہو۔ وہاں پر ایسے لوگ ٹھہریں گے، جن کے دل ایمان کے لیے خالص ہوں گے۔[1]

فوائد:

1. مدینے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔
2. اس میں پرہیز گاری اور قوی ایمان اختیار کرنے اور پاکیزہ دل بنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

---

[1] عمدة القاري [179/16]

57- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر آزمایش آئے گی

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن انھوں نے اپنے گھر میں وضو کیا اور اس ارادے سے نکلے کہ آج سارا دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہوں گا، انھوں نے بیان کیا کہ وہ مسجد نبوی میں آئے اور نبی مکرم ﷺ کے بارے میں دریافت کیا تو وہاں پر موجود لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ تشریف لے جا چکے ہیں اور (ایک سمت اشارہ کر کے بتایا کہ) آپ ﷺ اس طرف گئے ہیں، چنانچہ میں آپ ﷺ کے بارے میں پوچھتا ہوا آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے نکلا، یہاں تک کہ (میں نے دیکھا کہ) آپ ﷺ بئر اَریس میں داخل ہو رہے تھے۔ میں دروازے پر بیٹھ گیا، اس کا دروازہ کھجور کی شاخوں سے بنا ہوا تھا۔

جب آپ ﷺ نے قضائے حاجت کر لی اور وضو بھی کر لیا تو میں آپ ﷺ کے پاس گیا، اس وقت آپ ﷺ بئر اَریس کی منڈھیر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی پنڈلیاں کھول رکھی تھیں اور کنویں میں پاؤں لٹکائے ہوئے تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو سلام کہا اور واپس آ کر پھر دروازے میں بیٹھ گیا۔ میں نے سوچا کہ آج رسول اللہ ﷺ کا دربان رہوں گا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور دروازہ کھولنا چاہا تو میں نے پوچھا کہ کون صاحب ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ابوبکر، میں نے کہا: ٹھہریں، پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور عرض کی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ دروازے پر کھڑے ہیں اور اندر آنے کی اجازت مانگ رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِئْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ»

''انھیں اجازت دے دو اور جنت کی خوشخبری بھی دے دو۔''

میں واپس آیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اندر تشریف لے آئیں اور سنیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو جنت کی خوشخبری دی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے اور اسی کنویں کی منڈھیر پر رسول اللہ ﷺ کی دائیں طرف بیٹھ گئے اور اپنے دونوں پاؤں کنویں میں لٹکا لیے، جس طرح رسول اللہ ﷺ نے لٹکائے ہوئے تھے اور اپنی پنڈلیوں کو بھی کھول لیا، پھر میں واپس آ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا، میں آتے وقت اپنے بھائی کو وضو کرتا ہوا چھوڑ آیا تھا، وہ میرے ساتھ آنا چاہتے تھے۔ میں نے (دل میں) کہا کہ کاش اللہ تعالیٰ فلاں کو خبر دے دیتا، ان کی مراد اپنے بھائی سے تھی کہ اللہ ان کو یہاں پہنچا دے، اسی دوران میں ایک آدمی نے دروازے پر دستک دی۔ میں نے پوچھا: کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔ میں نے کہا: ٹھہریں، میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور سلام کے بعد عرض کی کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دروازے پر کھڑے ہیں اور اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِئْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ»

''انھیں اجازت دے دو اور جنت کی خوشخبری بھی دے دو۔''

میں واپس آیا اور کہا کہ اندر تشریف لے آئیں اور رسول اللہ ﷺ نے آپ کو جنت کی خوشخبری دی ہے۔ وہ اندر داخل ہوئے اور آپ ﷺ کے ساتھ منڈھیر پر بائیں طرف بیٹھ گئے اور اپنے پاؤں کنویں میں لٹکا لیے، پھر میں واپس آ کر (اپنی جگہ پر) بیٹھ گیا۔ پھر میں نے (اپنے دل سے) کہا کہ کاش اللہ تعالیٰ فلاں کے ساتھ خیر چاہتا اور اسے یہاں پہنچا دیتا (اپنے بھائی کے بارے میں

کہا) اتنے میں ایک اور صاحب آئے، دروازے پر دستک دی، میں نے پوچھا: کون صاحب ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، میں نے کہا: ٹھہریں، میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کو (حضرت عثمان کی) اطلاع دی، آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِئْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلَى بَلْوَى تُصِيبُهُ»

''انھیں اندر داخل ہونے کی اجازت دے دو اور ایک مصیبت پر، جو انھیں پہنچے گی، جنت کی خوشخبری بھی دے دو۔''

میں واپس آیا اور ان سے کہا کہ اندر تشریف لے آئیں اور رسول اللہ ﷺ نے آپ کو ایک مصیبت پر جو آپ کو پہنچے گی، جنت کی خوشخبری دی ہے۔ وہ جب داخل ہوئے تو دیکھا کہ منڈھیر پر بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے وہ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے۔ راوی شریک بن عبداللہ نے کہا کہ سعید بن مسیّب نے فرمایا:

''میں نے اس سے ان کی قبروں کی تاویل کی ہے (کہ ان کی قبریں بھی اسی ترتیب سے ہوں گی)۔''[1]

تشریح:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس فتنے سے سب سے پہلے دوچار ہوئے، وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف منافقین کا خروج تھا، جس میں انھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے خلافت سے دست برداری کا مطالبہ کیا تھا اور بالآخر عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔

نبی اکرم ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا ہوا تھا کہ تمھیں شہادت کی موت نصیب ہوگی، اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت سے دست بردار نہ ہوئے۔ مزید

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3398] صحيح مسلم، رقم الحديث [4417]

آپ ﷺ نے یہ بھی پیشین گوئی کی ہوئی تھی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک کرتا پہنایا جائے گا۔ لوگ چاہیں گے کہ عثمان رضی اللہ عنہ وہ کرتا اتار دیں، لیکن اے عثمان! تم نے وہ کرتا نہیں اتارنا، اس کرتے سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تھی۔

علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یعنی اگر وہ تجھے خلافت سے ہٹانا چاہیں تو تم ان کی خواہش پر خلافت سے دستبردار نہ ہونا، کیونکہ ان کا مطالبہ ناجائز ہوگا اور تم حق پر ہو گے۔

فوائد:

① انسان کو چاہیے کہ اپنے گھر سے وضو کر کے باہر نکلے، کیونکہ گھر سے باہر اگر نماز کا وقت ہو جائے تو وہ نماز ادا کرنے کے لیے تیار ہو۔

② اس حدیث سے ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

③ جب کسی انسان کے فتنے میں مبتلا ہونے کا خدشہ نہ ہو تو اس کے سامنے اس کی تعریف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

④ نبی کریم ﷺ کے ایک معجزے کا بیان کہ آپ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک پیشین گوئی فرمائی تھی۔

⑤ انسان کو اپنے بارے میں جب کسی مصیبت کی اطلاع ملے تو فوراً کہے کہ اللہ ہی بہتر مددگار ہے۔

⑥ کسی شخص کو خوشخبری سنانا مسنون عمل ہے۔

⑦ انسان کے دل میں اپنے بھائی کے لیے بھلائی کا جذبہ ہونا چاہیے اور اس کی خیر خواہی کا سوچنا چاہیے، جیسے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جنت کی خوشخبری کا سنتے ہوئے اس خواہش کا اظہار کیا کہ کاش اس دوران میں میرا بھائی بھی اس طرف آ جائے، تاکہ اسے بھی یہ خوشخبری مل جائے۔

⑧ انسان کو اہلِ علم، علما اور فضلا کی خدمت، حفاظت اور ان کا خیال رکھنا چاہیے، جیسے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گھر سے اس ارادے سے نکلے، تاکہ وہ دن بھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہیں گے، آپ ﷺ کی حفاظت کریں اور آپ سے کچھ سیکھیں گے۔

⑨ اس حدیث سے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

⑩ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کی تعریف اور حمد وثنا بیان کرنی چاہیے، جیسے ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو جنت کی بشارت دی گئی تو انھوں نے تکرار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کے اردگرد بیٹھ گئے۔

⑪ بہترین لوگوں کو ایک ساتھ مل جل کر بیٹھنا چاہیے۔

⑫ سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ کا فہم اور ان کی فراست کہ کتنے خوبصورت انداز سے انھوں نے حدیث اور ان کی قبروں کے درمیان ربط جوڑا ہے، انھوں نے بیان کیا کہ میرے نزدیک اس حدیث سے یہ نقطہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جیسے نبی کریم ﷺ اپنے تینوں صحابہ کرام کے ساتھ کنویں کی منڈھیر پر بیٹھے ہیں، اسی طرح ان کی قبریں بھی ایک ساتھ ہی ہوں گی۔ حدیث سے اس طرح کا مفہوم اخذ کرنے کی بصیرت ہر کسی کے پاس نہیں ہوتی، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہوتا ہے۔

58- عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو حالتِ اسلام میں موت آئے گی

سیدنا قیس بن عباد سے روایت ہے کہ میں مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بزرگ مسجد داخل ہوئے، جن کے چہرے پر خشوع وخضوع کے واضح آثار تھے۔ لوگوں نے کہا: یہ بزرگ جنتی لوگوں میں سے ہیں، پھر انھوں نے دو رکعت مختصر نماز ادا کی اور باہر نکل گئے۔ میں بھی ان کے پیچھے چل پڑا اور عرض کی کہ جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تھے تو لوگوں نے کہا کہ یہ بزرگ جنتی لوگوں میں سے ہیں؟

انھوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! کسی کے لیے زبان سے ایسی بات نکالنا مناسب نہیں ہے، جسے وہ نہ جانتا ہو اور میں تمھیں بتاؤں گا کہ ایسا کیوں ہے؟ میں نے نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایک خواب دیکھا۔ میں نے وہ خواب آپ ﷺ کے سامنے بیان کیا۔ میں نے خواب میں یہ دیکھا تھا کہ جیسے میں ایک باغ میں ہوں، پھر انھوں نے اس کی وسعت اور اس کے سبزے کا ذکر کیا، اس باغ کے درمیان میں ایک لوہے کا ستون ہے جس کا نچلا حصہ زمین میں ہے اور اوپر کا حصہ آسمان پر اور اس کی چوٹی پر ایک کڑا ہے۔ مجھے کہا گیا: اس پر چڑھو۔ میں نے کہا: مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے، اسی دوران میں ایک خادم آیا اور اس نے پیچھے سے میرے کپڑے اٹھائے تو میں چڑھ گیا اور جب میں اس کی

چوٹی پر پہنچ گیا تو میں نے اس کڑے کو پکڑ لیا، مجھے کہا گیا کہ اس درخت کو پوری مضبوطی سے پکڑ لو، ابھی میں نے اسے اپنے ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا کہ میں بیدار ہو گیا، جب میں نے یہ خواب نبی مکرم ﷺ سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« تِلْكَ الرَّوْضَةُ الْإِسْلَامُ، وَذَلِكَ الْعَمُودُ عَمُودُ الْإِسْلَامِ، وَتِلْكَ الْعُرْوَةُ عُرْوَةُ الْوُثْقَىٰ، فَأَنْتَ عَلَى الْإِسْلَامِ حَتَّى تَمُوتَ، وَذٰلِكَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ »[1]

"جو باغ تم نے دیکھا ہے وہ اسلام ہے، اور ستون اسلام کا ستون ہے اور کھنا درخت عروۃ الوثقی ہے، اس لیے تم مرتے دم تک اسلام پر قائم رہو گے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ وہ بزرگ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تھے۔"

تشریح:

« كُنْتُ جَالِساً فِي مَسْجِدِ الْمَدِيْنَةِ »

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ میں مدینے میں اصحابِ نبی اکرم ﷺ میں سے بعض لوگوں کے پاس تھا کہ ایک آدمی آیا۔ جس کے چہرے سے خشوع وخضوع کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔

« تَجَوَّزَ فِيهِمَا » یعنی خفیف سی دو رکعت نماز ادا کی۔

« ثُمَّ خَرَجَ وَ تَبِعْتُهُ » صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ میں ان کے پیچھے گیا، وہ اپنے گھر میں داخل ہو گئے تو میں بھی ان کے گھر میں داخل ہو گیا، پھر ہم دونوں نے باتیں کیں، جب انھوں نے مجھے پہچان لیا تو میں نے عرض کی کہ جب آپ مسجد میں داخل ہوئے تھے تو ایک آدمی نے آپ کے بارے میں یہ کہا تھا۔

« قَالَ: وَاللّٰهِ لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَّقُولَ مَا لَا يَعْلَمُ » صحیح مسلم کی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3529]

روایت میں ہے۔

«سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ»

''سبحان اللہ کسی کے لیے یہ مناسب نہیں۔''

«لِمَ ذٰلِكَ» یعنی انھوں نے یہ بات کیوں کہی؟

«ذَكَرَ» یعنی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔

«اِرْقَ» یعنی بلندی پر چڑھنا۔

«فَأَتَانِي مِنْصَفٌ» یعنی ایک خادم میرے پاس آیا۔

«فَرَفَعَ بِثِيَابِي» یعنی اس خادم نے ستون پر چڑھانے کے لیے میری مدد کی اور میرا کپڑا پیچھے سے پکڑ کر رکھا۔

«فَاسْتَيْقَظْتُ وَ إِنَّهَا فِي يَدِي» یعنی میں اس حال میں بیدار ہوا کہ میں نے اس کڑے کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔

«الْإِسْلَامُ» اسلام سے مراد مکمل دین، ستون سے مراد دین کے ارکان یعنی ارکان خمسہ یا صرف کلمہ شہادت مراد ہے اور عروۃ الوثقی سے مراد بھی اسلام ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ﴾ [البقرة: 256]

''پھر جو کوئی باطل معبود کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو یقیناً اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جسے کسی صورت ٹوٹنا نہیں۔''

«وَذٰلِكَ الرَّجُلُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامَ» احتمال ہے کہ یہ الفاظ راوی کے ہوں۔[1]

[1] عمدة القاري [456/24]

فوائد:

① اس حدیث میں قطعی دلیل ہے کہ جو شخص دینِ اسلام اور توحید پر فوت ہوا وہ جنتی ہے، اگرچہ اسے بعض سختیاں بھی برداشت کرنا پڑیں۔

② عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی فضیلت کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے جنت کی گواہی دی۔

③ یہ اس اعتبار سے نبی مکرم ﷺ کا معجزہ ہے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی دی ہوئی خبر کے مطابق واقعی اسلام پر فوت ہوئے۔

④ صحابہ کرام کی عاجزی وانکساری۔

59- عمار! تمھیں باغیوں کا ایک گروہ قتل کرے گا

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمار رضی اللہ عنہ سے کہا:

«تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ»[1]

''تمھیں باغیوں کی ایک جماعت قتل کرے گی۔''

دوسری روایت میں ہے: عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے اور اپنے بیٹے علی کو کہا کہ تم دونوں ابو سعید کے پاس جاؤ اور ان سے حدیث سنو۔ (عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں) ہم گئے تو وہ (ابو سعید رضی اللہ عنہ) اپنے باغ میں کام کر رہے تھے۔ انھوں نے اپنی چادر پکڑی اور گوٹھ مار کر بیٹھ گئے اور ہمیں حدیثیں بیان کرنے لگے۔ جب مسجد نبوی کی تعمیر کا ذکر آیا تو انھوں نے کہا کہ ہم ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو دیکھا تو آپ ﷺ ان کے بدن سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرمایا:

«وَيْحَ عَمَّارٍ تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ، يَدْعُوهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ، قَالَ: يَقُولُ عَمَّارٌ: أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ»[2]

''افسوس! عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی، عمار اس جماعت کو جنت کی طرف بلائیں گے اور وہ عمار کو جہنم کی طرف بلائے گی۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ عمار کہتے تھے: میں فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔''

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [5193]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [428]

تشریح:

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے مستقبل کی ایک خبر دی کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو شہید کیا جائے گا، چنانچہ عمار رضی اللہ عنہ جنگِ صفین کے دوران میں شہید کر دیے گئے۔ جنگ صفین علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامیوں کے درمیان بپا ہوئی تھی۔

«يَدْعُوهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ»

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کہا جائے کہ عمار رضی اللہ عنہ جنگِ صفین میں شہید کیے گئے اور یہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں شامل تھے، جن لوگوں نے ان کو شہید کیا، وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت سے تعلق رکھتے تھے اور ان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تھی تو یہ کہنا کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ وہ عمار رضی اللہ عنہ کو جہنم کی طرف بلاتے تھے؟

ابن بطال رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے عمار رضی اللہ عنہ کو خوارج کی طرف بھیجا تھا، تاکہ وہ ان کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ شامل ہونے پر آمادہ کریں، لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ عمار رضی اللہ عنہ کا سامنا کسی صحابی سے ہوا تھا، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملے میں کسی مشکل بات کی ایسی تاویل مراد لینی چاہیے جو سب سے بہتر ہو۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابن بطال رحمہ اللہ نے مہلب رحمہ اللہ کی بات کو درست سمجھا ہے اور جمہور علما نے اسی تاویل کو معتبر مانا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس بات پر تمام علما کا اتفاق ہے کہ خوارج کا فتنہ عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کھڑا ہوا تھا اور ان کا ظہور علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کے بعد ہوا تھا، جب انھوں نے قرآن کو حکم ماننے کا اعلان کیا تھا اور یہ بات بھی متفقہ ہے

کہ قرآن کو حکم بنانے کا فیصلہ جنگِ صفین ختم ہونے کے بعد کیا گیا تھا اور عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت قطعی طور پر اس فیصلے سے پہلے ہو چکی تھی۔

بعض علما نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جو لوگ عمار رضی اللہ عنہ کو جہنم کی طرف بلاتے تھے۔ وہ قریش کے کفار تھے، لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ ابن سکن رحمہ اللہ کی روایت میں کچھ الفاظ کا اضافہ ہے اور وہ الفاظ یہ ہیں:

«هُمْ أَهْلُ الشَّامِ» اس جماعت سے مراد اہلِ شام ہیں۔

صحیح بات بھی یہی ہے کہ اس جماعت سے مراد شام کے لوگ ہی ہیں، کیونکہ وہ اپنے اجتہاد کی بنا پر عمار رضی اللہ عنہ کو جنت کی طرف بلا رہے تھے، اگر چہ ان کا اجتہاد حقیقت کے خلاف تھا۔ اگر کوئی شخص ان کے اجتہاد کو بنیاد بنا کر ان پر اعتراض کرے کہ اجتہاد کی عام طور پر دو قسمیں ہوتی ہیں، اگر مجتہد صحیح رائے اختیار کرتا ہے تو اسے دو گنا اجر ملتا ہے اور اگر وہ اپنے اجتہاد میں غلطی کرتا ہے اور صحیح رائے اختیار نہیں کرتا تو اس کے لیے ایک اجر ہوتا ہے، لہٰذا اہلِ شام کے اجتہاد کو کیا سمجھا جائے گا: صحیح یا غلط؟

ہم اس آدمی سے گزارش کریں گے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملے میں ہمیں زیادہ اختلاف اور بحث و مباحثے میں نہیں پڑنا چاہیے اور اسی جواب پر اکتفا کرنا چاہیے، جس سے ان کی عزت و حرمت پر کوئی حرف نہ آئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہے، ان کے ایمان کی گواہی دی اور ان کی فضیلت بیان کی ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [آل عمران: 110]

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے۔''

مفسرین کے نزدیک اس سے مراد اصحابِ محمد ﷺ ہیں۔ [1]

فوائد:

① مسجد تعمیر کرنا افضل اعمال میں سے ہے، کیونکہ یہ ایسا عمل ہے جس کا اجر انسان کو اس کی وفات کے بعد بھی ملتا ہے، اسی طرح اس نوعیت کے دیگر اعمال بھی مرنے کے بعد انسان کے لیے باعثِ اجر ہوتے ہیں، جیسے کنواں کھدوانا، نہریں جاری کرنا اور ایسی جگہ پر مال خرچ کرنا جس سے عام لوگوں کو فائدہ ہو۔

② ہر بندے کو حصولِ علم کی ترغیب دینی چاہیے، اگرچہ سیکھنے والا سکھانے والے سے افضل ہی کیوں نہ ہو، جیسے آپ نے دیکھا کہ اس حدیث میں ابن عباس رضی اللہ عنہم اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود اپنے بیٹے علی کو حکم دے رہے ہیں کہ وہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے علم حاصل کرے۔

③ عالم کو حدیث کا علم لوگوں کو سکھانے کے لیے تیار رہنا چاہیے اور اس کے لیے مجلس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

④ حدیث اور اصحابِ حدیث کی عزت و تکریم میں دیگر کام کاج اور مشغولیات چھوڑ دینی چاہییں، یہی سلف کا طریقہ تھا۔

⑤ نیکی کے کاموں میں انسان کو اپنی طاقت اور وسعت کے مطابق کام کرنا چاہیے، جیسے سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے، لیکن عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے۔

⑥ اللہ کے راستے میں کام کرنے والے کی عزت و تکریم اور اس کے ساتھ

---

[1] عمدة القاري [47/7]

احسان کرنا چاہیے، اس کی بات اور اس کے کام کا احترام کرنا چاہیے۔

7. نبوت کی ایک نشانی کا بیان۔

8. انسان کا اپنے دنیاوی کام کاج اور کاروبار میں مصروف رہنا، جیسے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ باغ میں پھلوں کو درست کر رہے تھے، اسلاف کا یہی طریقہ تھا وہ دین کے ساتھ ساتھ دنیاوی کام بھی کرتے تھے، اس سے انسان کے اندر عاجزی آتی ہے اور فخر وتکبر کا خاتمہ ہوتا ہے۔

9. علی رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ کی فضیلت۔

10. فتنوں سے پناہ طلب کرنا مستحب ہے، کیوں کہ کوئی نہیں جانتا کہ فتنوں میں اس کا کیا حال ہوگا؟ وہ ایمان پر ثابت قدم رہے گا یا ڈگمگا جائے گا۔

60- ایک گروہ مسلمانوں کی جماعت سے علاحدہ ہو جائے گا

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تَمْرُقُ مَارِقَةٌ عِنْدَ فُرْقَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَقْتُلُهَا أَوْلَى الطَّائِفَتَيْنِ بِالْحَقِّ»[1]

''مسلمانوں میں اختلاف کے وقت دین سے نکلنے والا گروہ نکلے گا، دونوں گروہوں میں سے حق کے زیادہ قریب دوسرے کو قتل کر دے گا۔''

تشریح:

اس سے مراد خارجی ہیں، جو قرآن مجید کو حکم قرار دینے کے فیصلے سے ناراض ہو کر دین سے نکل گئے اور بھاگ کر مقامِ حروراء میں جمع ہو گئے۔ جو وہ چاہتے تھے، انھوں نے کیا، بالآخر علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ جنگ کی۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دونوں گروہوں میں سے ایک حق پر ہوگا اور دوسرا باطل پر، اہلِ حق کا گروہ اہلِ باطل کو قتل کرے گا۔

«عَلٰى حِيْنِ فُرْقَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ» اسی سے ملتی جلتی بات ایک اور حدیث میں بھی آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [1767]

جماعتوں کے درمیان اس کے ساتھ صلح کرائیں گے۔

یعنی وہ دونوں جماعتیں مسلمانوں کی ہوگی، اس میں علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ حق کے زیادہ قریب تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد پر قائم تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی مجتہد کو اس کے اجر سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس کا اجتہاد درست ہوا تو اسے دوگنا اجر ملے گا اور اگر اس نے غلطی کی تو اس کے لیے ایک اجر ہوگا۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر کا اعلان فرما رکھا ہے۔

خوارج کے بارے میں ایک وضاحت ضروری ہے کہ یہ لوگ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے جدا ہوئے تھے نہ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر سے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ پہلے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو سزا دی جانی چاہیے، اس کے بعد کسی اور کام کی طرف توجہ کرنی چاہیے، جب کہ علی رضی اللہ عنہ کا موقف تھا کہ پہلے اہلِ شام کو تابع بنایا جائے، اس کے بعد دیگر معاملات کو دیکھا جائے۔ بہر حال دونوں ہی اپنے اپنے اجتہاد پر قائم تھے۔

صاحبِ عون المعبود فرماتے ہیں: علما کا اتفاق ہے کہ خارجی مسلمان تھے، لیکن میں کہتا ہوں: بعض علما نے ان کو کافر بھی قرار دیا ہے۔[1]

فوائد:

1. رسول اللہ ﷺ کا معجزہ کہ آپ ﷺ نے مستقبل کے بارے میں جن چیزوں کی نشاندہی کی، وہ بالکل اسی طرح واضح ہوئیں۔
2. رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کی امت باقی رہے گی اور اس میں اتنی

[1] شرح سنن أبي داود [444/26]

قوت و طاقت ہوگی کہ وہ باطل کے سامنے مرعوب نہ ہوگی۔

③ مسلمان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے اور ایک گروہ دین سے نکل جائے گا، ان لوگوں کی نشانی یہ ہوگی کہ یہ دین میں مبالغہ آرائی کریں گے، نماز، تلاوتِ قرآن اور دیگر اسلامی حقوق و آداب میں غلو سے کام لیں گے۔

61- سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما دو جماعتوں میں صلح کروائیں گے

سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ میں نے حسن بصری رحمہ اللہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ اللہ کی قسم جب حسن بن علی رضی اللہ عنہما معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں پہاڑوں جیسا لشکر لے کر پہنچے تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں، جو اپنے مدمقابل کو تباہ و برباد کیے بغیر واپس نہیں جائے گا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم وہ ان دونوں آدمیوں میں سے زیادہ اچھے تھے، اے عمرو! اگر اس لشکر نے اس کو قتل کیا اور اس نے اس کو قتل کیا تو لوگوں کے امور میں میرے ساتھ کون اس کی ذمہ داری لے گا؟ لوگوں کی بیوہ عورتوں کی خبر گیری کے سلسلے میں میرے ساتھ کون ذمہ دار ہوگا؟ لوگوں کی آل اولاد میں میرے ساتھ کون ذمے دار ہوگا؟ بالآخر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کے پاس قریش کی شاخ بنو عبد شمس کے دو آدمی، عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر بن کریز، بھیجے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے کہا کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اور ان کے سامنے صلح کا پیغام پیش کرو اور ان سے اس کے بارے میں گفتگو کرو اور فیصلہ انھی کی مرضی پر چھوڑ دو، چنانچہ یہ لوگ آئے، دونوں نے گفتگو کی اور فیصلہ انھی (حسن بن علی رضی اللہ عنہما) پر چھوڑ دیا۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ان دونوں سے کہا: ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں اور ہم مال و دولت خرچ کرنے والے ہیں اور یہ لوگ خون خرابا کرنے میں ماہر ہیں، ان دونوں نے کہا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کو

اتنا اتنا (مال) دینے پر راضی ہیں اور آپ سے صلح چاہتے ہیں، فیصلہ آپ کی مرضی پر چھوڑا ہے اور اس بارے میں آپ سے پوچھا ہے۔ حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی ذمہ داری کون لے گا؟ دونوں نے کہا: ہم اس کے ذمے دار ہیں۔ حسن رضی اللہ عنہ نے جس چیز کے بارے میں بھی سوال کیا، انھوں نے یہی جواب دیا کہ ہم ذمے دار ہیں، بالآخر آپ رضی اللہ عنہ نے صلح کر لی، پھر فرمایا: میں نے ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے سنا: وہ بیان کیا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے پہلو میں تھے، آپ ﷺ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اور فرماتے:

« إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ »[1]

''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کروائے گا۔''

تشریح:

پہلے نبی مکرم ﷺ نے ایسے فتنوں کی خبر دی، جن سے مسلمان آپس میں بٹ جائیں گے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب حسن بن علی رضی اللہ عنہما مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کو اکٹھا کریں گے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اس دوران میں حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کروائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے جس طرح فرمایا تھا، کچھ عرصہ بعد بالکل اسی طرح ہوا۔ چالیس ہجری میں حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک بہت بڑا لشکر

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2505]

لے کر روانہ ہوئے، لیکن دونوں کا مقابلہ تو نہ ہوا، البتہ دونوں کی صلح ہوگئی۔

اس سال کو اتحاد کا سال کہا جاتا ہے، کیوں کہ اس سال بہت عرصہ بعد مسلمان آپس کے لڑائی جھگڑوں کو چھوڑ کر ایک آدمی کی امارت پر متفق ہوئے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس واقعہ سے نبی مکرم ﷺ کی نبوت کی بے شمار نشانیاں سامنے آتی ہیں، اسی طرح اس سے حسن رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ انھوں نے امارت اس لیے نہیں چھوڑی تھی کہ ان کے ساتھ لوگوں کی تعداد کم تھی یا اپنی کسی ذاتی غرض کی وجہ سے، بلکہ انھوں نے خالص اللہ کی رضا کے لیے صلح پر آمادگی ظاہر کی تھی، تاکہ مسلمانوں میں مزید خون خرابہ نہ ہو، انھوں نے امت کی بہتری اور مصلحت کی خاطر ہتھیار ڈالے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کی تھی۔

فوائد:

1. اس حدیث سے حسن رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ انھوں نے امارت سے دست برداری کا اظہار کر کے صلح کو ترجیح دی، حالانکہ چالیس ہزار لوگ ان کے ساتھ مر مٹنے کی بیعت کر چکے تھے، لیکن حسن رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو جوڑنے کی خاطر لڑائی نہ کرنے کا فیصلہ کیا اور صلح کا ہاتھ بڑھایا۔
2. اس حدیث میں دلیل ہے کہ قاصدوں اور سفیروں کی بات سننی چاہیے اور ان سے منہ نہیں موڑنا چاہیے۔
3. تھوڑی فضیلت والے آدمی کا زیادہ فضیلت والے آدمی پر امیر بن جانا۔
4. نبی کریم ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ کے لوگوں کے درمیان صلح کروانے کی جو پیشین گوئی کی تھی، وہ حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی۔

62- بحری جنگ کا آغاز ہوگا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ ایک دن آپ ﷺ ان کے پاس گئے تو ام حرام رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو کھانا پیش کیا اور آپ ﷺ کے سر سے جوئیں نکالنے لگیں، اس دوران میں آپ ﷺ سو گئے۔ جب بیدار ہوئے تو آپ ﷺ مسکرا رہے تھے۔ (سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے بیان کیا) میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هٰذَا الْبَحْرِ، مُلُوكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ، أَوْ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ -يَشُكُّ أَيُّهُمَا قَالَ- قَالَتْ فَقُلْتُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! اُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَدَعَا لَهَا ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ»

”میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے اس طرح پیش کیے گئے کہ وہ دریا میں سوار ہو کر اللہ کے راستے میں لڑنے جا رہے تھے، جس طرح بادشاہ تخت پر ہوتے ہیں (یہاں راوی کو الفاظ کا کچھ شک ہے) ام حرام رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل کر دے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا کی، پھر اپنا سر رکھا اور سو گئے۔“

آپ ﷺ دوبارہ جب بیدار ہوئے تو آپ ﷺ مسکرا رہے تھے۔ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ» كَمَا قَالَ فِي الْأُوْلَى، قَالَتْ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، قَالَ: أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِيْنَ»

''میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے اس طرح پیش کیے گئے کہ وہ پہلے کی طرح ہی اللہ کے راستے میں لڑنے جا رہے ہیں۔ (ام حرام رضی اللہ عنہا نے بیان کیا) اس مرتبہ بھی میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے لیے اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے ان میں شامل کر دے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم پہلے لوگوں میں شامل ہوگی۔''

چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ام حرام رضی اللہ عنہا نے بحری سفر کیا، پھر جب سمندر سے باہر آئیں تو ان کی سواری نے انھیں نیچے گرا دیا اور وہ فوت ہو گئیں۔[1]

تشریح:

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو جن غیبی امور کے بارے میں بتایا، ان میں ایک خبر ام حرام رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی تھی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ عنقریب تم لوگ سمندر میں سفر کر کے جنگ کرو گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس کے علاوہ اس حدیث میں نبی مکرم ﷺ کی نبوت کی کئی علامات بیان ہوئی ہیں۔ مثلاً:

(1) آپ ﷺ کے بعد آپ کی امت غلبہ حاصل کرے گی۔

---

(1) صحيح البخاري، رقم الحديث [2580] صحيح مسلم، رقم الحديث [3535]

② مسلمان اتنے مضبوط اور طاقتور ہوں گے کہ دشمن کے دل میں ان کا رعب و دبدبہ بیٹھ جائے گا۔
③ وہ دیگر ملکوں پر فتح پانے کے علاوہ سمندر میں بھی جنگ کریں گے۔
④ ام حرام رضی اللہ عنہا بحری جنگ برپا ہونے تک زندہ رہیں گی اور اس میں بہ نفس نفیس شریک بھی ہوں گی، لیکن اس غزوے کا دوسرا زمانہ نہ پا سکیں گی۔

فوائد:

① آدمی کا اپنی کسی محرم عورت سے گفتگو کرنا، اس کے ساتھ علاحدگی میں بات کرنا اور اس کے گھر میں سونا جائز ہے۔
② عورت کا اپنے خاوند کے مال سے کسی محرم رشتہ دار کی مہمان نوازی کرنا جائز ہے، کیونکہ عام طور پر گھر میں موجود کھانے وغیرہ کا مالک آدمی ہی ہوتا ہے۔
③ سر سے جوئیں نکالنا اور چیچڑ کو مارنا جائز ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ چیچڑ، ٹڈی یا ان جیسے دیگر ایذا دینے والے کیڑوں کو مارنا مستحب ہے۔
④ دن کے وقت قیلولہ کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے قیام اللیل کے لیے جسم کو تقویت ملتی ہے۔
⑤ خوشی کے وقت ہنسنا جائز ہے۔
⑥ ہر امیر کی امارت میں جہاد کرنا جائز ہے اور یہ قیامت تک جاری رہے گا۔
⑦ انسان میں اللہ کے راستے میں لڑنے اور شہادت حاصل کرنے کی خواہش ہونی چاہیے۔
⑧ نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی کہ آپ ﷺ نے بعد میں واقع ہونے والے ایک بہت اہم کام کی خبر پہلے دے دی اور وہ یہ کہ مسلمانوں کی فوج بحری راستے سے جنگ کی طرف پیش قدمی کرے گی۔

⑨ رسول اللہ ﷺ نے اس کی نوعیت کے بارے میں خبر دی کہ ان کا لشکر کس طرح سے سوار ہو کر دریا میں اترے گا۔

⑩ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کے لیے خوشخبری کہ تم بھی لشکر کے میں شامل ہو گی۔

⑪ انبیا علیہم السلام کے خواب سچ ہوتے ہیں۔

⑫ سیدہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت، کیونکہ اس حدیث میں جس بحری جنگ کی خوشخبری دی گئی ہے، اس کے پہلے سپہ سالار امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔

⑬ اس حدیث میں دلیل ہے کہ جس شخص کو جہاد کے راستے میں دشمن کا سامنا کیے بغیر کسی اور وجہ سے موت آئی، اس کو اجر و ثواب بھی اتنا ہی ملے گا، جتنا دشمن کے سامنے آنے والے شخص کو ملے گا۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ عورتیں میدانِ جنگ میں فوج کے لیے کھانا تیار کرتی تھیں اور ان کو پانی پلاتی تھیں، ان کا جنگ میں یہی کردار ہوتا تھا۔

⑭ اللہ کے راستے میں طبعی موت مرنے والا اور شہید ہونے والا دونوں اجر و ثواب میں برابر ہیں یا قریب قریب ہیں۔

63- قریش سے بارہ خلفا ہوں گے

سیدنا عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا اور اپنے غلام نافع کے ہاتھ بھیجا، اس میں یہ تھا کہ مجھے کوئی ایسی چیز بیان کرو، جو تم نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو، انھوں نے جواب میں لکھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جمعہ کے دن شام کے وقت، جب ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کو سنگ سار کیا گیا تھا، یہ فرماتے ہوئے سنا:

«لَا يَزَالُ الدِّينُ قَائِمًا حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ، أَوْ يَكُونَ عَلَيْكُمُ اثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ، وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: عُصَيْبَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ يَفْتَتِحُونَ الْبَيْتَ الْأَبْيَضَ بَيْتَ كِسْرٰى، أَوْ آلِ كِسْرٰى، وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ كَذَّابِينَ فَاحْذَرُوهُمْ، وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: إِذَا أَعْطَى اللّٰهُ أَحَدَكُمْ خَيْرًا فَلْيَبْدَأْ بِنَفْسِهِ وَ أَهْلِ بَيْتِهِ، وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: أَنَا الْفَرَطُ عَلَى الْحَوْضِ»[1]

”یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا، یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے یا تم پر بارہ خلیفہ ہوں گے اور وہ سب قریشی ہوں گے۔ میں نے آپ ﷺ سے یہ بھی سنا کہ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کسریٰ یا آلِ کسریٰ کے محل کو فتح کرے گی اور میں نے آپ ﷺ سے یہ بھی سنا کہ قیامت کے قریب جھوٹے پیدا ہوں گے، تم ان سے بچنا اور

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث [3398]

میں نے آپ ﷺ سے یہ بھی سنا کہ جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو دولت دے تو پہلے وہ اپنے اوپر اور اپنے گھر والوں پر خرچ کرے اور میں نے سنا کہ آپ ﷺ فرماتے تھے: میں حوض پر پہلے پہنچ کر تمھارا استقبال کروں گا۔"

تشریح:

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بارہ خلیفہ نیک اور صالح ہوں گے۔ وہ حق قائم کریں گے اور لوگوں میں عدل کریں گے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ سب پے در پے ہوں گے، البتہ ان میں سے چار خلفا تو یکے بعد دیگرے ہوئے اور وہ چار سیدنا ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ بھی بغیر کسی شک وشبہہ کے انھی بارہ میں شامل ہیں۔ اسی طرح بعض خلیفہ بنو عباس میں سے بھی ہوئے ہیں اور قیامت سے پہلے پہلے ان کی تعداد پوری ہونا بھی ضروری ہے۔ انھی میں سے امام مہدی بھی ہیں، جن کی بشارت دیگر احادیث میں آچکی ہے۔ ان کا نام آپ ﷺ کے نام پر ہوگا اور ان کے والد کا نام آپ ﷺ کے والد والا ہوگا۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے جس طرح پہلے وہ ظلم و زیادتی سے بھری ہوگی۔

لیکن اس سے شیعوں کا منتظر امام مرادنہیں، کیونکہ اس کی تو کوئی حقیقت ہی نہیں، بلکہ یہ تو صرف شیعوں کی وہم پرستی اور ان کا ایک باطل خیال ہے اور نہ اس حدیث سے شیعوں کے فرقے اثنا عشریہ کے ائمہ مراد ہیں، اس حدیث کو ان ائمہ پر محمول کرنا شیعوں کے اسی فرقے کی من گھڑت بات اور کم عقلی کا نتیجہ ہے۔ تورات میں اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ جن بارہ لوگوں کو خوشخبری دی گئی تھی، اس

سے مراد بھی ان کی نسل کے بڑے لوگ ہی تھے۔ اسی طرح یہاں بھی مسلمانوں کے بارہ خلفا قریش کے لوگوں میں سے ہوں گے۔ لیکن بعض یہودی جو مسلمان ہوئے تھے اور ابھی اسلام ان کے دلوں میں پختہ نہیں ہوا تھا، جاہلیت کی رمق ابھی ان میں باقی تھی، انھوں نے شیعوں کو اس وہم میں ڈال دیا کہ اس سے مراد ان کے اپنے خاص بارہ امام ہی ہیں، چنانچہ شیعوں نے ان کی بات پر یقین کر لیا، حالانکہ نبی مکرم ﷺ سے ایسی کوئی چیز منقول نہیں تھی۔[1]

فوائد:

١. اس بات کی خوشخبری کہ میری امت میں بارہ خلیفہ آئیں گے جو انصاف قائم کریں گے اور حق بات نافذ کریں گے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تسلسل کے ساتھ ایک ہی زمانے میں آئیں گے۔

٢. نبی اکرم ﷺ کا معجزہ کہ آپ ﷺ نے ایسی خبر دی جو صرف ایک نبی ہی دے سکتا تھا۔

[1] تفسیر ابن کثیر [33-34/2]

64- میری امت فسادات کا شکار ہو جائے گی

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إِنَّ اللّٰهَ زَوَىٰ لِيَ الْأَرْضَ، أَوْ قَالَ: إِنَّ رَبِّيْ زَوَىٰ لِيَ الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَإِنَّ مُلْكَ أُمَّتِيْ سَيَبْلُغُ مَا زُوِيَ لِيْ مِنْهَا، وَأُعْطِيْتُ الْكَنْزَيْنِ الْأَحْمَرَ وَ الْأَبْيَضَ، وَإِنِّيْ سَأَلْتُ رَبِّيْ لِأُمَّتِيْ أَنْ لَا يُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ بِعَامَّةٍ، وَلَا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيْحَ بَيْضَتَهُمْ، وَإِنَّ رَبِّيْ قَالَ لِيْ: يَا مُحَمَّدُ إِنِّيْ إِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَإِنَّهُ لَا يُرَدُّ، وَلَا أُهْلِكُهُمْ بِسَنَةٍ بِعَامَّةٍ، وَلَا أُسَلِّطُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيْحَ بَيْضَتَهُمْ، وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِ أَقْطَارِهَا، أَوْ قَالَ: بِأَقْطَارِهَا حَتّٰى يَكُوْنَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا، وَحَتّٰى يَكُوْنَ بَعْضُهُمْ يَسْبِيْ بَعْضًا، وَإِنَّمَا أَخَافُ عَلَى أُمَّتِيْ الْأَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ، وَإِذَا وُضِعَ السَّيْفُ فِيْ أُمَّتِيْ لَمْ يُرْفَعْ عَنْهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِيْ بِالْمُشْرِكِيْنَ، وَحَتّٰى تَعْبُدَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِيْ الْأَوْثَانَ، وَإِنَّهُ سَيَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ كَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ، وَلَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ عَلَى

الْحَقِّ ـقَالَ ابْنُ عِيسَىٰـ: ظَاهِرِينَ، ـثُمَّ اتَّفَقَاـ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ» [1]

''بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو لپیٹا اور میں نے اس کے مشرقی اور مغربی کناروں کو دیکھا اور بے شک میری امت کی حکمرانی وہاں تک پہنچے گی، جہاں تک اسے میرے لیے لپیٹا گیا ہے اور مجھے سرخ وسفید دو خزانے دیے گئے ہیں اور میں نے اپنے رب تعالیٰ سے سوال کیا کہ میری امت کو عام قحط سے ہلاک نہ فرمائے اور ان پر ان کے اپنے اندر کے علاوہ باہر سے کوئی دشمن مسلط نہ ہو، جو انھیں ہلاک کر دے تو میرے رب نے مجھے فرمایا: اے محمد ﷺ! جب میں کوئی فیصلہ کرتا ہوں تو اسے رد نہیں کیا جاتا۔ میں ان لوگوں کو عام قحط سے ہلاک نہیں کروں گا اور ان کے اپنے اندر کے علاوہ باہر سے کوئی دشمن مسلط نہیں کروں گا، جو انھیں ہلاک کر کے رکھ دے، اگرچہ سب لوگ جمع ہو کر ان (آپ کی امت) پر چڑھائی کر دیں، البتہ یہ آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قید کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اپنی امت پر گمراہ اماموں کا خوف ہے اور جب ان میں ایک بار تلوار چل گئی تو قیامت تک اٹھائی نہیں جا سکے گی اور اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک میری امت کے کچھ لوگ مشرکوں کے ساتھ نہ مل جائیں اور کچھ قبیلے بتوں کی عبادت نہ کرنے لگیں اور عنقریب میری امت میں تیس جھوٹے آدمی ظاہر ہوں گے، ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [5144] سنن أبي داود، رقم الحديث [3710]

ہو گا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا۔ ابن عیسیٰ کے الفاظ ہیں کہ حق پر غالب رہے گا، ان کا مخالف ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکے گا، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آ جائے گا۔''

تشریح:

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے کئی ایک معجزات بیان ہوئے ہیں، آپ ﷺ نے اس حدیث میں جتنی بھی پیشین گوئیاں فرمائیں، وہ سب پوری ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کے لیے ساری زمین ظاہر کر دی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے زمین کے ان تمام مقامات کا مشاہدہ کیا، جہاں تک مستقبل میں آپ ﷺ کی امت پھیل جانی تھی، کچھ عرصہ بعد بنوامیہ کے دور میں اسلامی فتوحات مشرق و مغرب تک پھیل گئیں، یہاں تک کہ اسلامی لشکر مغرب کی طرف سمندر کی سرحد تک اور مشرق کی طرف چین، ہندوستان، سندھ تک پہنچ گئے تھے اور اسلامی ریاست زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیل چکی تھی اور لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔

اسلامی ریاست کی وسعت بنوعباس کے زمانے میں بھی اسی طرح جاری رہی۔ ہارون الرشید کے بارے میں آتا ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے بغداد میں ایک بادل دیکھا، جو وہاں سے برسے بغیر گزر رہا تھا تو انھوں نے کہا کہ تم جہاں مرضی جا کر برسو، لیکن یاد رکھنا تمھارے پانی سے اگنے والے غلے کا خراج بالآخر میرے پاس ہی آنا ہے، یعنی ہارون الرشید کے زمانے میں اسلامی ریاست اتنی پھیل چکی تھی کہ بادل جہاں بھی برستا، اس کے غلے کا خراج بغداد میں آتا تھا۔

اس کے بعد بھی لوگوں نے فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا اور جہاد فی سبیل

اللہ میں اپنا لوہا منوایا، وہ تعداد کے اعتبار سے اگرچہ دشمن کا عشر عشیر بھی نہ تھے، لیکن ان کے ایمان کی قوت ان کے لیے ہر خیر کا سبب بنی، اس کے برعکس ایمان کی کمزوری اور عدمِ استقامت ہر شر اور پستی کا سبب بنتی ہے، اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے قیامت سے پہلے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہے، یہاں تک کہ اکیلے اللہ کی عبادت کی جائے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے اور اس نے میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں رکھا ہے اور میری مخالفت کرنے والے پر ذلت اور مسکنت ڈال دی ہے اور جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انھی میں سے ہوگا۔

یہ فتوحات اس وقت حاصل ہوئیں، جب مسلمان تعداد اور جنگی آلات وغیرہ میں کسی بھی طرح دشمن کے ہم پلہ نہ تھے۔ دشمن ہر اعتبار سے طاقت ور نظر آتا تھا، لیکن مسلمان صرف اپنے پختہ عقیدے اور جذبہ جہاد کی وجہ سے دشمن پر فتح حاصل کرتے اور غلبہ پاتے تھے، ان فتوحات کا سبب اللہ عزوجل پر سچا یقین، مضبوط ایمان، اخلاص، اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر جہاد اور لوگوں کو راہِ راست پر لانے اور دین میں داخل کرنے کا جذبہ کارفرما تھا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ مسلمانوں کا ایک لشکر فارس کی طرف جنگ کی غرض سے گیا، اس کے امیر نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ تھے، اس لشکر میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، جب یہ لشکر فارس پہنچا تو وہاں کی فوج کے سب سے بڑے کمانڈر نے مسلمانوں کے لشکر سے ایک آدمی کو بلایا تاکہ وہ گفتگو کر سکے۔

مسلمانوں کی طرف سے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے، اس نے پوچھا: تم کون لوگ ہو؟ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہم عرب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم فقر و فاقے کی زندگی گزار رہے تھے، بتوں اور درختوں کی عبادت کرتے تھے،

کھجور کی گٹھلی اور چمڑے کو چاٹ کر بھوک دور کیا کرتے تھے، پھر اللہ عزوجل نے ہمارے اندر ایک رسول مبعوث کیا، ہم اس کے آبا و اجداد سے واقف تھے، اس نے ہمیں اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے کی دعوت دی اور جہاد کا حکم دیا اور ہمیں بتایا کہ ہم میں سے جو شخص اللہ کے راستے میں شہید ہوا وہ جنت میں داخل ہوگا اور اس نے جنت کی یہ یہ صفات بیان کی ہیں اور ہم میں سے جو زندہ رہا وہ تمھاری زمین کا مالک بنے گا۔

ہم مغیرہ رضی اللہ عنہ کی اس کلام سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان میں کتنا ایمان، یقین اور اخلاص تھا۔

اس کے بعد جب حالات بدل گئے، مسلمان اسلام سے دور ہونا شروع ہو گئے اور بداعمالیوں میں مبتلا ہو گئے تو وہی قوم جو پہلے مغلوب تھی، اب مسلمانوں کی غلطیوں کی وجہ سے غالب آ گئی، وہی کافر جو مسلمانوں سے گھبرایا کرتے تھے، اب ان میں مسلمانوں پر چڑھائی کا حوصلہ پیدا ہو گیا، چنانچہ مسلمان مغلوب ہو گئے اور کافر غالب آ گئے۔

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«وَجُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلٰی مَنْ خَالَفَ أَمْرِيْ»

”جس آدمی نے میری مخالفت کی، اس پر ذلت و مسکنت ڈال دی گئی۔“

«وَأُعْطِيْتُ الْكَنْزَيْنِ الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ» سرخ سے مراد سونا اور سفید سے مراد چاندی ہے، یعنی قیصر و کسریٰ کے سونے اور چاندی کے خزانے مالِ غنیمت کی شکل میں مسلمانوں کے پاس آئیں گے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آپ ﷺ کی یہ پیشین گوئی بھی پوری ہو گئی اور روم و فارس کی جنگوں سے مسلمانوں نے یہ مال غنیمت حاصل کر کے مدینہ منورہ پہنچایا، جسے عمر رضی اللہ عنہ نے

لوگوں میں تقسیم کیا۔

« وَإِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي أَلَّا يُهْلِكَ أُمَّتِي بِسَنَةٍ بِعَامَةٍ » یعنی میری امت پر ایسا قحط اور ایسی تباہی نہ آئے جس سے سارے لوگ ہلاک ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی یہ التجا قبول کر لی، چنانچہ اب اگر ایک جگہ پر قحط آتا ہے تو دوسری جگہ پر خوشحالی ہوتی ہے، ایک جگہ پر اگر عذاب آتا ہے تو دوسری جگہ پر لوگ امن میں ہوتے ہیں۔

« وَ أَنْ لَّا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ »

یعنی ایسا نہ ہو کہ غیر مسلم اسلام اور مسلمانوں کے فیصلے کرنے لگیں۔ اسلام باقی رہنے والا مذہب ہے۔ زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں بچے گی جہاں پر اللہ کی شریعت نافذ نہ ہو، اگر کسی ایک جگہ پر اسلام کمزور ہوگا تو کسی دوسری جگہ پر مضبوط بھی ہوگا، لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ زمین پر اللہ کا نام لینے والا ہی کوئی نہ ہو، البتہ جس چیز سے مسلمانوں کا واسطہ پڑے گا، وہ یہ ہوگی کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کو قتل کریں گے، قتل و غارت گری کا فتنہ بہت عروج اختیار کر لے گا۔

« وَإِنَّ رَبِّي قَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنِّي إِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَإِنَّهُ لَا يُرَدُّ »

اللہ تعالیٰ جو فیصلہ کرتا اور جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہیں وہ نہ ہو سکے۔ تقدیر کے معاملات میں مسلمانوں کا عقیدہ مختصر الفاظ میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ ماضی میں جو کچھ ہو چکا اس میں اللہ کی منشا یہی تھی اور اسے ہونا ہی تھی اور جو نہ ہو سکا اس میں اللہ تعالیٰ کی منشا نہ ہونے کی ہی تھی۔ تقدیر کا تعلق ان غیبی امور سے ہے، جنھیں صرف اللہ رب العالمین ہی جانتا ہے،

لیکن دو طریقوں سے تقدیر کے معاملات کا علم ہو سکتا ہے:

① جب وہ کام واقع ہو جائے، یعنی بعد میں پتا چل جاتا ہے کہ اس معاملے میں یہی تقدیر تھی۔

② رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے علم سے بتا دیں۔

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مستقبل کے واقعات کی پیشین گوئی فرماتے تھے کہ یہ یہ فتوحات حاصل ہوں گی، فلاں فلاں جگہ سے مالِ غنیمت حاصل ہوگا، حالات اس نوعیت کے ہوں گے وغیرہ، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے تقدیر کی جن چیزوں کے بارے میں خبر دی، لازمی تھا کہ وہ واقع ہوتیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا فیصلہ کر رکھا تھا، اسی لیے تو فرمایا کہ جب میں کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہوں تو اس کو لوٹاتا نہیں ہوں۔

ایک موقع پر نبی مکرم ﷺ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم جان لو کہ اگر سارے لوگ جمع ہو کر تمھیں نفع پہنچانا چاہیں تو کچھ نفع نہیں پہنچا سکیں گے، وہی ہوگا جو اللہ نے لکھ دیا ہے اور اگر سارے لوگ جمع ہو کر تمھیں نقصان پہنچانا چاہیں تو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے، وہی ہوگا جو اللہ نے لکھ دیا ہے، قلمیں اٹھا لی گئی ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔

اسی طرح ایک دعا بھی ہے:

«اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ»

”اے اللہ! جسے تو عطا کرے اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے تو روک دے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔“

«وَإِنَّمَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِي الْأَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ» نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کے بارے میں ایک خدشے کا اظہار کیا کہ میری امت میں گمراہ لوگ

آ جائیں گے، وہ اپنے آپ کو امام اور پیشوا کہلوائیں گے، ان لوگوں کا تعلق کسی بھی شعبے سے ہوسکتا ہے، یہ لوگ دعوت و تبلیغ کا لبادہ بھی اوڑھ سکتے ہیں، یہ امیر اور حکمران کے روپ میں بھی آسکتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ گمراہ لوگ ہوں گے، کیونکہ یہ دوسرے لوگوں کو حق سے پھیریں گے، ہدایت کے راستے سے ہٹائیں گے، ان کو گمراہ کریں گے اور دین کے بارے میں ان کو شکوک و شبہات میں ڈالیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴾ [الأنعام: 153]

”اور یہ کہ بے شک یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اس راستے سے جدا کر دیں گے۔“[1]

فوائد:

1. اللہ تعالیٰ جب مسلمانوں پر ان کے دشمن کو مسلط کریں گے تو اس وقت مسلمان مکمل طور پر ختم نہیں ہو جائیں گے اور نہ ان کا نام و نشان مٹے گا، بلکہ ان کی حالت اس مریض کی سی ہوگی جو بستر علالت پر ہی رہتا ہے، نہ اسے موت آتی ہے اور نہ وہ صحت مند ہوتا ہے۔
2. ہر زمانے میں ایک جماعت ایسی ضرور ہوگی جو قیامت تک حق پر قائم رہے گی۔

[1] شرح سنن أبي داود لعبد المحسن العباد [472/23]

65- رسول اللہ ﷺ نے اویس قرنی رحمہ اللہ کے بارے میں خبر دی

سیدنا اسیر بن جابر سے روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب یمن سے مدد کرنے والے لوگ آتے تو وہ ان سے پوچھتے: کیا تم میں اویس بن عامر بھی کوئی شخص ہے؟ یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ خود اویس کے پاس آئے اور پوچھا: کیا تمھارا نام اویس بن عامر ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم مراد قبیلے سے ہو؟ انھوں نے جواب دیا، ہاں، عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: قرن میں سے ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں، پھر پوچھا: آپ کو برص (پھلبہری) کا مرض تھا اور اب ٹھیک ہو گیا، اب صرف ایک درہم کے برابر باقی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، پھر پوچھا کیا تمھاری والدہ ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«يَأْتِي عَلَيْكُمْ أُوَيْسُ بْنُ عَامِرٍ مَعَ أَمْدَادِ أَهْلِ الْيَمَنِ مِنْ مُرَادٍ ثُمَّ مِنْ قَرَنٍ، كَانَ بِهِ بَرَصٌ فَبَرَأَ مِنْهُ إِلَّا مَوْضِعَ دِرْهَمٍ، لَهُ وَالِدَةٌ هُوَ بِهَا بَرٌّ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ، فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَكَ فَافْعَلْ»

''تمھارے پاس یمن والوں کی مدد کرنے والی فوج کے ساتھ اویس بن عامر آئے گا۔ وہ مراد قبیلے سے ہے، جو قرن کی شاخ ہے، اس کو

برص کا مرض تھا، اب ٹھیک ہو گیا ہے، مگر درہم کے برابر ابھی باقی ہے، اس کی والدہ بھی ہے، جس کا وہ بڑا اطاعت گزار ہے، اس کا حال یہ ہے کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ اس کی قسم کو سچا کر دے گا اور اگر تو طاقت رکھے کہ وہ تیرے لیے دعا کرے تو ایسا ضرور کرنا۔''

لہٰذا آپ میرے لیے دعا کرو، اویس نے عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم کہاں جانا چاہتے ہو؟ انھوں نے کہا: کوفہ میں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں کوفہ کے حاکم کے نام تمھیں ایک خط لکھ دوں؟ انھوں نے کہا: مجھے خاکساروں میں رہنا اچھا لگتا ہے۔ جب دوسرا سال آیا تو کوفہ کے سرداروں میں سے ایک شخص نے حج کیا، وہ عمر رضی اللہ عنہ سے ملا، عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے اویس کا حال پوچھا: وہ بولا: میں نے اویس کو اس حال میں چھوڑا کہ ان کے گھر میں اسباب کم تھے اور وہ تنگدست تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«يَأْتِي عَلَيْكُمْ أُوَيْسُ بْنُ عَامِرٍ مَعَ أَمْدَادِ أَهْلِ الْيَمَنِ مِنْ مُرَادٍ ثُمَّ مِنْ قَرَنٍ، كَانَ بِهِ بَرَصٌ فَبَرَأَ مِنْهُ إِلَّا مَوْضِعَ دِرْهَمٍ، لَهُ وَالِدَةٌ هُوَ بِهَا بَرٌّ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ، فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ يَّسْتَغْفِرَ لَكَ فَافْعَلْ»

''تمھارے پاس یمن والوں کی مدد کرنے والی فوج کے ساتھ اویس بن عامر آئے گا، وہ مراد قبیلے سے ہے جو قرن کی شاخ ہے، اس کو برص کا مرض تھا، اب ٹھیک ہو گیا مگر درہم کے برابر ابھی باقی ہے، اس کی ایک ماں ہے جس کے ساتھ وہ نیکی کرتا ہے، اگر وہ اللہ پر قسم کھائے تو اللہ اس کی قسم کو سچا کر دے، اگر تجھ سے ہو سکے کہ وہ

تیرے لیے دعا کرے تو ضرور ایسا کرنا۔"

وہ شخص (عمر رضی اللہ عنہ سے یہ باتیں سن کر) اویس رحمہ اللہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: میرے لیے دعا کرو۔ اویس نے کہا: تو ابھی اچھا سفر کر کے واپس آ رہا ہے، لہٰذا تو میرے لیے دعا کر، اس شخص نے دوبارہ عرض کی کہ میرے لیے بخشش کی دعا کرو۔ اویس نے پھر وہی جواب دیا کہ تو ابھی اچھا سفر کر کے واپس آ رہا ہے لہٰذا تو میرے لیے دعا کر، پھر پوچھا کہ کیا تو عمر رضی اللہ عنہ سے ملا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، اویس رحمہ اللہ نے اس کے لیے دعا کی، اس وقت لوگوں کو اویس رحمہ اللہ کے مقام و مرتبے کا علم ہوا، چنانچہ وہ وہاں سے سیدھے چلے گئے۔ اسیر راوی نے کہا کہ اویس رحمہ اللہ کا لباس ایک چادر تھی، جب کوئی آدمی اسے دیکھتا تو کہتا کہ اویس رحمہ اللہ کے پاس یہ چادر کہاں سے آئی ہے؟[1]

تشریح:

نبی کریم ﷺ نے جن غیبی امور کی خبر دی، ان میں ایک خبر اویس قرنی رحمہ اللہ کے بارے میں بھی تھی کہ وہ یمن سے مدینہ منورہ تشریف لائیں گے۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو بتایا کہ یمن سے جو لشکر مدینہ آئیں گے، ان میں اویس بن عامر نامی ایک آدمی ہوگا اور اس کی یہ یہ صفات اور علامات ہوں گی اور وہ اتنا نیک ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر قسم ڈال کر اپنا مقصود حاصل کر سکتا ہوگا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ہر وقت یہی تمنا رہتی تھی کہ وہ اویس بن عامر سے مل پائیں، چنانچہ وہ یمنی قافلوں سے باخبر رہتے تھے۔ جب وہاں سے کوئی آتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اویس بن عامر کو اس قافلے میں سے تلاش کیا کرتے تھے، اس دفعہ جب انھوں نے ان تمام چیزوں کی تصدیق کر لی، جو نبی مکرم ﷺ سے سنی تھیں

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [4613]

اور یقین کر لیا کہ یہی اویس بن عامر ہیں، جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں آگاہ کیا تھا تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اپنے لیے بخشش کی دعا کی درخواست کی۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ شاید اویس رحمہ اللہ عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ افضل تھے اور عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بخشا نہیں تھا۔

تمام علما کا اتفاق ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ ہی افضل تھے، کیونکہ اویس تابعی تھے اور عمر رضی اللہ عنہ صحابی تھے اور صحابی تابعی سے افضل ہوتا ہے۔ اس حدیث سے مقصود صرف یہ تھا کہ اویس مستجاب الدعوات شخص ہیں، اسی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف رغبت تھی اور وہ ان سے اپنے لیے دعا کروانا چاہتے تھے۔[1]

کسی دوسرے آدمی سے دعا کروانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بلکہ دوسروں سے اپنے لیے دعا کروانا سنت سے ثابت ہے۔

فوائد:

1. نیک لوگوں سے اپنے لیے بخشش کی دعا کروانا جائز ہے، اگرچہ دعا کروانے والا دعا کرنے والے سے افضل ہی کیوں نہ ہو۔
2. اس حدیث میں اویس قرنی رحمہ اللہ کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔
3. نبی کریم ﷺ کا معجزہ کہ جب کوئی شخص اویس کے نام سے واقف تک نہیں تھا، کسی نے ان کے بارے میں سنا نہیں تھا، اس وقت آپ ﷺ نے ان کے بارے میں خبر دی اور ان کی صفات بیان فرمائیں، جو بعد میں بالکل سچ ثابت ہوئیں۔

[1] دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين [58/4]

66- تُرکوں کا ظہور

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم ﷺ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوْا قَوْماً نِعَالُهُمُ الشَّعَرُ، وَحَتَّى تُقَاتِلُوْا التُّرْكَ صِغَارَ الْأَعْيُنِ حُمْرَ الْوُجُوْهِ ذُلْفَ الْأُنُوْفِ، كَأَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ، وَتَجِدُوْنَ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ أَشَدَّهُمْ كَرَاهِيَةً لِهَذَا الْأَمْرِ حَتَّى يَقَعَ فِيْهِ، وَالنَّاسُ مَعَادِنُ، خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ، وَلَيَأْتِيَنَّ عَلَى أَحَدِكُمْ زَمَانٌ لَأَنْ يَّرَانِي أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَّكُوْنَ لَهُ مِثْلُ أَهْلِهِ وَمَالِهِ» [1]

"قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی، جب تک تم ایک ایسی قوم کے ساتھ جنگ نہ کرلو، جن کے جوتے بالوں کے ہوں گے اور جب تک تم ترکوں سے جنگ نہ کرلو، جن کی آنکھیں چھوٹی ہوں گی، چہرے سرخ ہوں گے، ناک چھوٹی اور چپٹی ہوگی، ان کے چہرے ایسے ہوں گے، جیسے تہہ بہ تہہ ڈھال ہوتی ہے اور تم حکومت کے لیے سب سے زیادہ بہتر اس شخص کو پاؤ گے جو منصب کو برا سمجھے گا، یہاں تک کہ وہ اس میں واقع ہو جائے گا، لوگوں کی مثال کان کی طرح ہے،

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [3322]

جو لوگ جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام لانے کے بعد بھی اچھے ہیں اور تم پر ایک ایسا دور بھی آنے والا ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے گھر اور مال و دولت سے بڑھ کر مجھ کو دیکھ لینا زیادہ پسند کرے گا۔"

تشریح:

غیبی امور کی خبریں دینا نبی مکرم ﷺ کے معجزات میں سے تھا، اس حدیث میں بھی نبی اکرم ﷺ نے کچھ غیبی امور کی خبریں دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی، جب تک تم ترکوں سے جنگ نہیں کرلو گے، اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی، جب تک تم ایک ایسی قوم سے لڑ نہیں لوگے، جن کے جوتے بالوں کے ہوں گے۔

کچھ عرصہ بعد رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ بالا تمام پیشین گویاں پوری ہو گئیں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ کی یہ پیشین گویاں ان معجزات میں سے ہیں، جو بعد میں سچ ثابت ہوئیں، ان میں سے بعض خبریں 617ہجری میں پوری ہوئیں۔ ہوا یوں کہ ترکی سے ایک بہت بڑا لشکر نکلا، اس نے ماوراء النہر کے رہنے والوں کو قتل کیا، اس کے علاوہ خراسان کی سرزمین کے لوگوں کو بھی تہہ تیغ کیا، صرف وہی لوگ بچ سکے، جنھوں نے پہاڑوں اور غاروں میں چھپ کر پناہ لی۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ترکوں سے لڑائی ہمارے زمانے تک پھیلی رہی اور آپ ﷺ کی یہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ مسلمان سلطان خوارزم کے ساتھ مل کر عراق میں ترکوں سے لڑے، اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی اور ان کو ایک خطہ لوٹا دیا، چنانچہ مسلمان عراق وغیرہ پر غالب آگئے، اس وقت

وہاں سے بے شمار لوگ نکلے اور مختلف علاقوں میں پھیل گئے، جیسے یاجوج ماجوج وغیرہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو تباہ و برباد کرے اور ہمیں ان سے حفظ وامان میں رکھے۔[1]

فوائد:

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ایک عظیم معجزہ بیان ہوا ہے۔

[1] فقه الدعوة في صحيح البخاري لسعيد القحطاني [240/4]

67- حجاز کی سرزمین سے ایک آگ بلند ہوگی

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ تُضِيءُ أَعْنَاقَ الْإِبِلِ بِبُصْرَى»[1]

"قیامت قائم نہیں ہوگی، یہاں تک کہ حجاز کی سرزمین سے ایک آگ نکلے گی اور بصریٰ میں اونٹوں کی گردنوں کو روشن کر دے گی۔"

تشریح:

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا کہ حجاز سے ایک ایسی آگ بلند ہوگی، جس کی روشنی شام کے رہنے والوں کو روشن کر دے گی۔ بصریٰ شام کا ایک علاقہ ہے۔ آپ ﷺ کی یہ پیشین گوئی 654 ہجری میں پوری ہوئی اور یہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی ایک دلیل تھی۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حجاز کے علاقے مدینے سے ایک آگ نکلی، اس کی ابتدا جمادی الثانیہ 654 ہجری، بدھ کی رات، عشا کے بعد ایک بہت بڑے زلزلے سے ہوئی اور جمعہ کے دن تک آگ جاری رہی اور مقامِ حرہ کی طرف بنو قریظہ کے مکانات تک پھیل گئی۔

وہ ایک بہت بڑے شہر کی صورت میں دکھائی دیتی تھی، جس کے گرد

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [6585]

فصلیں تھیں، وہ شہر، بالکونیوں، برجوں اور گنبدوں میں گھرا ہوا تھا۔ کچھ لوگ دکھائی دیتے تھے، جو اس کو کھینچ رہے تھے۔ وہ جس پہاڑ پر سے گزرتی، اسے ریزہ ریزہ کر کے پگھلا دیتی اور اس سارے عمل سے ایک سرخ اور نیلے رنگ کی نہر کی طرح کی کوئی چیز برآمد ہوتی۔ اس کے اندر بجلی کی گرج کی طرح گرج تھی اور وہ پتھر کی چٹانوں کو اپنے سامنے بہاتے لے جاتی تھی اور وہ عراقی قافلے کے اترنے کی جگہ تک پہنچی ہوئی تھی۔

اس سے بہت زیادہ ملبہ جمع ہو کر ایک بڑے پہاڑ کی صورت اختیار کر گیا۔ پھر یہ آگ مدینے کے قریب پہنچ گئی، اس کے باوجود مدینے میں نہایت خوشگوار ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اس آگ میں سمندر کی طغیانی جیسا جوش دیکھا گیا۔ ہمارے بعض ساتھیوں نے مجھے بتایا: میں نے تقریباً پندرہ دن تک اسے فضا میں بلند ہوتے ہوئے دیکھا اور میں نے سنا کہ مکہ اور بصریٰ کے پہاڑوں سے بھی اس آگ کو دیکھا گیا۔

فوائد:

نبی کریم ﷺ کے ایک معجزے کا ظہور اور وہ ایسے کہ آپ ﷺ نے جو فرمایا عالمِ وجود میں وہی کچھ ہوا۔

68- کتے کے جوٹھے کو دھونے کا طریقہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«طَهُورُ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ إِذَا وَلَغَ فِيهِ الْكَلْبُ أَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ، أُولَاهُنَّ بِالتُّرَابِ»[1]

''اگر تم میں سے کسی کے برتن میں کتا منہ ڈال دے تو اسے صاف کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اسے سات مرتبہ دھولے اور پہلی دفعہ مٹی کے ساتھ دھوئے۔''

تشریح:

کتے کا شمار مکروہ جانوروں میں ہوتا ہے، کیونکہ عام طور پر یہ گندگی اور کوڑا کرکٹ والی جگہ پر رہتا ہے اور یہی چیزیں اس کی غذا ہوتی ہیں، اس لیے شریعت نے حکم دیا کہ جس برتن میں کتا منہ ڈال جائے، اسے سات مرتبہ دھونا چاہیے، اس سے برتن مکمل طور پر نجاست اور گندگی سے پاک ہو جاتا ہے۔

جدید تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ کتے کی اس گندگی کو دور کرنے کے لیے جو پاکیزگی مٹی سے حاصل ہوتی ہے، وہ کسی اور چیز سے حاصل نہیں ہوتی۔ اگر اس بات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم ایک عظیم معجزہ ہے اور اس سے اسلامی شریعت کی عظمت واضح ہوتی ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث [420]

یہ حکم رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے صادر نہیں فرمایا تھا، بلکہ یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ تھا۔ بعض علما نے اس حکم کی بڑی حکمتیں بیان کی ہیں، لیکن دوسرے بعض علما کا خیال ہے کہ یہ امر تعبدی ہے، اس میں کسی حکمت کو تلاش نہیں کرنا چاہیے۔ جدید طب نے ثابت کر دیا ہے کہ کتے کے لعاب میں ایسے جراثیم ہوتے ہیں، جنھیں صرف پانی سے صاف نہیں کیا جا سکتا۔

سبحان اللہ! اس میں یقین کرنے والوں کے لیے خوشخبری ہے اور انکار کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

فوائد:

① اس حدیث میں کتے کے نجس ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ پاکیزگی ہمیشہ نجس اور گندی چیز سے اختیار کی جاتی ہے۔

② اگر برتن کو گندا پانی لگ جائے تو اسے صاف کرنا واجب ہے۔

③ اس حدیث میں کتے کی خرید و فروخت کی حرمت کی دلیل ہے، کیونکہ جو چیز بذات خود حرام ہوتی ہے، اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہو جاتی ہے، البتہ بعض علما نے پہرے اور شکار وغیرہ کے لیے کتے کی خرید و فروخت کو حلال قرار دیا ہے۔

④ نبی مکرم ﷺ کا معجزہ کہ آپ ﷺ نے چودہ سو سال قبل اس چیز کی خبر دے دی تھی، جسے آج ہماری تحقیق نے دریافت کیا کہ کتے کے منہ میں بعض ایسے جراثیم ہوتے ہیں، جن کا خاتمہ ایسے کیمیکلز سے ہوتا ہے، جو صرف مٹی میں پائے جاتے ہیں۔

69- مکھی کے ایک پہلو میں بیماری اور دوسرے میں شفا ہے

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهُ ثُمَّ لِيَطْرَحْهُ، فَإِنَّ فِي أَحَدِ جَنَاحَيْهِ شِفَاءً وَ فِي الْآخَرِ دَاءً »[1]

''جب تم میں سے کسی ایک کے برتن میں مکھی گر جائے تو وہ اسے مکمل ڈبوئے، پھر اسے باہر نکال دے، کیوں کہ اس کے ایک پَر میں شفا ہوتی ہے اور دوسرے میں بیماری ہوتی ہے۔''

تشریح:

طبِ جدید کی آخری تحقیق یہ ہے کہ مکھی ایک ایسے عامل اور محرک کو اٹھائے ہوتی ہے جو جراثیم کی ضد ہے۔ یقیناً جدید حیاتیاتی فنی تجربات نے یہ ثابت کیا ہے کہ جہاں مکھی بہت سی بیماریوں کا سبب بننے والے جراثیم اٹھائے ہوتی ہے، وہاں وہ ایسے عوامل بھی اٹھائے ہوتی ہے جو ان جراثیم کی ضد ہیں۔ ان کا حجم اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ ان کی لمبائی بیس سے پچیس میل میکرون ہوتی ہے۔ بیسویں صدی کے اوائل میں ایک محقق استاد دریل اپنے ماہرینِ علم اور

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5336]

ڈاکٹرز ساتھیوں کے ساتھ مل کر ہندوستان میں ہیضے کی وباؤں کے پھوٹنے کے اسباب جاننے کے لیے، ان کے ختم ہونے کے ذرائع جاننے اور ان کے بچنے اور ان کو پھیلنے سے روکنے کے طریقے معلوم کرنے کے لیے کئی ایک طویل تحقیقات کرتا رہا۔ آخر پر انھوں نے یہ ثابت کیا کہ باکتر یوفاج، جسے مکھی اٹھائے ہوتی ہے، یہ وہ واحد عامل ہے، جو ہیضے کی وباں پر قابو پا سکتا ہے اور یہ اس مرض کی وجہ سے نحیف و کمزور ہونے والے لوگوں کے پاخانے میں پایا جاتا ہے۔ مکھی پاخانے سے ان کو اٹھا کر پینے کے پانی والے کنوؤں اور ٹینکیوں میں منتقل کر دیتی ہیں، پس جب اس مرض کے متاثرین اسے پیتے ہیں تو انھیں شفا مل جاتی ہے، پھر استاد دریل کے لیے یہ ممکن ہوا کہ وہ مکھی کے جسم سے بہت سے باکتر یوفاج حاصل کر کے ان کی افزایش کر سکے۔ وہ مریض کو پانی کے ساتھ اس کے چند گھونٹ پینے کا کہتا تو وہ مریض دو دن کے اندر اندر شفایاب ہو جاتا۔

یہی تجربات برازیل میں پیچش کے مرض پر کامیاب رہے۔ مریض کو شفایاب ہونے کے لیے ایک دن سے زیادہ کی مدت درکار نہیں ہوئی تھی۔ اسی طرح اٹالین ڈاکٹرز نے مکھی کے جسم سے باکتر یوفاج حاصل کر کے ٹائفائڈ بخار کے بخار میں استعمال کیا تو اس کے اچھے نتائج برآمد ہوئے۔

نبی اکرم ﷺ کا اس بیماری کے عامل کی خبر دینا، جسے مکھی اٹھائے ہوتی ہے اور ایسے ہی شفا کے عامل کی خبر دینا، باوجود اس کے کہ آنکھ اس طرح کی کوئی چیز نہیں دیکھتی، اس وقت جراثیم کے علم کا بھی وجود نہ تھا اور نہ میکروسکوپ موجود تھا، ایک عظیم معجزہ ہے اور آپ ﷺ کی نبوت کے سچے ہونے پر ایک قطعی دلیل ہے۔

فوائد:

1. آپ ﷺ کی نبوت کے سچا ہونے پر ایک عظیم معجزے اور قطعی دلیل کا بیان۔
2. آپ ﷺ نے جس چیز کے بارے میں (تقریباً چودہ سو سال پہلے) خبر دی، جدید علم نے بھی اسے ہی سچ ثابت کیا۔
3. امراض اور میکروبات کو منتقل کرنے میں مکھی کا گھومنا ایک بڑا سبب ہے۔

70- مدینے میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہوں گے

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عَلٰی أَنْقَابِ الْمَدِیْنَةِ مَلَائِکَةٌ لَا یَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ»[1]

"مدینے کے داخلی راستوں پر فرشتے بٹھا دیے گئے ہیں، اس لیے مدینے میں طاعون (کی وبا) اور دجال داخل نہیں ہو سکتے۔"

تشریح:

مدینے کے فضائل و مناقب میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے اس کے داخلی راستوں پر فرشتوں کا پہرہ لگایا گیا ہے، تاکہ طاعون کی وبا اور دجال کے دونوں مدینے میں داخل نہ ہوسکیں، دونوں چیزوں کا داخلہ مدینے میں حرام کر دیا گیا ہے۔ دجال داخل ہونے کی کوشش ضرور کرے گا، لیکن ناکام ہو گا، اللہ کے فرشتے تلواروں کے ساتھ اس کا مقابلہ کریں گے اور اسے واپس دھکیل دیں گے، بالآخر وہ ناکام ہو کر واپس اپنے کافر اور منافق ساتھیوں سے جا ملے گا۔

فوائد:

1. آپ ﷺ نے جو بات ارشاد فرمائی تھی، وہ سچ ثابت ہوئی، چنانچہ اب تک مدینے میں طاعون کی بیماری نہیں آئی، اسی طرح دجال بھی مدینے میں داخل نہیں ہو سکے گا۔
2. اس حدیث میں مدینہ منورہ کی مقدس سرزمین کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [1747] صحیح مسلم، رقم الحدیث [2449]

71- صحابہ اور تابعین کا جنگ میں شریک ہونا اور فتح پانا

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«يَأْتِي زَمَانٌ يَغْزُو فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ فَيُقَالُ: فِيكُمْ مَنْ صَحِبَ النَّبِيَّ ﷺ؟ فَيُقَالُ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ عَلَيْهِ، ثُمَّ يَأْتِي زَمَانٌ فَيُقَالُ: فِيكُمْ مَنْ صَحِبَ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ؟ فَيُقَالُ: نَعَمْ فَيُفْتَحُ، ثُمَّ يَأْتِي زَمَانٌ فَيُقَالُ: فِيكُمْ مَنْ صَحِبَ صَاحِبَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ؟ فَيُقَالُ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ» [1]

"ایک ایسا وقت آئے گا کہ لوگوں کی ایک جماعت جہاد کے لیے جائے گی، اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہا ہو؟ جواب دیا جائے گا: ہاں، چنانچہ اس کی وجہ سے اس جماعت کو فتح نصیب ہوگی۔ پھر ایک ایسا وقت آئے گا، جب پوچھا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے، جو نبی مکرم ﷺ کے صحابہ کے ساتھ رہا ہو (یعنی تابعی ہو) جواب دیا جائے گا: ہاں، چنانچہ اس کی وجہ سے فتح نصیب ہوگی، پھر ایک ایسا وقت آئے گا جب پوچھا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کے شاگردوں کے ساتھ رہا ہو (یعنی تبع تابعی ہو) جواب دیا جائے گا: ہاں، چنانچہ اس کی وجہ سے فتح نصیب ہوگی۔"

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [2682] صحیح مسلم، رقم الحدیث [4597]

تشریح:

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ایک معجزہ اور صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ ان میں سے جہاد کے لیے ایک لشکر تیار کیا جائے گا، پھر پوچھا جائے گا کہ دیکھو کیا تم میں کوئی ایسا آدمی بھی موجود ہے جو رسول اللہ ﷺ کا صحابی ہو؟ چنانچہ اس پورے لشکر میں صرف ایک ایسا آدمی ملے گا، جو صحابی ہو گا اور اس کی برکت کی وجہ سے اس لشکر کو فتح نصیب ہو گی۔

پھر دوبارہ ایسا وقت آئے گا کہ جہاد کے لیے ایک لشکر تیار کیا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ کیا تم میں کوئی ایسا آدمی موجود ہے جو تابعی ہو؟ جس نے اصحاب رسول ﷺ کے ساتھ زندگی گزاری ہو؟ چنانچہ اس لشکر میں سے اس معیار پر پورا اترنے والا صرف ایک آدمی ملے گا اور اس کی برکت کی وجہ سے اس لشکر کو فتح نصیب ہو گی۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تیسری دفعہ پھر ایسا وقت آئے گا، جب جہاد کے لیے ایک لشکر تیار کیا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ دیکھو کیا تم میں کوئی ایسا آدمی موجود ہے جو صحابہ کرام کے ساتھیوں یا شاگردوں کے ساتھ رہا ہو، یعنی تبع تابعی ہو، اس دفعہ بھی صرف ایک ایسا آدمی ملے گا اور اس کی برکت کی وجہ سے اس لشکر کو فتح حاصل ہو گی۔

یعنی تین زمانوں تک اچھے لوگ کثرت کے ساتھ مل جائیں گے، گمراہ، بدترین اور فسادی لوگ ان زمانوں میں بہت کم ہوں گے، لیکن چوتھے زمانے میں اچھے لوگ شاذ و نادر ہی نظر آئیں گے۔

صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ النَّاسِ الْقَرْنُ الَّذِي أَنَا فِيهِ، ثُمَّ الثَّانِي، ثُمَّ الثَّالِثُ»

"میرے زمانے کے لوگ بہترین ہیں، پھر دوسرے زمانے کے لوگ بہترین ہیں، اس کے بعد تیسرے زمانے کے لوگ بہترین ہوں گے۔"

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ صحابہ کرام پھر تابعین اور اس کے بعد تبع تابعین درجہ بہ درجہ یہ تینوں لوگ افضل ہیں۔

"اَلْقَرْن" سے مراد:

ہر زمانے کے لوگ ایک قرن کہلاتے ہیں اور زمانے کی مقدار کا کوئی تعین نہیں، بلکہ مورخین اور ہیئت دان ہر زمانے کے اعتبار سے جو مقدار متعین کر دیں وہی معتبر ہوگی۔ البتہ "القرن" کے بارے میں مندرجہ ذیل کچھ اور بھی اقوال ہیں، مثلاً:

① چالیس سال کا عرصہ قرن کہلاتا ہے۔

② اسی سال کا عرصہ قرن کہلاتا ہے۔

③ مطلق طور پر ایک زمانہ ایک قرن کہلاتا ہے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ قرن کو کسی مدت کے ساتھ خاص نہیں کرنا چاہیے۔

صحابہ کرام کے زمانے کی مدت تقریباً 110 ہجری تک ہے، کیونکہ آخری صحابی کی وفات 110 ہجری میں ملتی ہے۔ تابعین کے زمانے کی مدت 100 ہجری سے 170 ہجری تک ہے اور تبع تابعین کے زمانے کی مدت 220 ہجری تک ہے۔

اس کے بعد بدعتی، معتزلہ اور فلسفیوں کا ظہور ہوا، جنھوں نے دین میں رخنہ ڈالا، بدعات ایجاد کیں اور مسلم علما کو آزمائش سے دوچار کیا، اس زمانے

میں حالات بہت شدت اختیار کر گئے، قرآن مجید کو مخلوق کہا جانے والا فتنہ عروج اختیار کر گیا، پھر یہ فتنے مسلسل جاری رہے اور آج تک جاری ہیں۔[1]

فوائد:

① نبی اکرم ﷺ نے صحابہ و تابعین کے زمانوں کی جس طرح خبر دی، وہ اسی طرح واقع ہوئی۔

② صحابہ اور تابعین کی فضیلت۔

③ صوفیہ کے اس قول کا رد ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو آپ ﷺ کی صورت میں کسی نے دیکھا نہیں تھا۔

① مرقاۃ المفاتیح [305/17]

72- رسول اللہ ﷺ نے خواب میں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کی قتل گاہ دیکھی

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مسیلمہ کذاب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مدینہ منورہ آیا اور کہنے لگا کہ اگر محمد ﷺ اپنے بعد اپنی خلافت مجھے دے دیں تو میں ان کی پیروی کرتا ہوں۔ مسیلمہ اپنے ساتھ اپنی قوم کے بہت سے لوگ بھی لے کر آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس آئے اور آپ ﷺ کے ساتھ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں لکڑی کا ایک ٹکڑا تھا۔ آپ ﷺ مسیلمہ کے لوگوں کے پاس ٹھہرے اور فرمایا:

«لَوْ سَأَلْتَنِي هَذِهِ الْقِطْعَةَ مَا أَعْطَيْتُكَهَا، وَلَنْ تَعْدُوَ أَمْرَ اللّٰهِ فِيْكَ، وَلَئِنْ أَدْبَرْتَ لَيَعْقِرَنَّكَ اللّٰهُ، وَإِنِّي لَأَرَاكَ الَّذِيْ أُرِيْتُ فِيْكَ مَا رَأَيْتُ، فَأَخْبَرَنِي أَبُوْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ فِيْ يَدَيَّ سِوَارَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ فَأَهَمَّنِي شَأْنُهُمَا، فَأُوْحِيَ إِلَيَّ فِى الْمَنَامِ أَنِ انْفُخْهُمَا فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا، فَأَوَّلْتُهُمَا كَذَّابَيْنِ يَخْرُجَانِ بَعْدِيْ، فَكَانَ أَحَدُهُمَا الْعَنْسِيَّ وَالْآخَرُ مُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابَ صَاحِبَ الْيَمَامَةِ» [1]

”مسیلمہ! اگر تو مجھ سے یہ لکڑی کا ٹکڑا مانگے تو میں تجھے یہ بھی نہ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3351] صحيح مسلم، رقم الحديث [4218]

دوں گا اور میں تیرے بارے میں اللہ کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کروں گا اور اگر تو واپس پلٹ گیا تو ضرور اللہ تجھے ہلاک کر دے گا اور بے شک میں تیرے بارے میں وہی جانتا ہوں جو مجھے خواب میں دکھایا گیا ہے (ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں) مجھے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں سو رہا تھا، میں نے (خواب میں) اپنے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن دیکھے، وہ مجھے برے محسوس ہوئے، پھر مجھے خواب ہی میں حکم دیا گیا کہ ان کو پھونک مارو، میں نے پھونک ماری تو وہ دونوں اڑ گئے، میں نے ان کی تعبیر یہ کی کہ وہ دونوں جھوٹے ہیں، جو میرے بعد نکلیں گے، ان میں سے ایک عنسی ہے اور دوسرا مسیلمہ کذاب یمن والا ہے۔

تشریح:

«قَدِمَ مُسَيْلَمَةُ الْكَذَّابُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ» مسیلمہ کذاب 9 ہجری میں رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ منورہ آیا تھا۔ یہ سال عام الوفود کے نام سے مشہور ہوا۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”مسیلمہ بن حبیب بنو حنیفہ کے وفد میں شامل ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تھا۔“

ابن ہشام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس کا نام مسیلمہ بن ثمامہ اور کنیت ابو ثمامہ تھی اور اسے یمامہ کا رحمٰن بھی کہا جاتا تھا۔“

یہ پہلا شخص تھا جو بوتل میں انڈہ داخل کرتا تھا، اسی طرح یہ پرندے کے

پَر کاٹ کر پھر ان کو جوڑتا تھا اور اس کا دعویٰ تھا کہ پہاڑ سے ایک اونٹنی اس کے پاس آتی ہے، جس کا وہ دودھ دھوتا ہے۔

واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بنو حنیفہ کا وفد دس سے کچھ زائد افراد پر مشتمل تھا، ان کا امیر سلمہ بن حنظلہ تھا اور اس وفد میں طلق بن علی، علی بن سنان اور مسیلمہ بن حبیب کذاب وغیرہ شامل تھے۔ یہ لوگ رملہ بنت حارث کے گھر میں ٹھہرے، ان کی بہت زیادہ ضیافت کی جاتی تھی، انھیں رات کے کھانے میں ایک دفعہ روٹی اور گوشت، ایک دفعہ روٹی اور دودھ، ایک دفعہ روٹی اور مکھن اور ایک دفعہ کھجوریں ان کے سامنے بکھیر دی جاتی تھیں۔''

جب یہ لوگ اسلام قبول کرنے کی غرض سے مسجد میں داخل ہوئے تو انھوں نے مسیلمہ کو پیچھے اپنی سواریوں کے پاس چھوڑ دیا، جب واپس آنے لگے تو آپ ﷺ نے ان کو پانچ اوقیہ چاندی بطور انعام دی اور حکم دیا کہ مسیلمہ کو اس سے برابر کا حصہ دینا، انھوں نے کہا: وہ ہماری سواریوں کے پاس ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: یعنی وہ تمھارے ساتھ شریک نہیں ہے، انھوں نے واپس آکر مسیلمہ کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمھارے بارے میں یہ یہ کہا ہے، اس نے جواب دیا: آپ ﷺ نے میرے بارے میں یہ بات اس لیے کہی ہے کیونکہ آپ ﷺ جان چکے ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد خلافت میرے پاس ہوگی، مسیلمہ اس کے بعد اپنی اسی بات پر ڈٹ گیا، یہاں تک کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب یہ لوگ واپس یمامہ پہنچے تو اللہ کا یہ دشمن مرتد ہوگیا اور اس نے اعلان کیا کہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نبوت

میں شریک ہوں، پھر اس نے قرآن مجید کے مقابلے میں کچھ مزاحیہ کلام بھی ترتیب دیا تھا۔ بنو حنیفہ کے لوگ اس کی حرکتوں سے تنگ آ کر چیخ پڑے تھے، پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس کو قتل کر دیا گیا، سیدنا حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی نے اس کو قتل کیا تھا۔ جب یہ قتل ہوا اس وقت اس کی عمر 150 برس تھی۔

« فَأَقْبَلَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ » رسول اللہ ﷺ ان کی تالیفِ قلب کے لیے ان کے پاس چل کر آئے تھے، آپ ﷺ کو امید تھی کہ یہ لوگ اسلام قبول کر لیں گے اور آپ ﷺ ان کو اسلامی شریعت کا درس دیں گے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ بھی احتمال ہے کہ یہ وفد مسیلمہ کی خواہش پر مدینے آیا ہو، کیونکہ اس وقت یہ مسلمان تھا اور اس کے بعد اس نے کفر کا اظہار کیا تھا۔“

« وَمَعَهُ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ » ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے خطیب تھے، جو آپ ﷺ کی طرف سے وفود کے ساتھ گفتگو کرتے تھے۔

« لَنْ تَعْدُوَ أَمْرَ اللّٰهِ فِيكَ » یعنی تو اپنی نبوت والی امید میں ناکام رہے گا اور بغیر کسی بادشاہت کے تو ہلاک ہو جائے گا یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ تو اپنے ارادوں میں ناکام ہی رہے گا۔

« وَلَئِنْ أَدْبَرْتَ » یعنی اگر تو نے میری اطاعت سے منہ موڑا تو اللہ تعالیٰ تجھے قتل کر دے گا، چنانچہ جنگِ یمامہ کے دن اللہ تعالیٰ نے اسے قتل کر دیا۔

« وَإِنِّي لَأُرَاكَ » یعنی میرا خیال ہے کہ میں نے خواب میں جس شخص کے

بارے میں جو کچھ دیکھا ہے، وہ سب تیرے اوپر صادق آئے گا۔

«فَأَخْبَرَنِي أَبُوهُرَيْرَةَ» یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی۔

«سِوَارَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ» ''سوار'' اس کنگن کو کہتے ہیں، جو سونے سے بنایا گیا ہو، البتہ چاندی سے بنائے گئے کنگن کو قلب کہتے ہیں۔

«فَأَهَمَّنِي شَأْنُهَا» یعنی ان دونوں کے معاملے نے مجھے غمگین کر دیا۔

«أَنْ أَنْفُخُهُمَا» یعنی میں دونوں کنگنوں کو پھونک ماروں، چنانچہ آپ ﷺ نے پھونک ماری۔

پھونک والے حکم کا معنی:

وہ دونوں کنگن آپ ﷺ کی پھونک سے ہلاک ہو گئے، یعنی اسود اور مسیلمہ دونوں ہلاک ہو گئے، ان الفاظ سے دونوں کی بادشاہت کی طرف اشارہ تھا کہ ان کی بادشاہت ختم ہو جائے گی۔

«فَأَوَّلْتُهُمَا» یعنی دونوں کنگنوں کی تاویل کی۔

«يَخْرُجَانِ بَعْدِي» امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یعنی دونوں میرے بعد ظاہر ہوں گے، اپنی طاقت، قوت اور جنگی مہارت کا مظاہرہ کریں گے اور نبوت کا دعویٰ کریں گے، حالانکہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجود تھے اور آپ ﷺ کی موجودگی میں ان کو اس دعوے کے ساتھ ظاہر ہونے کی ہمت نہ ہوئی۔

«فَكَانَ أَحَدُهُمَا» یعنی دونوں کنگنوں میں ایک کنگن۔

«الْعَنْسِيَّ» اس لفظ کی نسبت اسود الصنعانی کی طرف ہے، جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کا نام عبلۃ بن کعب تھا اور اسے

ذوالخمار بھی کہا جاتا تھا، کیونکہ اس کا خیال تھا کہ ایک چادر والا اس کے پاس آتا ہے، اسے فیروز الدیلی نامی ایک صحابی نے صنعا میں قتل کیا تھا، وہ صحابی اس کے پاس گئے اور اس کی گردن اتاری اور یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے قبل بیماری کے ایام میں پیش آیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع دی، وہ صحابی اسود عنسی کا سر بھی آپ ﷺ کے پاس لائے تھے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں قتل ہوا تھا۔

« وَالْآخَرُ مُسَيْلَمَةَ الْكَذَّابَ » یعنی دوسرے کنگن سے مراد مسیلمہ کذاب ہے۔

« اَلْيَمَامَةُ » یہ یمن کا ایک شہر ہے، جو مکہ سے چار مرحلوں اور طائف سے دو مرحلوں کے فاصلے پر واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا نام زرقا نامی ایک لونڈی کے نام پر رکھا گیا، جو مسافر کو تین دن کی مسافت سے دیکھ لیتی تھی۔

اس کی طرف کثرت کے ساتھ نسبت کی جانے کی وجہ سے اس کا نام یمامہ پڑ گیا۔[1]

فوائد:

1. اس حدیث سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے دونوں کنگنوں کو پھونک مار کر ابتدا کی تھی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی پھونک کے ساتھ مسیلمہ کو ختم کیا تھا۔
2. عالم اپنی نمایندگی کے لیے کوئی آدمی مقرر کر سکتا ہے، جو اس کی طرف سے بات کرے اور جواب دے۔
3. امام کو چاہیے کہ اہلِ علم میں سے کسی ایسے آدمی کو اپنے ساتھ رکھے، جو

[1] عمدة القاري [192/24]

بروقت معترضین سے بات کر سکے۔

④ امام کو ایسے آدمی کے پاس چل کر جانا چاہیے اور اسے دعوت دینی چاہیے، جو کفر سے ملنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

⑤ سفیر کو قتل نہیں کرنا چاہیے، اگرچہ وہ مرتد ہی کیوں نہ ہو چکا ہو۔

⑥ ایسے لوگوں کے ساتھ مذاکرات کرنا اور کوئی معاہدہ کرنا جائز ہے، جو ہتھیار اور جنگی آلات رکھتے ہوں۔

73- رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ بخار مدینے سے جحفہ منتقل ہو گیا ہے

سیدنا سالم بن عبداللہ اپنے والد (عبداللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«رَأَيْتُ كَأَنَّ امْرَأَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِينَةِ حَتَّى قَامَتْ بِمَهْيَعَةَ، وَهِيَ الْجُحْفَةُ، فَأَوَّلْتُ أَنَّ وَبَاءَ الْمَدِينَةِ نُقِلَ إِلَيْهَا»[1]

''میں نے دیکھا کہ جیسے ایک سیاہ اور پراگندہ بالوں والی عورت مدینے سے نکلی اور مہیعہ پہنچ کر کھڑی ہوئی۔ مہیعہ جحفہ کو کہتے ہیں۔ میں نے اس کی یہ تعبیر لی کہ مدینے کی وبا جحفہ میں چلی گئی ہے۔''

تشریح:

نبی کریم ﷺ نے خواب میں مدینے کی وبا کو ایک سیاہ، پراگندہ بالوں اور غبار آلود عورت کی صورت میں دیکھا جو مدینے سے نکلی اور جحفہ پہنچ کر ٹھہر گئی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ»

''اے اللہ مدینے کو ہماری طرف محبوب بنا دے۔''

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [6516]

دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

«وَانْقُلْ حَمَاهَا إِلَى الْجُحْفَةِ»

''اور اس (مدینے) کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل کر دے۔''

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ہم ہجرت کر کے مدینہ آئے تو اس وقت یہاں پر ایک وبا تھی۔

«فَأَوَّلْتُ أَنَّ وَبَاءَ الْمَدِينَةِ نُقِلَ إِلَيْهَا» امام مہلب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ خواب اس قسم کا تھا کہ اس کی تعبیر کی جا سکتی تھی اور اسے ایک مثال کے طور پر بیان کیا گیا۔ وجہ تمثیل یہ ہے کہ ''السوداء'' سے سوء'' (برا) اور ''داء'' (بیماری) کو نکالا گیا ہے اور اس نام میں جو چیزیں جمع ہیں، ان کے ساتھ اس خواب کی تعبیر کی گئی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے اس عورت کے بالوں کی پراگندی کی تعبیر اس طرح کی ہے کہ وہ جو شر کو پھیلانے والی چیز تھی، وہ مدینے سے نکل گئی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بالوں کا بکھرتے کا معنی: وحشت زدہ ہونا ہے۔ اس لیے جس سے دل وحشت زدہ ہوتے ہیں، اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وحشت زدہ ہونے سے ان کی مراد یہ ہے کہ اس کو دیکھنا وحشت زدہ کرنا ہے۔ ورنہ تو اقشعرار کا بالوں کے سمٹنے اور سکڑنے کے معنی میں اور ہر وہ چیز جو اپنی ہیئت سے تبدیل ہو جائے، اس کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے، وہ یوں بدل گیا، جیسے زمین پیاس کی وجہ سے بنجر ہوگئی۔

قیروانی معبر نے کہا ہے:

''ہر وہ چیز جس کے اکثر حصے بالوں پر سیاہی چھا جائے، وہ مکروہ ہوتی ہے۔''

اس کے علاوہ دیگر اہلِ علم کا کہنا ہے:

''بالوں کا بکھرنا بخار کی طرف مائل ہے، کیوں کہ وہ بخار ہی ہے،
جس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور سر کے کالے بال جب
کھڑے ہوتے ہیں تو یہ اور زیادہ وحشت پیدا کرتے ہیں۔''

مہلب نے کہا ہے کہ یہ خواب اپنے اصل مفہوم میں نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ضرب المثل ہے۔ بعض معبرین اس کی وجہ تمثیل سے ناواقف ہیں۔ پس نبی کریم ﷺ نے اس کی تعبیر ایک مشخص اور محسوس چیز کے نکل جانے کے ساتھ کی ہے۔

اس طرح بخار کے مدینے سے نکل کر جحفہ میں چلے جانے میں بھی اختلاف کیا گیا ہے، چناں چہ کہا گیا ہے کہ اہلِ جحفہ کے لوگوں پر زیادتی کرتے اور انھیں تنگ کرنے کی وجہ سے مدینے کا بخار وہاں منتقل کر دیا گیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جحفہ کے باسی بہت کم ہیں۔ گویا اس طرح زیادہ لوگوں کو اس بخار سے چھٹکارا عطا کر کے تھوڑے لوگوں کو اس میں مبتلا کر دیا گیا۔ رہا بالوں کا بکھرنا اور پراگندہ ہونا تو اس کی تعبیر اس طرح کی گئی کہ چونکہ بخار سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اسی لیے خواب میں بالوں کا بکھرا ہوا ہونا دکھایا گیا۔

گویا کہا گیا کہ وہ بیماری جو رونگٹے کھڑے کرتی ہے، وہ مدینے سے نکل جائے گی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''اقشعرار'' کا معنی ہے: وحشت زدہ ہونا، اس طرح بخار سے بھی دل ڈرتے اور وحشت زدہ ہوتے ہیں۔

علی بن ابی العابر نے کہا ہے:

''جس پر سیاہی کا غلبہ ہو، وہ چیز ناپسندیدہ ہوتی ہے، کبھی یہ سیاہی حرام دنیا اور حرام بیوی پر چھا جاتی ہے، تو جس نے خواب میں اس سے وطی کی تو گویا وہ ایک ایسے کام میں ملوث ہوا جو اس کے لائق

نہیں تھا۔ اب یا تو وہ حرام کھائے گا یا حرام پیے گا یا وہ حرام لباس پہنے گا یا غصب شدہ گھر میں سکونت اختیار کرے گا۔

فوائد:

① رسول اللہ ﷺ کی کرامت کہ اللہ تعالیٰ نے مدینے کو برکت والا بنا دیا اور آپ ﷺ کی عزت افزائی کے لیے وہاں سے بخار کو نکال دیا۔

② نبی مکرم ﷺ نے جو کہا، سو ہی ہوا اور یہ چیز آپ ﷺ کے معجزات کا حصہ ہے۔

③ مدینہ منورہ کی فضیلت کا بیان۔

74- مدینہ کی طرف ہجرت کا خواب

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

«رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أُهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ إِلَى أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ فَذَهَبَ وَهَلِي إِلَى أَنَّهَا الْيَمَامَةُ أَوْ هَجَرُ، فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ، وَرَأَيْتُ فِي رُؤْيَايَ هَذِهِ أَنِّي هَزَزْتُ سَيْفاً فَانْقَطَعَ صَدْرُهُ فَإِذَا هُوَ مَا أُصِيبَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ أُحُدٍ، ثُمَّ هَزَزْتُهُ بِأُخْرَى فَعَادَ أَحْسَنَ مَا كَانَ فَإِذَا هُوَ مَا جَاءَ اللّٰهُ بِهِ مِنَ الْفَتْحِ وَاجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِينَ، وَرَأَيْتُ فِيهَا بَقَراً، وَاللّٰهُ خَيْرٌ فَإِذَا هُمُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ أُحُدٍ، وَإِذَا الْخَيْرُ مَا جَاءَ اللّٰهُ بِهِ مِنَ الْخَيْرِ وَثَوَابِ الصِّدْقِ الَّذِي آتَانَا اللّٰهُ بَعْدَ يَوْمِ بَدْرٍ»[1]

"میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکے سے ایک ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں، جہاں کھجور کے باغات ہیں، چنانچہ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ مقام یمامہ یا ہجر ہوگا، لیکن وہ شہر یثرب ہے اور اسی خواب میں میں نے دیکھا کہ میں نے تلوار کو حرکت دی تو وہ درمیان سے ٹوٹ گئی، یہ اس مصیبت کی طرف اشارہ تھا جس کا سامنا مسلمانوں کو جنگِ احد میں کرنا پڑا تھا، پھر میں نے دوسری مرتبہ اسے (تلوار کو) حرکت دی تو وہ پہلے سے اچھی ہوگئی، یہ اس واقعہ کی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3352] صحيح مسلم، رقم الحديث [4217]

طرف اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے (مکہ پر) فتح دی اور مسلمانوں کو جمع کر دیا اور میں نے اسی خواب میں گائیں دیکھیں اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر بہتر ہے، ان گایوں سے ان مسلمانوں کی طرف اشارہ تھا جو احد کی لڑائی میں شہید کیے گئے اور خیر و بھلائی وہ تھی جو ہمیں اللہ تعالیٰ نے سچائی کا بدلہ بدر کے بعد عطا فرمایا تھا۔‘‘

تشریح:

«أُرَاهُ» ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ یعنی میں نے اسے خیال کیا۔

«وَهْلِي» یعنی میرا گمان اور اعتقاد۔

«أَوِ الْهَجَرُ» یہ یمن کے ایک شہر کا نام ہے اور یہ بحرین کا صدر مقام تھا، اس کے اور بحرین کے درمیان دس مرحلے تھے۔

«فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ» اس سے کھجوروں والا شہر یثرب مراد ہے۔

جن روایات میں یثرب کہنے کی ممانعت آئی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نہی تنزیہی ہے اور دونوں طرح کی روایات میں تطبیق کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جو شخص مدینہ منورہ کے نام سے واقف نہ ہو اس کے لیے ’’یثرب‘‘ نام پکارا جا سکتا ہے۔

توضیح میں ہے کہ مدینے کو یثرب کہنے سے منع کر دیا گیا ہے، اگر کوئی عالم یثرب کہہ کر پکارے گا تو یہ اس کی غلطی لکھی جائے گی، اس نام کی ممانعت کی وجہ اس میں پایا جانے والا ’’ڈانٹ‘‘ کا معنی و مفہوم ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے برے ناموں کو اچھے ناموں کے ساتھ بدل دیا تھا، لہٰذا ممکن ہے کہ یہ بات آپ ﷺ نے ممانعت سے پہلے ارشاد فرمائی ہو، جیسا کہ قرآن مجید میں بھی بعض مقامات پر یہی نام لیا گیا ہے۔

«اَلْفَتْحُ» فتح سے مراد فتح مکہ ہے یا مجازاً اس سے مومنوں کا اجتماع اور

ان کی اصلاح مراد ہے۔

«بَقَراً» امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں:

«رَأَيْتُ بَقَراً تُنْحَرُ» ''میں نے گائے کو ذبح ہوتے دیکھا۔''

تو اس سے معنی و مفہوم واضح ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد جنگِ احد میں صحابہ کرام کا شہید ہونا ہے۔

«وَاللّٰهُ خَيْرٌ» قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اس سے مراد یہ ہے کہ شہدا کو اللہ تعالیٰ کی طرف ملنے والا اجر و ثواب بہتر ہے۔''

«وَثَوَابُ الصِّدْقِ» اس میں جنگِ احد کے بعد کے ثواب اور خیر کی طرف اشارہ ہے۔

«بَعْدَ يَوْمِ بَدْرٍ» یعنی جنگ بدر کے بعد ان کو جو ثابت قدمی میسر آئی تھی اور دلوں کی گھبراہٹ دور ہوئی تھی، وہ مراد ہے اور دیہاتی لوگوں میں ان کا رعب بیٹھ گیا تھا، جب انھوں نے کہا تھا:

﴿ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴾ [آل عمران: 173]

''ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے۔''

فوائد:

1. ہجرت کی صورت میں نبی اکرم ﷺ کا یہ خواب سچ ثابت ہوا۔
2. مدینہ منورہ کی فضیلت کا بیان۔
3. اللہ کی راہ میں شہادت کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔
4. کسی کو اچھے خواب آنا عمدہ صفت ہے۔

75- مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے:

«لَا تُوَاصِلُوا، فَأَيُّكُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُوَاصِلَ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ، قَالُوا: فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ، إِنِّي أَبِيتُ لِي مُطْعِمٌ يُطْعِمُنِي وَسَاقٍ يَسْقِينِي»[1]

"مسلسل روزے نہ رکھو، پس تم میں سے جو کوئی ایسا کرنا چاہے تو وہ سحری کے وقت تک ایسا کر سکتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! آپ تو ایسا کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمھاری طرح نہیں ہوں، میں رات اس طرح گزارتا ہوں کہ ایک کھلانے والا مجھے کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا مجھے پلاتا ہے۔"

تشریح:

مسلسل روزے رکھنے سے مراد یعنی بغیر سحری و افطاری روزے رکھنا۔ رسول اللہ ﷺ مسلسل اور متواتر روزے رکھتے تھے، یعنی دن کے ساتھ رات اور رات کے ساتھ دن میں بھی آپ ﷺ روزے کی حالت میں رہتے تھے۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1827]

آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو دیکھا کہ وہ بھی ایسے ہی کر رہے ہیں، یعنی کوئی چوبیس گھنٹے کا روزہ رکھ رہا ہے، کوئی اڑتالیس گھنٹوں سے روزے کی حالت میں ہے، اس سے صحابہ کرام کمزور ہونے لگے اور مزید تسلسل کے ساتھ روزے رکھنا ان کے لیے مشکل ہونے لگا تو آپ ﷺ نے ان کو اس طرح روزے رکھنے سے منع کر دیا۔

یعنی مجھے اللہ نے اتنی طاقت اور قدرت دی ہے کہ میرے لیے تواتر کے ساتھ روزے رکھنا ممکن ہے، لیکن تمھارے لیے اس طرح روزے رکھنا ممکن نہیں، لہٰذا تم نہ رکھا کرو۔

اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ میری حالت اور میری صفات تمھارے جیسی نہیں ہیں، کیونکہ تم میں سے جب کوئی شخص کھاتا یا پیتا ہے تو اس کا وصال (تواتر) ٹوٹ جاتا ہے، لیکن میرا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

مجھے رات کے وقت میرا اللہ کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اگر اس جملے کو حقیقت پر محمول کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ ﷺ کی ایک کرامت اور خصوصیت تھی اور اللہ تعالیٰ کے قرب کی ایک خاص نشانی تھی، اسی طرح ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ عبادت وغیرہ میں اس طرح مشغول ہو جاتے تھے کہ آپ ﷺ کو بھوک اور پیاس کا احساس تک نہیں رہتا تھا اور نہ آپ ﷺ کے اعضا ڈھیلے پڑتے تھے۔[1]

فوائد:

① نبی مکرم ﷺ کی اپنی امت کے ساتھ شفقت بیان ہوئی ہے۔

[1] عمدة القاري [25/17]

۲ عبادات میں سختی سے کام نہیں لینا چاہیے۔

۳ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعض ایسے خصائص تھے جو کسی اور کو حاصل نہ تھے، جیسے چار سے زائد شادیاں، قیام اللیل واجب ہونا اور تواتر کے ساتھ روزے رکھنا وغیرہ۔

۴ نبی مکرم ﷺ کا اپنے رب کے ہاں مقام ومرتبہ ظاہر ہوتا ہے۔

صحیح احادیث قدسیہ

محدث العصر علامہ ناصر الدین البانیؒ کی کتب سے ماخوذ، صحیح احادیث کی روشنی میں
کبار علمائے امت کی تشریحات کے ساتھ

ترجمہ
فضیلۃ الشیخ محمد امان اللہ ناصر مدنی حفظہ اللہ
فاضل مدینہ یونیورسٹی

مکتبہ بیت السلام
ریاض۔ لاہور

صحیح فضائل اعمال

محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی کتب سے ماخوذ، صحیح احادیث کی روشنی میں
کبار علمائے امت کی تشریحات کے ساتھ

ترجمہ
فضیلۃ الشیخ محمد سعید الرحمن ہزاروی حفظہ اللہ تعالیٰ
مدرس جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ

مکتبہ بیت السلام
لاہور، الریاض

صحيح

معجزات الرسول ﷺ

من كتب العلامة محمد ناصر الدين الألباني رحمه الله

ومعه

شروح و تعليقات لجماعة من علماء الأمة

مكتبة بيت السلام لاهور رياض

Tel: 4381155 - 4381122 Fax: 4385991

Mob: 0542666646,0566661236,0532666640

Email: bait.us.salam1@gmail.com

Web: baitussalam.exai.com

Tel: 042-37361371

Mob: 0321-9350001

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

Facebook page :Baitussalam book store